مجاھدِ اسلام

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح

تالیف

مولانا اسیر ادروی

حسب الارشاد

فضیلۃ الشیخ حضرت الاستاذ **ماجد مسعود** رحمت اللہ

مدیر: المدرستہ الصولتیہ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

پسند فرمودہ

مفتی **شیر محمد علوی** مدظلہ

سابق مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

مدیر: دارالافتاء جمیلی کرم آباد وحدت روڈ لاہور پاکستان

مجاہدِ اسلام
مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

تالیف

مولانا اسیر ادروی

حسب الارشاد

فضیلۃ الشیخ الاستاذ **ماجد مسعود** رحمت اللہ

مدیر: المدرسۃ الصولتیہ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

پسند فرمودہ

مفتی شیر محمد علوی مدظلہ

مدیر: دار الافتاء جمیلی کرم آباد وحدت روڈ لاہور پاکستان

دار الکتاب

کتاب ———— مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

تالیف ———— مولانا اسیر ادروی

ناشر ———— دارالکتاب
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 92-042-37241288

اشاعت ———— مئی ۲۰۱۵

تعداد: ———— ۱۰۰۰

طابع ———— غلام مصطفیٰ

قیمت ———— روپے

قانونی مشیر ———— باہتمام

عطاء الرحمٰن، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

حافظ محمد ندیم
0300-8099774
0321-4650131

فہرستِ مضامین

باب ۲

باب ۳

باب ۴

باب ۵

باب ۸

باب ۹

باب ۱۶

باب ۲۲

☆☆☆☆☆☆☆

حرفِ آغاز

مجاہد اعظم حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام انیسویں صدی عیسوی کے ٹھیک وسط میں لوگوں کی زبان پر آیا جب انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا، پھر یہ نام پوری دنیا میں گونج گیا۔ ایک زمانہ میں صلاح الدین ایوبی کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے عیسائی دنیا کی نیند حرام ہوگئی تھی، انیسویں صدی کے نصف آخر میں مولانا کیرانوی کا نام پادریوں، اسقفوں اور مشنریز کی نجی مجلسوں میں ان کے جسموں پر لرزہ طاری کرنے کیلئے کافی تھا، مولانا کیرانوی نے ہندوستان میں اسلام کی حفاظت اس خطرناک دور میں کی جب وہ موت وحیات کے دوراہے پر کھڑا تھا اور ہندوستان سے اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کے لئے ایک جابر وقاہر حکومت اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ میدان عمل میں آچکی تھی مگر قدرت نے اس یلغار کو روکنے کیلئے مولانا کیرانوی کو پیدا کیا جنھوں نے اس سیلاب کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کردی اور پھر سیلاب اپنے مخرج میں سمٹ کر رہ گیا، یورپ کی سامراجی طاقتوں نے اپنی ہوس ملک گیری کے عفریت کو مذہبی لباس پہنا کر اپنی حکومت کے استحکام کا ایک تجربہ آج سے ڈھائی تین سو سال قبل اندلس میں کیا تھا جہاں نوسوسالہ مسلم حکومت کو اپنی متحدہ فوجی قوت اور سیاسی حکمت عملی سے فتح کیا اور اپنی حکومت کو دیرپا اور اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے کیلئے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کا جال بچھایا اور عیسائی پادریوں کی ایک پوری فوج کو اس مورچے کو فتح کرنے پر لگادیا، لیکن جب یہ مرحلہ دیر طلب محسوس ہوا تو انھوں نے جبر وقہر کی سان چڑھائی ہوئی تلواریں سونت لیں اور ہر سر کو مجبور کردیا کہ وہ صلیب کے سامنے سجدہ ریز ہوجائے اور جو اکڑنے کی

کوشش کرے اس کی گردن ماردی جائے، یہ تجربہ ان کا کامیاب رہا، اس طرح پورے اندلس پر صلیب پرستوں کا ایسا جابرانہ وقاہرانہ قبضہ ہوگیا کہ کسی بھی توحید پرست متنفس کو اندلس کی فضا میں سانس لینے کی اجازت نہیں رہی، کسی مسلمان کو اپنی نوسوسالہ عظمت واقتدار کی نشانیوں کو مڑکر دیکھنے کی بھی مہلت نہیں دی گئی، جہاں کبھی وہ شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کے ساتھ حکمراں رہے اسی سرزمین میں ان کو ایک محکوم اور غلام کی حیثیت سے بھی جینے کا حق چھین لیا گیا، صلیب پرستوں کا انتہائی رعونت کے ساتھ اعلان تھا کہ یا تو عیسائی ہوجاؤ یا اس سرزمین سے دور نکل جاؤ، پھر دوبارہ اس کی طرف مڑکر دیکھنے کی بھی تم کو اجازت نہیں، اور اگر مڑکر اندلس کی طرف دیکھا تو تمہارا سر تمہارے قدموں میں ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ پورے ملک میں ایک ایک دن پچاس پچاس ہزار مسلمانوں کو بپتسمہ (۱) لینے پر مجبور کردیا گیا اور ننگی تلواروں کے سایے میں ان کے ایمان کو دم توڑنے کے لئے بے بس کردیا گیا، جن بزدل، بے غیرت مسلمانوں، یا اسلام کا نام لینے والوں نے ایمان کے بجائے جان کی حفاظت کو اولیت دی وہ سب کے سب عیسائی بنالئے گئے اور جو غیرت مند ایمان پر ثابت قدم رہے انھوں نے اندلس کی سرزمین ہمیشہ کیلئے چھوڑ دی اور کئی نسلوں تک خانہ بدوشی کی مصیبت بھری زندگی گذارتے رہے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حکمراں عیش پسند اور تملق پسندوں کے نرغے میں گھرے رہے، وہ اس شدید غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ دولت وحکومت ان کی زرخرید کنیز ہے وہ ہمارے قبضہ واختیار سے کبھی باہر نہیں جاسکتی، ملک کے علماء ومشائخ تقرب

---

(۱) رنگنا، عیسائی مذہب کی ایک رسم جس میں بچے کے پیدا ہونے پر اس کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں، اور اسے عیسائی مان لیا جاتا ہے۔ (فیروز اللغات کلاں، ص: ۱۷۷)

سلطانی حاصل کرنے ، دولت سمیٹنے اور پیری مریدی کی دکان سجانے میں لگے رہے، ان کے سینوں میں اسلامی غیرت وحمیت مر چکی تھی، ایمانی جرأت وشجاعت عنقا ہو چکی تھی یا دنیا طلبی کے بوجھ تلے دم توڑ چکی تھی اور جب عیسائیت ان پر حملہ آور ہوئی تو وہ بزدلوں اور بے غیرتوں کی طرح گوشۂ عافیت تلاش کرتے رہے اور سامان تعیش چھن جانے پر عورتوں کی طرح آنسو بہاتے رہے، اسلام کے مٹ جانے اور شمع ایمان کے بجھ جانے کا ان کو کوئی غم نہیں تھا، اسلام کے تحفظ اور ایمان کی حفاظت کیلئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دینے کا جذبہ فنا ہو چکا تھا، اس لئے دشمن کا مقابلہ کرکے عیسائیت کی یلغار کو روکنے کی نہ ان میں ہمت و جرأت تھی اور نہ ان کے بازوؤں میں طاقت وقوت نہ دل میں غیرت وحمیت، حد تو یہ ہے کہ غرناطہ کا حکمراں ابوعبداللہ فرڈی ننیڈ اور ازابیلا کو قلعہ کی کنجیاں جان کی امان پر حوالے کرکے محل میں روتا ہوا اپنی بہن عائشہ کے سامنے گیا تو اس کی غیور اسلامی غیرت وحمیت اور جرأت ایمان کی پیکر، جذبات سے کھولتی ہوئی اس عورت نے جو کہا وہ اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا گیا، اس نے خشمگیں نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا اور کہا:

> ”جب تم نے بہادر مردوں اور غیرت مند مسلمان کی طرح اپنی حکومت اور اقتدار کی حفاظت کیلئے اپنی جان نہیں دی تو اب عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے کیا فائدہ؟ تم کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہئے، تم نے اسلامی تاریخ کو داغدار بنا دیا، ناموران اسلام اور اپنے غیور آباء واجداد کی آبرو خاک میں ملا دی، مجھے ایسے بھائی کی بہن بننا منظور نہیں“

اندلس میں صلیب پرستوں کے سامنے مسلمانوں کی پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوسو سالہ حکومت کے دورِ عروج کی ساری علامتیں اور نشانیاں حرف غلط کی طرح مٹا دی گئیں، قلعۂ حمراء کی بلند وبالا فصیلوں سے اسلامی پرچم اتار کر وہاں صلیبی جھنڈا لگا دیا

گیا، دنیا کی عظیم الشان اور مشہور ترین مسجد قرطبہ جو اپنے طول وعرض، اپنی آرائش وزیبائش اور عظمت وجلال کی وجہ سے لاثانی اور بے مثال تھی وہ گرجا گھر بنادی گئی، کسی مسلمان کو وہاں سجدہ کرنے تک کی اجازت نہیں رہی، جس دن ایوان حکومت سے اسلامی پرچم اتارا گیا اس دن سے آج تک اندلس کی ہزاروں ہزار مسجدوں کے بلند میناروں سے صدائے توحید اللہ اکبر کی آواز فضا میں بلند نہیں ہوئی اور آج تک وہ سرزمین اللہ اکبر کی آواز سے محروم چلی آرہی ہے، اتنا وسیع وعریض، سرسبز وشاداب، حسین وجمیل، آٹھ صدیوں سے مسلمانوں کے ہاتھوں سنوارا اور سجایا ہوا ملک مسلمانوں سے ایک دم خالی ہوگیا، آج بھی کوئی مسلمان سیاح مسجد قرطبہ میں جاکر علی الاعلان دو رکعت نماز پڑھ لے، یہ ناممکن ہے۔ اندلس کی شکست اسلام اور مسلمانوں کی شاندار روایات کی بدترین شکست ہے، اس شکست نے مسلمانوں کی پوری تاریخ داغدار ہوگئی، اندلس کی تاریخ پڑھتے ہوئے غیور اور حساس دل کے سارے ٹانکے کھل جاتے ہیں، زخم ہرے ہوجاتے ہیں اور ان سے خون رسنے لگتا ہے پورا اندلس مسلمانوں کی شاندار روایات اور شاندار تمدن وتہذیب کا قبرستان بن کر رہ گیا۔

اندلس پر قبضہ کرنے کے سو سال بعد ہندوستان میں بھی صلیب پرستوں اور انگریزی سامراج نے یہی تاریخ دہرانے کی کوشش کی، ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو مکمل طور پر شکست دینے کیلئے عیسائیت کو ہندوستان پر مسلط کرنے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن ایک مرد مسلماں مجاہد اسلام نے اپنی قوت ایمانی سے وہ حیرتناک کارنامہ انجام دیا کہ اتنی بڑی جابر وقاہر حکومت کی منصوبہ بندی کا شیرازہ ٹوٹ گیا اور اس کا ہر ورق ناکامی کی فضا میں اُڑ کر گم ہوگیا۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انگریز ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے نہیں تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے آئے تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی ان کے کاروباری

ادارے کا نام تھا، یہ بنگال اور مدراس میں بانس، بھوسہ، مچھلی اور نیل کی تجارت کرتے تھے اور اس کے منافع پر گذر بسر کرتے تھے، یہاں محنت و مشقت سے جو کماتے وہ اپنے خاندان والوں کو اپنے وطن بھیج دیتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے آج خلیجی ممالک میں یا ملیشیا وغیرہ میں ہندوستانی تجارت یا ملازمت کرکے گذر اوقات کرتے ہیں، بالکل یہی حال انگریزوں کا تھا لیکن اس کاروباری زندگی میں ان کو تجربات بھی حاصل ہوئے انھوں نے دیکھا کہ یہاں ضمیر و ایمان سستے نرخ پر مل جاتا ہے۔

ہندوستان میں طوائف الملو کی کا دور دورہ تھا، مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی اس لئے پورے ملک میں طوائف الملو کی پھیلی ہوئی تھی ہر علاقہ میں چھوٹی چھوٹی خودمختار حکومتیں تھیں اور ہر دربار میں اقتدار پر قبضہ کرنے کیلئے سازشیں ہوتی رہتی تھیں ہر جگہ برسر اقتدار طبقہ کے خلاف ایک مخالف طاقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی اس صورت حال سے واقف تھی، انگریزوں نے اپنے کاروبار اور تجارت کی حفاظت کیلئے ایک چھوٹی سی فوج بنالی تھی جس میں ٹامی نسل کے لچے، لفنگے غنڈے یورپ میں پلنے والی ناجائز اولاد کے جوان افراد یورپ کے شہروں میں جرائم پیشہ یورپ سے بھاگ کر ہندوستان آگئے تھے، ان کو کمپنی نے اپنی فوج میں شامل کرلیا ان کو جدید طرز کے اسلحے فراہم کئے، وہ انتہائی خونخوار، جری تھے، بظاہر یہ تجارت کی حفاظت کیلئے تھے لیکن ہندوستان میں انگریزی فتوحات کا دروازہ اسی فوج نے کھولا، بنگال کے حکمراں سراج الدولہ کے دربار میں اقتدار کیلئے رسہ کشی چل رہی تھی، سراج الدولہ کے مقابلہ میں میر قاسم تخت حکومت پر قابض ہونا چاہتا تھا اس نے ایسٹ انڈیا سے مدد طلب کی، کمپنی اپنا حق المحنت طے کرکے اس کی مدد کرنے کیلئے تیار ہوگئی اور سراج الدولہ کے وزیر جنگ میر جعفر کو کمپنی نے لالچ دے کر خرید لیا اور جب سراج الدولہ اور کمپنی کی فوج کا مقابلہ ہوا تو سراج الدولہ کی فوج کی توپوں میں بُھس بھرا ہوا

تھا جو میر جعفر کا کارنامہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند گھنٹوں میں سراج الدولہ کی چالیس ہزار فوج کو چند ہزار انگریزی فوج نے شکست دیدی، میر قاسم کو تخت حکومت مل گیا اور اس کے بدلے میں کمپنی کو اتنی بڑی رقم اور دولت ملی کی سال بھر کی تجارت میں بھی اتنا منافع نہیں مل سکتا تھا، سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنگال کی حکومت پر کمپنی کا دروبست قائم ہوگیا جس کو چاہا تخت پر بٹھا دیا اور جس کو چاہا اتار دیا اور ہر تبدیلی پر کروڑوں کی دولت کمپنی کے ہاتھ آتی تھی۔ کرناٹک میں محمد علی والا جاہ اور چاند شاہ کو لڑا کر یہی ڈرامہ کھیلا گیا، میسور میں سلطان ٹیپو کے خلاف اس کے وزیر میر صادق اور پورنیا کو لالچ دے کر خرید لیا اور سازش میں شریک کر کے اتنی مضبوط حکومت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، مرہٹوں کی طاقت ناقابل تسخیر مانی جاتی تھی لیکن کمپنی نے اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اپنا مطیع بنالیا، حیدر آباد کو فوجی دباؤ میں لیکر بے دست و پا کر دیا، انگریز ریزیڈنٹ کی اجازت کے بغیر نواب حیدر آباد حرکت نہیں کر سکتے تھے، واجد علی شاہ لکھنؤ کو بیک بنی دو گوش لکھنؤ سے نکال کر مٹیا محل برج کلکتہ میں نظر بند کر دیا، آخر آخر میں دہلی دربار میں کمپنی عمل دخل بڑھ گیا، حکومت چھین کر بادشاہ کا وظیفہ مقرر کر دیا اور بے دست و پا اور مفلوج بنادیا، اس طرح پورے ملک میں انگریزوں کو کوئی بڑی فوج کشی کی نوبت نہیں آئی اور پورے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ بھی ہوگیا اور یہ قبضہ اتنے رعب داب اور دبدبے کے ساتھ تھا کہ ان چند مٹھی بھر انگریزوں کے سامنے کسی کو کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، چند انگریز ہندوستانیوں کے بڑے سے بڑے مجمع کی طرف سے گذر جاتے تو وہ مجمع کائی کی طرح پھٹ جاتا، اس صورت حال میں کمپنی کا دماغ آسمان پر تھا، لندن میں عیش وعشرت کے شادیانے بجنے لگے۔

اب کمپنی کو اپنے مقبوضات پر قابو رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنائے اور فوج مکمل وفادار بھی ہو، ہندوستان کی مختلف قوموں پر بھروسہ کرنا

خطرہ مول لینا تھا اور اتنی بڑی تعداد میں یورپ سے انگریزوں کا آنا بھی ممکن نہ تھا جو پورے ملک پر کنٹرول کرسکیں، اسلئے انگریزوں نے یہیں کے ہندو اور مسلمانوں اور سکھوں کی مشترکہ فوج تشکیل کی، بالکل ویسی ہی جیسی مغلیہ دور حکومت میں تھی اور بڑی حد تک وہی قدیم فوج کمپنی کی وفادار ہوگئی جو پہلے موجود تھی لیکن کمپنی کبھی بھی اس ہندوستانی فوج پر کلی طور سے مطمئن نہیں ہوئی، کرنل، جنرل، بریگیڈیر اور فوجی افسر سب لازمی طور پر انگریز رکھے گئے جو فوج کی وفاداری پر ہمیشہ نظر رکھتے تھے کیوں کہ کسی بھی وقت وطن پرستی کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہے اور کمپنی کی حکومت کو جلا کر خاکستر کرسکتی ہے، کمپنی کے ڈائرکٹروں نے لندن کے ذہین ترین افراد سے اس سلسلے میں استصواب رائے کیا، انگلینڈ کی حکومت کے وزراء سے مشورے کئے، بہت غور وفکر کے بعد طے کیا گیا کہ جس طرح اندلس میں عیسائیت کی تبلیغ کرکے پورے ملک کو عیسائی بنا کر حکومت کو استحکام دیا گیا اور اس کو ناقابل تسخیر بنایا گیا بالکل اسی نہج پر ہندوستان میں بھی کام کیا جائے، وہاں کے باشندوں کی اکثریت کو عیسائی بنا کر اس تجربے سے فائدہ اٹھایا جائے، جب حاکم ومحکوم کا مذہب ایک ہوجائے گا تو فطری طور پر رعایا حکومت کی وفادار رہے گی اس طرح ہندوستان پر ہماری حکومت زوال کے خطرے سے ہمیشہ محفوظ کیلئے ہوجائے گی، اندلس میں مسلم حکومت کے سقوط کے بعد عیسائی حکومت کو اسی لئے استحکام حاصل ہوا کہ اب اس سرزمین میں کوئی غیر عیسائی نہیں رہ گیا انگلینڈ کی حکومت نے کمپنی کے ڈائرکٹروں کی اس رائے کو بہ نظر استحسان دیکھا اور پسند کیا اور لندن پارلیمنٹ میں اس اسکیم کی توثیق کی گئی، حکومت نے اس اسکیم کے خاکے میں رنگ بھرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔

شہری آبادی سے دور جنگلی علاقہ میں جہاں عام لوگوں کا گذر نہیں تھا وہاں ایک فصیل بند مدرسہ قائم کیا گیا، اسلامی علوم وفنون کے ماہر اساتذہ فراہم کئے گئے اور

شہری علاقے کے نوجوانوں کو اسلامی علوم وفنون کی تحصیل کیلئے مدرسہ میں داخل کیا گیا، ان کو بیش قرار وظیفہ اور تعلیم کی تکمیل کے بعد بہترین مستقبل کی ضمانت دی گئی، تعلیم وتربیت کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ اس ادارہ میں اسٹاف اور طلبہ کے علاوہ کسی بھی شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی اگر مصلحت کا تقاضا ہوا کہ کسی کو اس ادارہ کا معائنہ کرایا جائے تو انگلینڈ کی حکومت کے وزیر داخلہ سے باضابطہ اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہوگا، عام شاہراہ سے جو ذیلی سڑک ادارہ کی طرف جاتی تھی اس کے موڑ پر جلی قلم سے لکھا ہوا تھا۔ ''یہ عام راستہ نہیں ہے'' سرکاری اجازت نامہ صرف قانونی گنجائش تھی ورنہ عملاً کسی شخص کو اجازت نہیں دی جاتی تھی، حکومت کے اہم ترین ارکان ہی اس ادارہ کی ضرورتوں کے تحت وہاں جاسکتے تھے، ادارہ میں تمام اساتذہ انگریز تھے جو اسلامی علوم وفنون قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تاریخ وسیر کے ماہر مانے جاتے تھے، عربی فارسی اور اردو زبانوں میں ان کو درجۂ کمال حاصل تھا، وہ فصیح زبان بولتے اور لکھتے تھے، بہت سے انگریز ججوں کے فیصلے فارسی میں لکھے ہوئے عدالت کے ریکارڈ میں اب بھی موجود ہیں یہ اسی ادارہ کا فیض تھا، کئی درجن انگریز اساتذہ اور کئی سو انگریزوں کی اولاد اسی فصیل بند مدرسہ میں رہتی تھی، تمام طلبہ اور اساتذہ کا یونیفارم ایک تھا یعنی سفید عبائیں، عمامے، مولویانہ پاجامہ، چہرے پر خوبصورت داڑھیاں مسلمانوں کی طرح سلام کلام، بالکل ایسے ہی جیسے ہندوستان میں اسلامی مدرسوں کے طلبہ وساتذہ رہتے ہیں، کسی رخ سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ سخت قسم کے عیسائی ہیں، اس ادارہ میں پہونچ کر کوئی بھی شخص حیرت زدہ رہ جائے کہ اس جنگلی علاقہ میں علماء اسلام کی یہ مقدس جماعت زمین سے نکل پڑی ہے یا آسمان سے اتر آئی ہے۔ قد آور، خوبصورت گورے چٹے، صاف شفاف اسلامی لباس میں اساتذہ وطلبہ کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ جیسے نورانی فرشتوں کی کوئی جماعت اس سرزمین پر اتر پڑی ہے، چھ سات

سال کے نصاب کے دوران تعلیم یونیفارم اور اردو زبان کا استعمال ہر ایک کے لئے لازم تھا، دوران تعلیم ادارہ میں اپنی مادری انگریزی زبان استعمال کرنے کی ان کو اجازت نہیں تھی، اس طرح انیسویں صدی کی بالکل ابتداء سے اپنے طلبہ کو تعلیم اور تربیت دے رہا تھا، اسلامی علوم وفنون کی کتابیں داخل درس تھیں انھیں سے اسلام پر اعتراض اور تنقید کا فن سکھایا جاتا تھا اور جب نصاب مکمل ہو جاتا تو ان کو ماہر علوم اسلامیہ کی ڈگری دے دی جاتی تھی وہ بڑے بڑے گرجا گھروں میں پادری بن کر لمبی لمبی تنخواہیں پاتے تھے یا انگلینڈ کی حکومت اپنے مقبوضہ ملک میں سرکاری الاؤنس اور تنخواہ پر بھیج سکتی تھی، وہ اردو میں تقریریں کرنے والے، عربی فارسی میں کتابیں لکھنے والے، اسلامی کتابوں کے حوالے دینے والے، احادیث وتفاسیر پر نقد وجرح کرنے والے تیز طرار عالم مانے جاتے تھے، اسی ادارہ کے تربیت یافتہ پادریوں کو ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں بھیجا گیا تاکہ پورے ملک کو عیسائی بنانے کی مہم کو پایہ تکمیل تک پہونچائیں ۔ یہ ادارہ انیسویں صدی کے آخر تک رہا، اس کے تعلیم یافتہ نوجوان جوش وجذبہ سے بھرے ہوئے تھے، یہ نوجوان پادری ہندوستان کے ہر خطہ میں متعین کردیئے گئے، ملتان اور پشاور سے لے کر آسام و بنگال تک ان کی تگ ودَو جاری ہوگئی، دارالحکومت دہلی اور آگرہ میں لندن کا اسقف اعظم پادری بی فنڈر اپنے معاون پادریوں کی ایک پوری ٹیم کے ساتھ عیسائی پادریوں کی فوج کی کمان سنبھالے ہوئے تھا، اس کی ذاتی سرگرمیاں دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد کی سیڑھیوں سے شروع ہوکر اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی مجلسوں تک جاری تھیں۔

عیسائی مشنریز اپنے ساتھ پریس بھی لائے تھے جبکہ ہندوستان میں ابھی پریس نہیں تھا، سردھنہ، آگرہ، مرزاپور وغیرہ میں ان کے بڑے بڑے پریس تھے، ان میں اہل قلم عیسائی پادری مقرر کئے گئے جو اردو میں اسلام کے خلاف کتابیں لکھ کر طبع

کراتے اور پورے ملک میں مفت تقسیم کرتے، بازاروں، میلوں ٹھیلوں، تیرتھ گاہوں اور مذہبی جلسوں میں ان کی اشاعت کرتے، تمام پادریوں کی ذمہ داری تھی کہ جن جن مقامات پر ہندوستانیوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسے ہندوؤں کے سالانہ میلے، تیرتھ گاہیں، مسلمانوں کی نماز جمعہ، عیدین کے موقعوں پر اپنی کتابوں کے اسٹال لگائیں، اردو زبان میں عیسائیت کے فضائل ومناقب پر اسلام کے باطل مذہب ہونے پر تقریریں کریں اپنا لٹریچر اور انجیل کے چھوٹے چھوٹے نسخے تقسیم کریں، حکومت کے تمام افسران، عہدیداران، گورنر، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، کلکٹر، ڈپٹی کلکٹر انگریزوں کو بنایا جائے جو خود بھی پکے عیسائی ہوں، اسی کے ساتھ مشنری ذہن ومزاج کے بھی ہوں، ان کو عیسائیت کی تبلیغ واشاعت اور فروغ دینے سے ذاتی دلچسپی ہو، تمام انگریز افسران کو حکم تھا کہ جن علاقوں میں پادری تبلیغ کیلئے جائیں پولیس کو ان کی حفاظت کیلئے مقرر کریں پولیس اور تھانیدار پادریوں کے ساتھ رہیں تاکہ کسی کو پادریوں سے الجھنے کی ہمت نہ ہو اور نہ کوئی خلفشار پیدا کرنے کی جرأت کرے، ترغیب وترہیب کے سارے وسائل اختیار کرنے کا ان کو حق حاصل تھا، ہندو یا مسلمان اگر عیسائی ہو جاتا تو اس کا اعزاز واکرام بڑھ جاتا، اس کو عہدہ ومنصب دیا جاتا ان کو ہر طرح عیش وآرام کی سہولتیں فراہم کی جاتیں، یہ بھی حکم تھا کہ ہندوستانی عیسائی ہونے والوں کو پادری کا درجہ دیا جائے اور عیسائیت کے فروغ میں ان سے صلاح ومشورہ لیا جائے، اگر مسلمانوں کے اہل علم طبقہ سے کوئی عیسائی ہو جائے تو اس کو پادری کا عہدہ اور تنخواہ دی جائے۔ پادری محی الدین پشاوری، پادری صفدر علی، پادری نیاز علی، پادری عبدالکریم، پادری عماد الدین، وغیرہ اسی دور کے مشہور اور سرگرم پادری تھے جو علماء اسلام سے مناظرہ کرنے اور اسلام کے خلاف کتابیں لکھنے میں پیش پیش تھے۔

مسلمان اور ہندو جو سرکاری ملازم تھے ان کیلئے ہر اتوار کے دن اپنے انگریز

افسر کے بنگلہ پر جا کر پادریوں کی تقریریں سننی ضروری تھیں، اور تمام ملازمین اس کی پابندی بھی کرتے تھے، پھر اس کے بعد براہ راست تمام مسلمان اور ہندو ملازمین کو فرداً فرداً خط لکھا گیا کہ وہ جلد از جلد عیسائیت قبول کرلیں ورنہ ملازمت سے سُبکدوش کر دیئے جائیں گے اور سب سے آخر میں کلکتہ کے لاٹ پادری ایڈمنڈ جو کمپنی کے دارالحکومت کلکتہ میں رہتا تھا جو عیسائیت کو پورے ملک میں پھیلانے کی مہم کو کامیاب بنانے کا ذمہ دار تھا اس نے ایک کھلا خط شائع کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہر ہندوستانی از خود جلد از جلد عیسائیت قبول کرلے، اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا ورنہ وہ نتیجہ کا خود ذمہ دار ہوگا۔ (رسالہ اسباب بغاوت ہند' مرتبہ سرسید احمد خاں وحیات جاوید از خواجہ حالی)

یہ آخری الٹی میٹم تھا کہ اب اس کے بعد بزور طاقت ان کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا، اتنی سخت وارننگ کے باوجود پورے ملک سے احتجاج کی ایک آواز بھی نہیں بلند ہوئی، انگریزی حکومت نے سمجھ لیا کہ ہندوستانیوں کی حمیت وغیرت مر چکی ہے بالخصوص مسلمانوں کی غیرت ایمانی دم توڑ چکی ہے اب اس میں کسی جرأتمندانہ قدم اٹھانے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے، اس لئے حکومت نے دہلی کی مشہور جامع مسجد جو کہ قلب شہر میں واقع ہے اس کو گرجا گھر بنانے کا منصوبہ بنالیا اور بڑی سرگرمی سے گرد وپیش اور حالات کا جائزہ لیا جانے لگا اور عملی اقدام کی تدابیر سوچی جانے لگیں، تاریخ کے اسی اہم موڑ پر لندن کے اسقف اعظم پادری فنڈر کو لندن سے بلا کر دارالحکومت دہلی کا انچارج بنا دیا گیا، پادری فنڈر نے لندن میں قیام کے دوران ایک کتاب "میزان الحق" کے نام سے لکھی تھی جب اس کو شائع کیا گیا تو لندن کے ہر طبقہ میں کتاب کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا اور پادریوں کی اکثریت نے کہا کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے اس کا جواب دینا ممکن نہیں، ہر چہار جانب کی تعریفوں سے پادری فنڈر کا دماغ آسمان پر پہونچ گیا، اس نے یقین کرلیا کہ ہندوستان کے علماء

اسلام سے اس کا جواب ناممکن ہے، وہ یہ کتاب لیکر دارالحکومت دہلی آیا اور کتاب تقسیم کر کے چیلنج کیا کہ اگر مسلمان اپنے کو اہل حق سمجھتے ہیں تو اس کتاب کے دلائل کو توڑ دیں اور کتاب کا جواب لکھدیں۔

یہ ۱۸۵۴ء کے آغاز کی بات ہے پورے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت مکمل ہو چکی تھی، اس کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا اور وہ پورے ملک کو عیسائی بنانے پر تلی ہوئی تھی پورا ملک اس کی مٹھی میں تھا، ہر شخص سہا ہوا تھا کیونکہ ہر شخص جانتا تھا کہ پادری فنڈر کی زبان میں ایک ظالم و جابر حکومت بول رہی ہے، فنڈر کا جواب دینے کا مطلب حکومت سے جنگ کرنی ہے اور اس کیلئے کسی میں ہمت نہیں تھی، عوام کی تو کیا حیثیت تھی بادشاہ وقت خود لال قلعہ کی چہار دیواری میں قید تھا اور کمپنی کا وظیفہ خوار تھا، قلعہ کی فصیل سے باہر اس کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی، پوری دہلی پر تو کمپنی کی حکومت تھی ہندوستان میں اسلام اسی بے بسی و بے کسی کے عالم تھا کہ ایک غیرتمند مرد مسلمان اٹھا اور پادری فنڈر کے چیلنج کے جواب میں پوری قوت ایمانی کے ساتھ اعلان کیا کہ میں مجمع عام میں پادری فنڈر سے مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہوں ۔وہ مرد مجاہد مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

تبلیغ عیسائیت کا ماحول اتنا گرم ہو چکا تھا کہ سرسید جیسا انگریز پرست بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ دارالحکومت دہلی میں جتنے سرکاری ملازم تھے اور چھوٹے بڑے عہدوں پر کام کر رہے تھے چاہے وہ ہندو رہے ہوں یا مسلمان ہر ایک کو یقین ہو چکا تھا کہ امروز وفردا میں ہم سب لوگوں کو چاہے برضا ورغبت، چاہے بہ جبر واکراہ عیسائیت قبول کر لینا پڑے گا۔ فرداً فرداً ہر ملازم کو چٹھیوں کے ذریعہ عیسائیت قبول کرنے کا حکم ملتا رہتا تھا، ابھی جبر وقہر کا مرحلہ نہیں آیا تھا، البتہ کلکتہ کا لاٹ پادری ہندوستانیوں کے نام خط لکھ چکا تھا کہ اب ہر شخص کو عیسائیت قبول کر لینا ضروری ہے، خط پڑھ کر کچھ ضمیر

فروش عیسائیت قبول کر چکے تھے کچھ تذبذب میں تھے بقیہ تمام لوگ کانپ کر رہ گئے کہ اب ایمان کی خیر نہیں، ہفتہ دو ہفتہ میں حکم نافذ ہو کر رہے گا، اگر ہم نے عیسائیت قبول نہیں کی تو ہم سے اس سرزمین میں زندہ رہنے کا حق چھین لیا جائے گا، یہ سوچ کر جن دلوں میں ایمان کی حرارت تھی ان کے آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا کوئی ان کی رہنمائی کرنے والا نہیں تھا، کوئی ان کو صحیح راہ دکھانے والا نہیں تھا، کوئی بھی ان کی فریاد سننے والا نہیں تھا حتیٰ کی کوئی اس ظلم وجبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والا نہیں تھا، مرعوبیت کا یہ عالم تھا کہ اس جبر وقہر کے مقابلہ میں کسی کو زبان سے انکار کا لفظ برملا کہنے کی بھی ہمت نہیں تھی بس گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر آنسو بہا کر رہ جانا ان کا مقدر بن چکا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے غراتے ہوئے شیر کے سامنے نازک اندام ہرن اور خونخوار درندوں کے سامنے بکریاں کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی ہیں، آنکھوں تلے اندھیرا چھاتا چلا گیا، ٹھیک اسی کربناک ماحول اور خوف وہراس سے بھری ہوئی فضا میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی جیسے مرد مسلماں نے دھاڑتے ہوئے طوفان سے لڑنے کا اعلان کر دیا اور کہہ دیا

یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن بر آید

پادری فنڈر کے جواب میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے اعلان کا مطلب یہ تھا کہ توحید پرستوں کے بدن میں جب تک جان ہے وہ کبھی بھی تم کو ہندوستان کی سرزمین کو اندلس بنانے کا موقعہ نہیں دیں گے، تمہارا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا، نعرہ توحید کو تثلیث پرستی کے شور وشغب سے دبانے، توحید کے مراکز ومساجد کو تثلیث پرستوں کا اڈا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی جب تک اس سرزمین پر ایک توحید پرست زندہ رہے گا وہ کبھی تمہارے ناپاک ارادے کو کامیاب نہں ہونے دے گا، یہ اعلان بہت آسان نہ تھا، مگر بہر حال ہوا۔

اندلس کے بے غیرت عیش پسند حکمرانوں نے بزدلی دکھائی مگر ہندوستان کے علماء اتنے بے غیرت نہیں تھے، وہ نہتے ہو کر بھی جنگ کرنا جانتے ہیں، ایمان کی طاقت ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی، ضلع مظفر نگر کے ایک معمولی قصبہ کیرانہ کا وہ شیر دل مسلمان جن کو بہت کم لوگ جانتے تھے اور پھر چند ہی دنوں کے بعد ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر اور کہیں زیادہ یورپ کے ملکوں کی زبانوں پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام جاری ہو گیا اور وہ اپنے زندہ جاوید کارنامے کی وجہ سے عالمی شہرت کے مالک ہو گئے، کیونکہ انھوں نے ایسے کربناک سناٹے میں اپنی زلزلہ فگن آواز بلند کی جب کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اور پورا ہندوستان جس کے سننے کیلئے گوش بر آواز تھا۔

ایسی عظیم اور تاریخ ساز شخصیت کا ذکر اسلامی ہند کی تاریخوں میں اتنا کم ہے کہ آج اہل علم کا ایک بڑا طبقہ ان کے عظیم الشان کارناموں، ان کے علم و فضل، ان کے مقام و مرتبہ سے بہت کم واقف ہے۔

ماخذ و مراجع: مولانا کیرانوی کی تصانیف جو پورے ڈیڑھ سو برس پہلے ایک بار طبع ہوئیں پھر ان کے دوبارہ طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی، جس کی وجہ سے وہ ناپید ہیں، اسی زمانہ میں مناظرہ کی تین رودادیں اردو فارسی میں طبع ہوئی تھیں مراسلات مذہبی، مراسلات البحث الشریف کے ناموں سے شائع ہوئیں اور حتی الامکان ان کو عام کرنے کی کوشش بھی ہوئی لیکن اب نہ کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں نہ پبلک لائبریریوں میں ان کا پتہ چلتا ہے، مذکورہ بالا میٹر و مواد اور رودادیں کہیں ہو سکتی ہیں تو ذاتی کتب خانوں میں ہو سکتی ہیں جو عام دسترس سے باہر ہیں، اسی وجہ سے حالات و واقعات کی جستجو میں سخت دشواریاں ہیں وہ تو بڑا احسان ہے کہ مولانا کیرانوی کے خاندان کے ایک فرد مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کا

کہ آج سے پچاس برس پہلے ایک مفصل مقالہ لکھا تھا جو اس زمانے میں ندائے حرم کراچی رجب، شعبان ۱۳۷۱ھ، اپریل، مئی ۱۹۵۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، یہ مقالہ مولانا کیرانوی کی شخصیت، خاندان، آباء واجداد اور نسب نامہ، شاہانِ مغلیہ کے عطایا اور دوسری مستند معلومات پر مشتمل ہے، یہ دستاویزی مقالہ اس وقت میرے سامنے ہے جن سے مولانا کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں مکمل استفادہ کیا ہے، اسی زمانہ میں ایک تحقیقی مقالہ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند علیہ الرحمہ نے مولانا کیرانوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بہت تحقیقی انداز میں روشنی ڈالی ہے، وہ بھی اسی زمانہ میں اسی ''ندائے حرم'' رسالہ میں شائع ہوا وہ بھی میرے پاس موجود ہے، اس سے کئی اہم معلومات حاصل ہوئیں جن سے میں پہلے بے خبر تھا کچھ عرصہ قبل عربی زبان میں ایک کتاب ''المناظرة الكبرىٰ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے جو بہت ضخیم اور مفصل ہے، مصنف کے سامنے بیشتر قدیم دستاویزی ثبوت موجود معلوم ہوتے ہیں انھوں نے مناظرہ کی مکمل روداد تو کم البتہ اس کے مباحث ،فریقین کی تقریروں کو حتی الامکان مکمل صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ تفصیلات مجھے کہیں دوسری کتاب میں نہیں ملی ہیں، میں نے مباحث کی تفصیل اسی کتاب سے لی ہے البتہ میں نے ان تقریروں کو مختصر ضرور کیا ہے کیونکہ اردو خواں طبقہ میری نگاہوں کے سامنے تھا، اسلئے اختصار میری مجبوری تھی، اس دور کے سیاسی ومذہبی حالات عیسائیت کے فروغ کیلئے ہونے والی جدوجہد کے سلسلہ میں میری سامنے خواجہ حالی کی حیات جاوید اور سرسید احمد خاں کا مشہور رسالہ اسباب بغاوت ہند اور پروفیسر گارساں دی تاسی فرانسیسی کے خطبات کے دونوں مجموعے اس وقت میرے سامنے ہیں، ان کتابوں سے جو مستند اور دستاویزی معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ ہر قسم کے شک وشبہہ سے بالاتر ہیں جن میں مبالغہ آرائی کا امکان تک نہیں، اسلئے ماحول اور

فضا کی عکاسی میں میں نے ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے، غدر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے حالات ونتائج اور کمپنی کی حکومت کی کارروائیوں کے سلسلہ میں سب سے مستند کتاب سرایڈورڈ طامسن کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ''غدر ۱۸۵۷ء تصویر کا دوسرا رخ'' میرے مطالعہ میں ہے اور تمام تر واقعات اسی کتاب سے لئے گئے ہیں، میری دوسری کتابوں میں اس دور کی کہیں مجمل کہیں مفصل تاریخ آچکی ہے وہ سب میرے پیش نظر ہے، میں نے اس کتاب کی ترتیب میں مستند ترین مآخذ کو پیش نظر رکھا ہے پھر بھی اگر کہیں تشنگی محسوس ہو اور کمی نظر آئے تو اس کو میری مجبوری پر محمول کیا جائے و

اسیر ادروی

جامعہ اسلامیہ بنارس۔ ۳/ اگست ۲۰۰۰ء

ایک عہد ساز شخصیت
جس نے اسلامی ہند کو اندلس نہیں بننے دیا

.... اسیر ادروی

یورپ کی سامراجی طاقتوں نے اپنی اپنی ہوس ملک گیری کے عفریت کو مذہبی لباس پہنا کر اپنی حکومت کے استحکام کا ایک تجربہ آج سے ڈھائی تین سو سال قبل اندلس میں کیا جہاں نو سو سالہ مسلم حکومت کو اپنی متحدہ فوجی طاقت اور سیاسی حکمت عملی سے فتح کیا اور اپنی حکومت کو دیرپا اور اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے کے لئے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کا جال بچھایا اور عیسائی پادریوں کی ایک پوری فوج کو اس مورچہ کے فتح کرنے پر لگا دیا لیکن جب یہ مرحلہ دیر طلب محسوس ہوا تو انہوں نے جبر وقہر کی سان چڑھائی ہوئی تلواریں سونت لیں اور ہر سر کو مجبور کیا کہ وہ صلیب کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے اور جو اکڑنے کی کوشش کرے اسکی گردن ماردی جائے، یہ تجربہ انکا کامیاب رہا پر اس طرح پورے اندلس پر صلیب پرستوں کا ایسا جابرانہ و قاہرانہ قبضہ ہو گیا کہ کسی بھی توحید پرست متنفس کو اندلس کی فضاء میں سانس لینے کی اجازت نہیں رہی، کسی مسلمان کو اپنی نو سو سالہ عظمت واقتدار کی نشانیوں کو مڑ کر دیکھنے کی بھی مہلت نہیں دی گئی جہاں کبھی وہ شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کے ساتھ حکمراں رہے اسی سرزمین میں انکو ایک محکوم اور غلام کی حیثیت سے بھی جینے کا حق چھین لیا گیا انکا پرہیبت آوازوں میں اعلان تھا یا تو عیسائی ہو جاؤ یا اس سرزمین سے دور نکل جاؤ

پھر دوبارہ اس کی طرف مڑکر دیکھنے کی بھی تم کو اجازت نہیں اگر گردن موڑ کر اندلس کی طرف دیکھا تو تمہارا سر تمہارے قدموں میں ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ پورے ملک میں ایک ایک دن پچاس پچاس ہزار مسلمانوں کو عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا ننگی تلواروں کے سائے میں انکو بپتسمہ دیا گیا، جن بزدل، بے غیرت اسلام کا نام لینے والوں نے ایمان کے بجائے اپنی جان کی حفاظت کو اولیت دی وہ سب کے سب عیسائی ہو گئے جو غیرتمند ایمان پر ثابت قدم تھے انہوں نے اندلس کی سرزمین ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی اور کئی نسلوں تک خانہ بدوشی کی مصیبت بھری زندگی گذارتے رہے۔

یہ سب کچھ صرف اسلئے ہوا کہ حکمراں عیش پسند اور تملق پسندوں کے نرغے میں گھرے رہے وہ اس شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ دولت وحکومت انکی زرخرید کنیز ہے وہ ہمارے قبضہ واختیار سے کبھی باہر نہیں جاسکتی ملک کے علماء و مشائخ تقرب سلطانی حاصل کرنے، دولت دنیا سمیٹنے اور پیری مریدی کی دکان سجانے میں لگے رہے انکے سینوں میں اسلامی غیرت وحمیت مرچکی تھی، ایمانی جرأت وشجاعت دنیا طلبی کے بوجھ سے دم توڑ چکی تھی اور جب عیسائیت ان پر حملہ آور ہوئی تو وہ بزدلوں اور بے غیرتوں کی طرح گوشۂ عافیت تلاش کرتے رہے اور سامان تعیش چھن جانے پر عورتوں کی طرح ٹسوے بہاتے رہے اسلام کے مٹ جانے اور شمع ایمان کے بجھ جانے کا کوئی غم نہیں تھا اسلام کے تحفظ اور ایمان کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دینے کا جذبہ فنا ہو چکا تھا اسلئے وہ دشمن کا مقابلہ کر کے عیسائیت کی یلغار کو روکنے کی نہ ان میں ہمت وجرأت تھی اور نہ انکے بازوؤں میں طاقت وقوت، نہ ہمت وغیرت، حد یہ ہے کہ غرناطہ کا حکمراں ابوعبداللہ فرڈی فنڈ اور ازابیلا کو قلعہ کی کنجیاں جان کی امان پر حوالہ کر کے محل میں روتا ہوا اپنی بہن عائشہ کے سامنے گیا تو اسکی غیور اسلامی حمیت وغیرت اور جرأت ایمانی کی پیکر جذبات سے کھولتی ہوئی بہن نے جو کہا وہ

اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھا گیا، اس نے خشمگیں نگاہوں سے بھائی کو دیکھا اور کہا :

''جب تم نے بہادر مرد اور غیرت مند مسلمان کی طرح اپنی حکومت اور اسلامی اقتدار کی حفاظت کے لئے اپنی جان نہیں دے دی تو اب عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے کیا فائدہ؟ تم کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہئے، تم نے ناموران اسلام اور اپنے غیور آباء واجداد کی آبرو خاک میں ملا دی، مجھے ایسے بے غیرت بھائی کی بہن بننا منظور نہیں'' ۔

انجام کار :

صلیب پرستوں کے سامنے پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوسوسالہ حکومت کے دور عروج کی ساری علامتیں اور نشانیاں حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں قلعہ حمرا کی بلند وبالا فصیلوں سے اسلامی پرچم کو اتار کر وہاں صلیبی جھنڈا لہرا دیا گیا دنیا کی مشہور ترین عظیم الشان مسجد قرطبہ جو اپنے طول وعرض اور اپنی آرائش و زیبائش اور عظمت وجلال کے اعتبار سے لاثانی اور بے مثال تھی وہ گرجا گھر بنادی گئی کسی مسلمان کو وہاں سجدہ ریز ہونے تک کی اجازت نہیں رہی جس دن ایوان حکومت سے اسلام کا پرچم اتارا گیا اس دن سے آج تک اندلس کی ہزاروں ہزار مسجدوں کے بلند میناروں سے صدائے توحید اللہ اکبر کی آواز فضا میں بلند نہیں ہوئی اور آج تک وہ سرزمین اللہ اکبر کی آواز سے محروم چلی آرہی ہے، اتنا وسیع وعریض، سرسبز وشاداب، حسین وجمیل ملک مسلمانوں سے ایک دم خالی ہوگیا، آج بھی کوئی مسلمان سیاح مسجد قرطبہ میں جاکر دورکعت نماز پڑھ لے یہ ناممکن ہے، اندلس کی شکست اسلام اور مسلمانوں کی شاندار روایات کی بدترین شکست ہے اس شکست سے مسلمانوں کی پوری تاریخ داغدار ہوگئی، اندلس کی تاریخ پڑھتے ہوئے غیور اور حساس دل کے سارے زخم ہرے ہو

جاتے ہیں اوران سے خون رسنے لگتا ہے۔

ہندوستان میں دوسرا تجربہ کرنے کی کوشش :

اندلس پر قبضہ کرنے کے سوسال بعد ہندوستان میں بھی انگریزی سامراج نے یہی تاریخ دہرانے کی کوشش کی، ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو مکمل طور پر شکست دینے کے لئے عیسائیت کو ہندوستان پر مسلط کرنے کی ہر امکانی کوشش کی، لیکن ایک مرد مسلمان ایک مجاہد اسلام نے اپنی قوت ایمانی سے وہ حیرتناک کارنامہ انجام دیا کہ اتنی بڑی جابر وقاہر حکومت کی منصوبہ بندی کی شیرازہ بندی ٹوٹ کر اس کا ہرورق ناکامی کی فضاؤں میں اڑ کر گم ہو گیا۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انگریز ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے نہیں تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے آئے تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی ان کے کاروباری ادارے کا نام تھا یہ بنگال اور مدراس میں بانس، بھوسہ، مچھلی اور تیل کی تجارت کرتے تھے اور اس کے منافع پر گذر بسر کرتے تھے یہاں محنت و مشقت کر کے جو کمائی کرتے تھے وہ اپنے خاندان والوں کو اپنے وطن بھیجتے رہتے تھے بالکل ایسے ہی جیسے آج خلیجی ممالک یا ملیشیا وغیرہ میں ہندوستانی تجارت یا ملازمت کر کے گذر بسر کرتے ہیں، بالکل یہی حال انگریزوں کا تھا لیکن اس کاروباری زندگی میں انکو کچھ تجربے حاصل ہوئے، انہوں نے دیکھا کہ یہاں ضمیر اور ایمان بھی سستے نرخ پر مل جاتا ہے۔

ہندوستان میں طوائف الملوکی :

ہندوستان کی مرکزی حکومت کمزور ہو چکی تھی اس لئے پورے ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی ہر علاقہ میں چھوٹی چھوٹی خودمختار حکومتیں تھیں ہر دربار میں اقتدار پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے سازشیں ہوتی رہتی تھیں ہر جگہ

برسر اقتدار حکمراں کے خلاف ایک مخالف طاقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتی تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی اس صورت حال سے واقف تھی انگریزوں نے اپنے کاروباری مفادات کے لئے ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر رکھی تھی، جس میں ثامی نسل کے لُچے لفنگے،غنڈے یورپ کے شہروں کے جرائم پیشہ افراد یورپ سے بھاگ کر ہندوستان آگئے تھے ان کو کمپنی نے اپنی فوج میں شامل کرلیا، ان کو جدید طرز کے اسلحہ فراہم کرائے گئے وہ انتہائی خونخوار اور جری تھے بظاہر یہ تجارت کی حفاظت کے لئے تھے لیکن ہندوستان میں فتوحات کا دروازہ اسی فوج نے کھولا، بنگال کے حکمراں سراج الدولہ کے دربار میں اقتدار کے لئے رشہ کشی چل رہی تھی سراج الدولہ کے مقابلہ میں محمد قاسم تخت حکومت کا دعویدار تھا اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد طلب کی کمپنی اس کی مدد کے لئے حق المحنت طے کر کے تیار ہوگئی اور سراج الدولہ کے وزیر جنگ میر جعفر کو خرید لیا جب سراج الدولہ اور کمپنی کی فوج کا مقابلہ ہوا تو سراج الدولہ کی فوج کی توپوں میں گولوں کے بجائے بھس بھرا ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند گھنٹوں میں سراج الدولہ کی چالیس ہزار فوج کو چند ہزار انگریزی فوج نے شکست دیدی میر قاسم کو تخت حکومت مل گیا اور کمپنی کو اتنی بڑی دولت ملی کہ سال بھر کی تجارت میں بھی اتنا منافع نہیں مل سکتا تھا، سب سے بڑا فائدہ کمپنی کو یہ ہوا کہ بنگال کی حکومت پر کمپنی کا دروبست قائم ہوگیا جسکو چاہا تخت پر بٹھادیا جس کو چاہا تخت سے اُتار دیا۔

کرناٹک میں نواب محمد علی اور چاند شاہ کو لڑا کر یہی کھیل کھیلا گیا، میسور میں سلطان ٹیپو کے خلاف اس کے وزرا میر صادق اور پورنیا وغیرہ کو لالچ دے کر انکو خرید لیا اور ان کو اپنی سازش میں شریک کر کے اتنی طاقتور اور مضبوط حکومت کو کمپنی نے تہس نہس کر کے رکھ دیا مرہٹوں کی طاقت نا قابل تسخیر مانی جاتی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسکی ناک میں نکیل ڈال کر اپنا مطیع وفرماں بردار بنالیا حیدرآباد کو فوجی دباؤ میں لیکر نواب حیدرآباد کے دربار میں انگریزی

ریزیڈنٹ رہنے لگا جس کی مرضی کے بغیر نواب صاحب کوئی حرکت نہیں کر سکتے تھے واجد علی شاہ کو بیک بنی و دو گوش لکھنؤ سے نکال کر مٹیا برج کلکتہ میں نظر بند کر دیا، آخر آخر میں دہلی دربار میں کمپنی کا دخل بڑھ گیا حکومت چھین کر بادشاہ کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور اسکو بے دست و پا کر دیا گیا اس طرح پورے ملک میں کہیں بھی انگریزوں کو کسی بڑی فوج کشی کی نوبت نہیں آئی اور پورے ملک پر قبضہ ہو گیا اور یہ قبضہ اتنے رعب داب اور دبدبہ کے ساتھ تھا کہ ان چند مٹھی بر انگریز کے سامنے کسی کو کھڑے ہونے کی جرأت و ہمت نہیں ہوتی تھی چند انگریز ہندوستانیوں کے بڑے سے بڑے مجمع کی طرف سے گذر جاتے وہ مجمع کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ اس صورت حال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا دماغ آسمان پر پہونچا، لندن میں عیش وعشرت کے شادیانے بجنے لگے۔

اقتدار کو مستحکم کیسے کیا جائے :

اب ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے مقبوضات پر قابو رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنائے اور فوج بھی مکمل وفادار ہو ہندوستان کے باشندوں پر بھروسہ کرنا خطرہ مول لینا تھا اور اتنی بڑی تعداد میں یورپ سے انگریزوں کو یہاں لانا ممکن نہ تھا جو پورے ہندوستان پر کنٹرول کر سکیں اس لئے انگریزوں نے یہیں کے ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ فوج بنائی بالکل ویسی ہی جیسی مغلیہ دور حکومت میں مشترکہ فوج تھی اسی نہج پر بلکہ بڑی حد تک وہی قدیم فوج ایسٹ انڈیا کمپنی کی وفادار ہو گئی، لیکن کمپنی کبھی بھی اس ہندوستانی فوج پر کلی طور سے مطمئن نہیں رہی، کسی بھی وقت وطن پرستی کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہے اور کمپنی کی حکومت واقتدار کو جلا کر خاکستر کر سکتی ہے، کمپنی کے ڈائرکٹروں نے لندن میں اپنے ذہین ترین افراد سے اس سلسلہ میں استصواب رائے کیا انگلینڈ کی حکومت سے صلاح ومشورہ کئے، بہت غور وفکر کے بعد طے کیا

گیا کہ جس طرح اندلس میں عیسائیت کی تبلیغ کر کے پورے ملک کو عیسائی بنا کر حکومت کو استحکام دیا گیا اور اسکو نا قابل تسخیر بنایا گیا بالکل اسی نہج پر ہندوستان میں بھی یہاں کے باشندوں کی اکثریت کو عیسائی بنا کر اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا جائے جب حاکم ومحکوم دونوں کا مذہب ایک ہو جائیگا تو فطری طور پر رعایا حکومت کی وفادار ہوگی اس طرح ہندوستان پر ہماری حکومت زوال کے خطرے سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائیگی، اندلس میں مسلم حکومت کے سقوط کے بعد عیسائی حکومت کو اسی لئے استحکام حاصل ہوا کہ اب اس سرزمین میں کوئی غیر عیسائی نہیں رہ گیا۔

پورے ملک کو عیسائی بنا دیا جائے :

انگلینڈ کی حکومت نے کمپنی کے مشورے کی تائید کی اور لندن پارلیمنٹ میں اس اسکیم کی توثیق کی گئی، حکومت نے اس اسکیم کے خاکے میں رنگ بھرنے کا آغاز کر دیا۔

شہری آبادی سے بہت دور جنگلی علاقہ میں جہاں عام لوگوں کا گذر نہیں تھا وہاں ایک فصیل بند مدرسہ قائم کیا اسلامی علوم وفنون کے ماہر اساتذہ فراہم کئے اور شہری علاقہ کے نوجوانوں کو ان علوم اسلامی کی تحصیل کے لئے داخل کیا گیا ان کو بیش قرار ماہوار وظیفہ اور تعلیم کی تکمیل کے بعد بہترین مستقبل کی ضمانت دی گئی، تعلیم وتربیت کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ اس ادارہ میں اسٹاف اور طلبہ کے علاوہ کسی بھی شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں رکھی گئی اگر مصلحت کا تقاضا ہوا کہ کسی کو اس ادارہ کا معائنہ کرایا جائے تو انگلینڈ کی حکومت کے وزیر داخلہ سے باضابطہ اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہوگا، عام شاہراہ سے جو ذیلی سڑک ادارہ کی طرف جاتی ہے اس روڈ پر جلی قلم سے لکھا ہوا بورڈ لگا ہوا تھا ''یہ عام راستہ نہیں ہے'' یعنی اس سڑک پر سواری کے مڑتے ہی پولس گذرنے

والے کو گرفتار کرسکتی تھی، سرکاری اجازت نامہ صرف قانونی گنجائش تھی ورنہ عملاً کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دیجاتی تھی حکومت کے اہم ترین ارکان ہی ادارہ کی ضرورتوں کے تحت وہاں جاسکتے تھے، ادارہ میں تمام اساتذہ انگریز تھے جو اسلامی علوم وفنون قرآن وحدیث فقہ وتفسیر اور تاریخ وسیرت کے ماہرین مانے جاتے تھے، عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں ان کو درجہ کمال حاصل تھا اور فصیح زبان بولتے اور لکھتے تھے، کئی درجن انگریز اساتذہ اور سیکڑوں کی تعداد میں انگریزوں کی اولاد بحیثیت طالب علم اس فصیل بند مدرسہ میں رہتے تھے تمام اساتذہ اور طلبہ کا یونیفارم لمبی لمبی سفید عبائیں، عمامے، مولویانہ پاجامے، چہرے پر خوبصورت داڑھیاں عربی وضع قطع، عربی میں سلام وکلام مزاج پرسی سوال وجواب بالکل ایسے ہی جیسے دارالعلوم دیوبند میں طلبہ واساتذہ رہتے ہیں کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ سب سخت قسم کے عیسائی ہیں، اس ادارہ میں پہونچ کر ایک مسلمان حیرت زدہ رہ جائے کہ اس جنگلی علاقے میں علماء اسلام کی یہ مقدس جماعت زمین سے نکل پڑی ہے یا آسمان سے اُتر آئی ہے، قدآور خوبصورت گورے چٹے صاف شفاف اسلامی لباس میں ملبوس اساتذہ وطلبہ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے نورانی فرشتوں کی کوئی جماعت اس سرزمین پر اُتر پڑی ہے، خالص اسلامی ماحول اس ادارہ کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔

چھ سات سال کے نصاب اور دوران تعلیم یونیفارم عربی اور اردو زبان کی پابندی ہر ایک کے لئے لازم تھی، کسی بھی وقت اپنی مادری زبان استعمال کرنے کی انکو اجازت نہیں تھی، اسطرح یہ ادارہ ۱۸۰۰ء سے اپنے طلبہ کو تعلیم دے رہا تھا اور انکو تربیت دیتا تھا ہمارے عربی مدارس کی کتابیں داخل درس تھیں انہیں کتابوں سے انکو اسلام پر اعتراضات کرنے کا فن سکھایا جاتا تھا اور جب نصاب مکمل ہوجاتا تھا تو ان کو ماہر علوم اسلامیہ کی ڈگری دے دیجاتی تھی اور وہ بڑے بڑے گرجا گھروں میں پادری بن کر لمبی سے لمبی تنخواہ پاسکتا تھا اور انگلینڈ

کی حکومت اپنے کسی مقبوضہ ملک میں سرکاری الاؤنس اور تنخواہ پر بھیج سکتی تھی،
اس ادارہ کے طلبہ تکمیل نصاب کے بعد عربی اردو زبانوں کے ماہر، فراٹے سے
ان زبانوں میں تقریریں کرنے والے، اسلامی کتابوں کے حوالے دینے والے،
احادیث اور روایتوں پر نقد و جرح کرنیوالے تیز و طرار عالم مانے جاتے تھے۔

ہندوستان میں پادریوں کی فوج :

اسی ادارہ کے تربیت یافتہ پادریوں کو ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں
بھیجا گیا تا کہ پورے ملک کو عیسائی بنانے کی مہم کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔

یہ ادارہ انیسویں صدی کے آخر تک رہا، اس کے تربیت یافتہ نوجوان
جوش و جذبہ سے بھرے ہوئے پادری ہندوستان کے ہر خطہ میں متعین کر دیئے
گئے، ملتان و پشاور سے لے کر آسام و برما تک انکی تگ و دو جاری ہوگئی اور
دارالحکومت دہلی میں لندن کا اسقف اعظم پادری پی فنڈر اپنے معاون پادریوں
کی ایک ٹیم کے ساتھ عیسائی پادریوں کی فوج کی کمان سنبھالے ہوئے تھا اور خود
اسکی ذاتی سرگرمیاں دہلی جامع مسجد کی سیڑھیوں سے شروع ہو کر اعلیٰ طبقہ کے
مسلمانوں کی مجلسوں تک جاری تھیں۔

یہ عیسائی مشنریز اپنے ساتھ پریس بھی لائے تھے جبکہ ہندوستان میں
ابھی پریس نہیں تھا سردھنہ اور مرزاپور میں انکے بڑے پریس تھے ان چھاپہ
خانوں میں اہل قلم عیسائی پادری مقرر کیئے گئے جو اردو میں اسلام کے خلاف
کتابیں لکھ کر طبع کراتے اور ملک میں مفت تقسیم کرتے، بازاروں، میلوں ٹھیلوں
میں اسکی اشاعت کرتے تمام پادریوں کی ذمہ داری تھی کہ جن جن مواقع پر
ہندوستانیوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسے ہندوؤں کے سالانہ میلے، تیرتھ گاہیں،
مسلمانوں کی نماز جمعہ اور عیدین کے تیوہار وہاں اپنے اسٹال لگائیں، اردو زبان
میں عیسائیت کے فضائل و مناقب پر تقریریں کریں اپنا لٹریچر اور انجیل کے

چھوٹے چھوٹے نسخے تقسیم کریں۔

حکومت کے تمام افسران، عہدیداران گورنر، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، کلکٹر، ڈپٹی کلکٹر انکو بنایا جائے جو خود بھی پکے عیسائی ہوں اور اسی کے ساتھ مشنری ذہن ومزاج کے ہوں اور انکو عیسائیت کی تبلیغ اور فروغ سے ذاتی دلچسپی ہو، تمام انگریز افسران کو حکم تھا کہ جن علاقوں میں پادری تبلیغ کے لئے جائیں پولیس کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کریں پولیس پادری کے ساتھ ساتھ رہے تا کہ کسی کو پادریوں سے الجھنے کی ہمت نہ ہو اور نہ کوئی خلفشار پیدا کرنے کی جرأت کرے، ترغیب وترہیب کے سارے وسائل اختیار کرنے کا انکو حق حاصل تھا، ہندوؤں یا مسلمانوں میں جو معزز شخص عیسائیت قبول کر لے اس کو اعزاز واکرام عزت و عہدہ حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیا جائے ان کو ہر طرح کے عیش و آرام کی سہولتیں فراہم کرائی جائیں، ان کو فروغ عیسائیت کے معاملہ میں شریک صلاح ومشورہ کیا جائے اگر مسلمانوں کے اہل علم طبقہ میں سے کوئی عیسائی ہوجائے تو اسکو پادری کا عہدہ اور تنخواہ دیجائے پادری محی الدین پشاوری، پادری صفدر علی، پادری نیاز علی، پادری عبد الکریم، پادری عماد الدین وغیرہ اس دور کے مشہور اور سرگرم پادری تھے جو علماء اسلام سے مناظرہ کرنے اور اسلام کے خلاف کتابیں لکھنے میں پیش پیش تھے۔

دہلی کی جامع مسجد کو گرجا گھر بنانے کا فیصلہ :

مسلمان اور ہندو جو سرکاری ملازم تھے ہر ایک کو اتوار کے دن اپنے افسر کے بنگلہ پر حاضر ہو کر پادریوں کی تقریریں سننی ضروری تھیں اور وہ اس کی پابندی کرنے لگے تھے، پھر اس کے بعد براہ راست تمام مسلمان اور ہندو ملازموں کو فرداً فرداً خط لکھا گیا کہ وہ جلد سے جلد عیسائیت قبول کرلیں ورنہ ملازمت سے سبکدوش کر دیئے جائیں گے اور سب سے آخر میں کلکتہ کے لاٹ

پادری ویڈمنڈ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دارالحکومت کلکتہ میں رہتا تھا جو پورے ملک میں عیسائیت کی مہم کو کامیاب بنانے کا ذمہ دار تھا اس نے ایک کھلا خط شائع کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہر ہندوستانی از خود جلد از جلد عیسائیت قبول کر لے اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا ورنہ نتیجہ کا وہ خود ذمہ دار ہوگا، یہ آخری الٹی میٹم تھا کہ اب اسکے بعد بزور وطاقت ان کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائیگا، اتنی سخت وارننگ کے باوجود پورے ملک سے احتجاج کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی انگریزی حکومت نے سمجھ لیا ہندوستانیوں کی حمیت وغیرت مر چکی ہے، بالخصوص مسلمانوں کی غیرت ایمانی دم توڑ چکی ہے اب اس میں کسی جرأتمندانہ قدم اٹھانے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے اسلئے اس نے دہلی کی مشہور شاہجہانی جامع مسجد جو قلب شہر میں واقع ہے اسکو بڑا گرجا گھر بنانے کا فیصلہ کر لیا اور بڑی سرگرمی سے گردو پیش کا جائزہ لیکر اس سلسلہ میں عملی اقدام کے امکانات کا جائزہ لیا جانے لگا، لندن کے اسقف اعظم پادری پی فنڈر کو اسی جائزہ کے لئے لندن سے بلا کر دارالحکومت دہلی میں متعین کیا گیا۔

پادری فنڈر کا چیلنج :

پادری پی فنڈر نے لندن میں قیام کے دوران ایک کتاب ''میزان الحق'' کے نام سے اردو میں لکھی تھی جس میں دین عیسوی کے برحق ہونے کے دلائل اور اسلام کے باطل ہونے کا دعوی کیا گیا تھا اور جب اسکو شائع کیا گیا تو لندن میں ہر حلقہ سے کتاب کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا اور پادریوں کی اکثریت نے کہا کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے اسکا جواب دینا ممکن نہیں، جو کتاب الہام سے لکھی گئی ہو اسکا جواب دینا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، ہر چہار جانب کی تعریفوں سے پادری فنڈر کا دماغ آسمان پر پہونچ گیا اس نے یقین کر لیا تھا کہ علماء اسلام سے اسکا جواب ناممکن ہے وہ یہی کتاب ''میزان

الحق'' لیکر وہ دارالحکومت دہلی آیا اور کتاب تقسیم کر کے چیلنج کیا کہ اگر مسلمان اپنے کو اہل حق سمجھتے ہیں تو اس کتاب کے دلائل کو توڑ دیں اور کتاب کا جواب لکھدیں۔

چیلنج منظور ہے :

یہ ۱۸۵۴ء کے آغاز کی بات ہے، پورے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا اور حکومت پورے ملک کو عیسائی بنانے پر تلی ہوئی تھی پورا ملک اسکی مٹھی میں تھا، ہر شخص سہا ہوا تھا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ فنڈر کی زبان میں ایک ظالم و جابر حکومت بول رہی ہے، فنڈر کا جواب دینے کا مطلب حکومت سے جنگ کرنی ہے اور اس کے لئے کوئی تیار نہیں تھا، عوام کی تو کیا حیثیت تھی بادشاہ وقت خود لال قلعہ کی چہار دیواری میں قید تھا اور کمپنی کا وظیفہ خوار تھا قلعہ کی فصیل کے باہر اسکی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی پوری دہلی پر تو کمپنی حکمراں تھی ہندوستان میں اسلام اسی بے بسی و بے کسی کے عالم میں تھا کہ ایک غیرتمند مرد مسلمان اٹھا اور پادری پی فنڈر کے چیلنج کے جواب میں پوری قوت ایمانی کے ساتھ اعلان کیا کہ میں مجمع عام میں پادری فنڈر سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں وہ مرد مسلماں اور مجاہد اعظم مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے۔

مناظرہ کے وقت ماحول اور فضا :

تبلیغ عیسائیت کا ماحول اتنا گرم ہو چکا تھا کہ سرسید جیسا انگریز پرست بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ دارالحکومت دہلی میں جتنے سرکاری ملازم تھے اور چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز تھے چاہے وہ ہندو رہے ہوں یا مسلمان ہر ایک کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ امروز فردا میں ہم سب لوگوں کو چاہے بہ رضا و رغبت چاہے بہ جبر و اکراہ عیسائیت قبول کر لینا پڑیگا، فرداً فرداً ہر ملازم کو چٹھیوں اور سرکلر کے ذریعہ ان کو عیسائیت قبول کرنے کی دعوت ملتی رہتی تھی۔

ابھی جبر وقہر کا مرحلہ نہیں آیا تھا البتہ کلکتہ کا بڑا پادری ایک کھلا خط تمام ہندوستانیوں کے نام لکھ چکا تھا کہ اب ہر شخص کو عیسائیت قبول کر لینا ضروری ہو گیا ہے خط پڑھ کر کچھ ضمیر فروش تو عیسائیت قبول کر چکے تھے کچھ تذبذب میں تھے بقیہ تمام لوگ کانپ کر رہ گئے کہ اب ایمان کی خیر نہیں، ہفتہ دو ہفتہ میں جبری حکم نافذ ہو کر رہے گا اگر ہم نے عیسائیت قبول نہیں کی تو ہم سے اس سرزمین پر زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جائیگا، یہ سوچ کر جن کے دلوں میں ایمان کی حرارت تھی انکی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، کوئی ان کی رہنمائی کرنے والا نہیں کوئی ان کو صحیح راہ دکھانے والا نہیں کوئی بھی ان کی فریاد سننے والا نہیں تھا حتی کہ کوئی صدائے احتجاج بلند کرنے والا نہیں تھا مرعوبیت کا وہ عالم تھا کہ اس جبر وقہر کے مقابلہ میں کسی کو زبان سے انکار کا لفظ برملا کہنے کی بھی ہمت نہیں تھی، بس گوشہ تنہائی میں آنسو بہا کر رہ جانا انکا مقدر بن چکا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے غراتے ہوئے شیر کے سامنے ہرن اور خونخوار درندوں کے سامنے بکریاں کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی ہیں آنکھوں تلے اندھیرا چھاتا چلا جارہا تھا، ٹھیک اسی کربناک اور خوف زدہ ماحول میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی جیسے مرد مسلمان نے دہاڑتے ہوئے طوفان سے لڑنے کا اعلان کر دیا اور کہہ دیا

یا جاں رسد بہ جاناں یا جاں زتن برآید

پادری فنڈر کے چیلنج کے جواب میں مولانا موصوف کے اعلان کا مطلب یہ تھا کہ توحید پرستوں کے بدن میں جب تک جان ہے وہ کبھی بھی تم کو ہندوستان کو اندلس بنانے کا موقعہ نہیں دیں گے، تمہارے خواب کو چکنا چور کر دیں گے نعرہ توحید کو تثلیث پرستی کے شور وشغف سے دبانے، توحید کے مراکز و مساجد کو تثلیث پرستوں کا اڈا بنانے کی اجازت نہیں دی جائیگی جب تک اس سرزمین پر ایک بھی توحید پرست زندہ رہا وہ کبھی تمہارے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیگا۔

وہ مردِ مسلماں کون تھا؟ :

شیر جیسا کلیجہ رکھنے والا وہ مرد مسلمان کون تھا؟ جس نے تن تنہا اپنی جان ناتواں کی ایمانی طاقت سے کام لیکر اتنی جابر وقاہر حکومت کو چیلنج کر سکا، اس میں حیرت کی کیا بات ہے اسلام کی تاریخ ہی یہی رہی ہے، تنہا ایک فرد نے ملکوں کی کایا پلٹ دی ہے فاتح سندھ محمد قاسم نے ہندوستان کی زمین کو روند ڈالا اور اسلام کی روشنی کو کہاں سے کہاں تک پہونچا دیا طارق بن زیاد ہی کے عزم جواں نے سمندروں کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کر کے کشتیوں کو ساحل سمندر پر جلا کر خاکستر کر دیا کہ اب اس سرزمین کو فتح کر کے ہم کو یہیں قیام کرنا ہے وطن لوٹ کر جانے کا کیا سوال؟

ہر ملک، ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

سعد بن وقاص کی قوت ایمانی تھی کہ سیلاب سے چنگھاڑتے ہوئے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے اور پار اُتر گئے اور غضبناک سیلاب منہ دیکھتا رہ گیا اگر ہندوستان کا ایک مرد مجاہد عیسائیت کے طوفان کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا کہ یا تو طوفان کو رکنا ہوگا ورنہ میری لاش اس سیلاب کو روک کر رہیگی تو اس میں حیرت واستعجاب کی کیا بات ہے مسلمان قوم تو عجائبات کو وجود میں لانے والی قوم ہی رہی ہے۔ اندلس کے بے غیرت عیش پسند حکمرانوں نے بزدلی دکھائی تو ہندوستان کے علماء اتنے بے غیرت نہیں وہ نہتے ہوکر جنگ کرنا جانتے ہیں، ایمان کی طاقت ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی، ضلع مظفر نگر کے ایک معمولی قصبہ کیرانہ کا وہ شیر دل مسلمان جن کو بہت کم لوگ جانتے تھے اور چند دنوں کے بعد ہندوستان ہی نہیں تمام اسلامی ممالک بلکہ ان سے کہیں زیادہ یورپ کے ممالک کی زبانوں پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام جاری ہو گیا اور وہ عالمی شہرت کے مالک ہوئے کیونکہ انہوں نے ایسے کربناک سناٹے میں اپنی زلزلہ

افگن آواز سے ملت اسلامیہ کے تن مردہ مین جان ڈال دی تھی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی :

مولانا موصوف کیرانہ ضلع مظفر نگر کے محلہ دربارکلاں میں جمادی الاول ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے والد کا نام خلیل اللہ عرف مولوی خلیل الرحمٰن تھا، یہ کیرانہ کے عثمانی شیوخ میں سے تھے مولانا کے مورث اعلیٰ میں ایک حکیم محمد حسن تھے جو اپنے والد کے ساتھ شہنشاہ اکبر کے ایک حادثے میں زخمی ہو جانے پر معالج رہے، صحت کے بعد اکبر نے خوش ہوکر حکیم محمد حسن کو پرگنہ کیرانہ ومضافات بطور جاگیر دیا ذی قعدہ ۹۱۵ھ کو فرمان شاہی جاری ہوا یہ فرمان شاہی آپکے خاندان میں محفوظ رہا کیرانہ جاگیر میں ملنے کے بعد یہ خاندان پانی پت سے کیرانہ منتقل ہوگیا تب سے یہ خاندان یہیں آباد ہے آپ کے خاندان کے افراد ہر دور میں مغلیہ دور حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر ہمیشہ فائز رہے، شاہجہاں بادشاہ بھی کیرانہ میں تین دن اس خاندان کا مہمان رہا اس نے اپنی یادداشت میں اس کا ذکر کیا ہے غرضیکہ مولانا رحمت اللہ ایک بڑے جاگیردار گھرانے کے فرد تھے، نہایت شان وشوکت کے ماحول میں آپ نے پرورش پائی، دینداری اس گھرانے کی ایک بڑی خصوصیت تھی اسی لئے مولانا رحمت اللہ نے مشاہیر علماء ہند سے اسلامی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا اور مدرسہ مولانا محمد حیات دہلی میں داخل ہوئے اور مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی اسی دوران آپکے والد مولوی خلیل اللہ صاحب دہلی میں مہاراجہ ہندوراؤ کے میر منشی مقرر ہوکر دہلی میں قیام پذیر ہوگئے تو مولانا رحمت اللہ صاحب بھی اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے دہلی کے بعد آپ نے بغرض تعلیم لکھنؤ کا سفر کیا اور اس دور کے مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی بالخصوص مفتی سعد اللہ صاحب سے

زیادہ استفادہ کیا اور پھر اپنی خاندانی روایت کے مطابق فن طب کی تعلیم حکیم فیض محمد صاحب سے حاصل کی اور مسٹر لوکارثم سے ریاضی بھی پڑھی آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد حیات صاحب دہلی مولانا مفتی سعد اللہ صاحب مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع مظفرنگر جو بعد میں وزیر مہاراجہ پٹیالہ ہوئے، مولانا عبدالرحمٰن چشتی مولانا امام بخش صہبائی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد :

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن کیرانہ واپس ہوئے اور اپنے محلہ دربار کلاں کی مسجد میں درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ دینی علوم وفنون کی تعلیم دینے لگے، اگرچہ تعلیم وتدریس کا یہ دور بہت مختصر رہا لیکن ہندوستان کے درجنوں مشاہیر علماء نے اسی مختصر دور میں آپ سے تعلیم حاصل کی اور درجہ کمال کو پہونچے، مولانا عبدالوہاب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات ویلور مولانا بدرالاسلام عثمانی کیرانوی (جو ترکی جاکر شاہی کتب خانہ حمیدیہ کے مہتمم ہوئے) مولانا احمداللہ چکوالی اور مولانا عبدالسمیع رامپوری جیسے مشہور علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں آپ کے سلسلہ تدریس کو ابھی چند ہی سال گذرے تھے کہ مہاراجہ ہندوراؤ دہلی نے آپ کے والد صاحب مولوی خلیل اللہ اور آپ کو دہلی بلاکر ان کو نگراں امور ریاست اور مولانا رحمت اللہ صاحب کو اپنا میر منشی مقرر کردیا، کچھ ہی دنوں بعد آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا، خاندانی حالات کا تقاضا ہوا تو آپ نے اپنی جگہ چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل کو میر منشی مقرر کردیا، اور خود کیرانہ واپس آگئے اور از سرنو درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔

ردعیسائیت کا عزم بالجزم :

دوبارہ تدریسی سلسلہ شروع کرنے کے وقت ملک میں حالات

تشویشناک حد تک بگڑ چکے تھے، کمپنی کے مقبوضات کا دائرہ انتہائی وسیع ہو چکا تھا سلطنت مغلیہ کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر لال قلعہ کے اندر ضرور تھا لیکن دارالحکومت دہلی پر کمپنی کا قبضہ تھا اور بادشاہ بے دست و پا ہو کر لال قلعہ کے حصار میں بند تھا، پادریوں کی فوج پورے ملک میں دندناتی پھر رہی تھی خود دارالحکومت دہلی میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے چیلنج بنی ہوئی تھی، دہلی میں یورپ کا مایہ ناز عالم پادری پی فنڈر کی لن ترانیاں پورے زور وشور سے جاری تھیں یہ خبریں مولانا رحمت اللہ صاحب کو برابر ملتی رہتی تھیں ان کے جیسا بیدار مغز اور حساس عالم دین اس سے صرف نظر کیسے کر سکتا تھا مگر وہ دہلی سے دور اپنے وطن کیرانہ میں درس وتدریس میں مصروف تھے مگر عیسائی پادریوں کے ان اعتراضات سے باخبر تھے جو وہ اسلام پر کرتے تھے اور اپنی تقریروں میں زور وشور کے ساتھ بیان کرتے تھے اس لئے کیرانہ کے دوران قیام آپ نے ان اعتراضات کے جواب میں ایک کتاب "ازالۃ الاوھام" کے نام سے لکھنی شروع کر دی۔

جہاد کی راہ میں :

صورت حال کی کربنا کی نے مولانا رحمت اللہ صاحب سے سلسلہ تدریس چھڑا دیا اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکل پڑے، دہلی کی شاہجہانی مسجد کو گرجا گھر بنانے کی افواہ مسلمانوں میں بڑے زوروں سے گردش کر رہی تھی، پادری فنڈر جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو چیلنج کر رہا تھا کہ اگر کسی مسلمان میں جرأت و ہمت ہے تو سامنے آئے اور دین مسیحی کو باطل قرار دے اور کسی بھی مسلمان عالم کو اپنے مذہب کے حق ہونے کا دعویٰ ہے تو میری کتاب "میزان الحق" کا جواب دے، جامع مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کا جم غفیر آباد تھا، اسکی تقریروں میں ہزاروں مسلمان بھی شریک ہوتے تھے، لیکن پادری فنڈر کے جواب میں ایک آواز بھی کسی سمت سے نہیں

اٹھتی تھی کسی میں لب کشائی کی جرأت ہی نہیں تھی، جبکہ دہلی علماء سے بھری ہوئی تھی اور یہ علماء بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے لیکن کوئی بھی سامنے آنے کی ہمت نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ پادری فنڈر کی زبان سے انگریزوں کی جابر وقاہر حکومت بول رہی ہے، پادری فنڈر کی ہفوات کا جواب دینا اپنے قتل کے محضر پر دستخط کرنا ہے اس لئے ہر طرف سناٹا تھا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو اس صورت حال سے سخت بے چینی تھی ان کے دل کو جو چوٹ پہونچتی تھی اسکا مداوا صرف یہ تھا کہ پادری فنڈر کی زبان کو لگام دیجائے اور جب تاب ضبط نہیں رہی تو ایک دن آپنے پادری فنڈر کے چیلنج کا جواب دیدیا اور اعلان کر دیا کہ پادری فنڈر جب چاہے، جہاں چاہے اور جس موضوع پر چاہے میں اس سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مولانا موصوف نے اس اعلان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ براہ راست پادری فنڈر کی قیام گاہ پر جاکر بالمشافہہ چیلنج دینے کا عزم بالجزم کرلیا، مولانا موصوف کے ایک مخلص دوست مولوی امیر اللہ میر مختار مہاراجہ بنارس تھے وہ پادری فنڈر سے بھی واقف تھے مولانا موصوف نے ان سے اپنے فیصلہ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا پادری فنڈر سے مل کر اسکو چیلنج دینا ہے، وہ تیار ہو گئے، آپ ان کو لیکر پادری فنڈر کی قیام گاہ پر پہونچ گئے۔

پادری فنڈر کو براہ راست چیلنج :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب پادری فنڈر کا جواب دینے کا اعلان کیا تھا اس وقت یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ پادری فنڈر کی ہفوات کے جواب میں مسلمان اب تک خاموش رہے، یا اسکی کتاب "میزان الحق" کا جواب نہیں دیا تو اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسکی تقریریں لاجواب اور اسکی کتاب الہام سے لکھی گئی ہے ہماری طرف سے اسکا جواب اسلئے نہیں دیا گیا کہ ہم نے

اسکی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ "میزان الحق" میں جو دلائل دیئے گئے ہیں انکی حیثیت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں تھی۔

اس غیر مبہم اور واضح اعلان کے بعد آپ براہ راست گفتگو کے لئے اس کے گھر پہونچے اتفاق سے وہ گھر پر نہیں تھا اس لئے بذریعہ تحریر اسکو چیلنج کیا گیا جس کا اس نے جواب دیا یہ خط وکتابت مولانا رحمت اللہ اور پادری فنڈر کے درمیان ۲۳/مارچ ۱۸۵۴ء سے ۷/اپریل ۱۸۵۴ء تک چلتی رہی۔ عنوان مناظرہ، تاریخ، اور مقام مناظرہ سب پادری فنڈر کی صوابدید کے مطابق طے ہوا، مولانا موصوف نے اپنی طرف سے اسکی کسی تجویز کو رد نہیں کیا، کیونکہ آپ ہر حال اور ہر طرح کے ماحول میں اس سے مناظرہ کر کے اسکو اسکی اوقات بتادینے کا تہیہ کر چکے تھے، کیونکہ آپ اسکے مبلغ علم کا اندازہ کر چکے تھے مناظرہ ۱۰/اپریل ۱۸۵۴ء کو بمقام کٹرہ عبدالمسیح آگرہ ہونا طے پا گیا۔

مناظرہ گاہ :

یہ مناظرہ ایک عیسائی کے احاطہ میں تمام اعلیٰ عہدیداران حکومت کی موجودگی میں ہونا طے ہوگیا حکومت کی پوری مشنری کو اس پر حیرت تھی، ابتک کمپنی کے انگریز افسران اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو پورے ملک میں ایک آواز بھی سنائی نہیں دی تھی کہ سرکاری طور تبلیغ عیسائیت کی جو مہم چلائی جارہی ہے اسکے خلاف کسی ہندوستانی نے اٹھائی ہو یا کسی نے اسمیں رخنہ اندازی کی کوشش کی ہو اسطرح کی کوئی اطلاع کہیں سے نہیں ملی تھی، یہ پہلا تجربہ تھا کہ یورپ کے مایہ ناز پادری کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا گیا تھا، وہ حیرت زدہ بھی تھے اور انکو غصہ بھی تھا کہ حکومت کے پلان کو سبوتاژ کرنے کی کسی ہندوستانی کو کیسے جرأت ہوئی؟ پادری فنڈر نے تبلیغ عیسائیت کا جو طریقہ کار اختیار کیا تھا اس کا منطقی نتیجہ تو یہی تھا، چیلنج کا جواب چیلنج ہی ہوتا ہے، للکار کا

جواب للکار ہی سے دیا جاتا ہے اس لئے مجبوراً ان کو اس مناظرہ کا نظم ونسق سنبھالنا پڑا۔

عام مسلمان تو دہشت زدہ تھے اس لئے عام تماشائی کی حیثیت سے بھی شریک ہونے کی ہمت نہیں رکھتے تھے دوسرے یہ کہ مناظرہ کا ماحول ایسا رکھا گیا جیسے کوئی سرکاری پروگرام منعقد ہو رہا ہے ہر طرف مسلح پولس ہتھیار لگائے افسران، بڑے سے بڑے فوجی افسر سرکاری عہدیداران ہر طرف چھائے ہوئے تھے عام مسلمان اس راہ سے گذرنے کو بھی خطرے سے خالی نہیں سمجھتے تھے، صرف علماء اسلام اور شہر آگرہ کے کچھ معزز افراد اس مناظرہ میں موجود تھے، حکومت کے افسران کچھ تو اپنے عہدہ کی ذمہ داری اور ڈیوٹی سمجھ کر شریک ہوئے اور بہت سے اونچے درجے کے انگریز افسران ذاتی دلچسپی کی وجہ سے اپنے طور پر بصد ذوق وشوق مناظرہ گاہ میں حاضر تھے ان کو سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ آج یورپ کا سب سے بڑا عیسائی عالم جب مجمع عام میں علماء اسلام کو ذلت آمیز شکست دیگا اور ان کا منہ بند کر دیگا تو پورے ملک میں عیسائیت سیلاب کی طرح پھیل جائیگی اور حکومت کی منشا از خود پوری ہو جائیگی، اس مناظرہ میں مسلمانوں کی شکست کے بعد عیسائیت کے فروغ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائیگی، اسی خوش فہمی کی وجہ سے اعلیٰ عہدیدار، مشنری ذہن ومزاج کے انگریز افسران اپنی پوری وردی میں اپنی کرسیوں پر غرور وتمکنت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مناظرہ کی رودادوں میں جن مخصوص حاضرین کے نام دیئے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر کرسچین سکند صدر صوبہ بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج، مسٹر ایڈلی ترجمان حکومت کمپنی، پادری ولیم گلین، پادری فنڈر، پادری فرنچ اور دوسرے پادریوں کی فوج قطار اندر قطار مولوی فیض احمد سرشتہ دار صدر بورڈ، مفتی ریاض الدین، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ میر

مختار راجہ بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار، منشی سراج الحق، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر علی خان وغیرہ یہ پہلے دن کی فہرست ہے دوسرے دن ایک ہزار کے قریب مجمع تھا افسران کی تعداد بھی زیادہ تھی اور مسلمانوں کا مجمع دوسرے تیسرے دن زیادہ ہوتا چلا گیا۔

مناظرہ شروع ہوتا ہے :

یہ مناظرہ تین دنوں تک چلتا رہا پہلے دن نسخ پر بحث ہوئی اور سارے دن اسی موضوع پر گفتگو چلتی رہی دوسرے دن انجیل میں تحریف وترمیم کی بحث چلی یہ بحث کافی ہنگامہ خیز بھی رہی اور فیصلہ کن بھی۔

یہ مناظرہ تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر ہو رہا تھا اسکی شہرت پورے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ انگلینڈ تک تھی اور اس کے نتیجہ کا انتہائی بے چینی کے ساتھ ہر طرف انتظار کیا جا رہا تھا، مناظرہ کا پہلا اجلاس صبح سویرے ۱۰/اپریل ۱۸۵۴ء مطابق ۱۱/رجب ۱۲۷۰ھ بروز دوشنبہ شروع ہوا سب سے پہلے پادری پی فنڈر اسٹیج پر آیا اور اپنی افتتاحی تقریر سے مناظرہ کا آغاز کیا اس نے اپنی تقریر میں کہا، یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مناظرہ کیوں کر منعقد ہوا، یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی وکوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے، اس سے فائدہ کی صورت مرے نزدیک نظر نہیں آتی، میری تمنا یہ ہے کہ دین عیسوی کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے رکھوں، مباحثہ کے عنوانات نسخ وتحریف، الوہیت وحیات مسیح، تثلیث، رسالت محمدی طے ہوئے ہیں۔

پھر اس نے دین عیسوی کے برحق ہونے اور انجیل کے کلام الٰہی ہونے اور اسکے محفوظ اور ہر قسم کی تحریفات سے پاک صاف ہونے پر روشنی ڈالی گویا اس نے فریق مخالف کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کردیا کہ ہمارا مذہب حق ہے ہمارے پاس خدا کی کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔

پھراس کے بعد موضوع پر گفتگو ہوئی کہ رسالت محمدی کے بعد دین عیسوی منسوخ ہو گیا اب دین عیسوی پر عمل کر کے آخرت میں نجات ممکن نہیں، پورے دن اسی موضوع پر سوال و جواب ہوتا رہا۔

دوسرے دن کا اجلاس :

پہلے دن پادری فنڈر نے مدعی بن کر اپنا دعوی پیش کیا فریق مخالف کو اس کا جواب دینا تھا اور اس کے دعوے کو غلط ثابت کرنا تھا دوسرے دن کے اجلاس میں مولانا رحمت اللہ صاحب مدعی ہوئے اور تقریر کے لئے کھڑے ہوئے نسخ پر بحث ہو چکی تھی آج تحریف انجیل پر بحث ہونی تھی مسلمان مدعی تھے کہ انجیل محرف ہے مولانا کیرانوی نے اپنی تقریر میں انجیل کے محرف ہونے پر متعدد دلائل دیئے اور ثابت کیا کہ آج آپ کے ہاتھ میں جو انجیل ہے وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اسکی حفاظت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے لیکر ابتک کوئی قابل اعتماد طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا جسکی وجہ سے انجیل میں جگہ جگہ تحریف ہوتی رہی جو مذہب ایک ایسی کتاب پر منحصر ہو جو اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہی وہ مذہب برحق کیسے ہو سکتا ہے اس لئے دین محمدی کے مقابلہ میں دین عیسوی کو پیش کرنا قرین انصاف نہیں۔

سوال و جواب :

مولانا موصوف کی مفصل اور مدلل تقریر کے بعد پادری فنڈر نے کہا کہ آپ کی دلیلوں سے انجیل کا محرف ہونا نہیں ثابت ہوتا اس لئے آپ کے دلائل ہمارے لئے کچھ مضر نہیں، تحریف کی ایسی دلیل پیش کی جائے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہ ہو، اس جواب پر مولانا نے براہ راست فنڈر سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح کی دلیل چاہئے، آپ بتائیں تو ہم اس طرح کی بھی دلیل پیش کر سکتے ہیں، پادری فنڈر نے کہا کہ آپ موجودہ انجیل میں کوئی ایسی

عبارت بتایئے جو پہلے کے نسخوں میں موجود نہیں تھی اور آج کی انجیل میں ہے تو ہم اسکو تحریف تسلیم کرلیں گے۔

مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا کہ ابھی لیجئے، آپ نے اپنے رفیق ڈاکٹر وزیر خاں سے فرمایا کہ وہ عبارت نکال کر پیش کیجئے جو دیکھی گئی ہے، انہوں نے یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷-۸ کا حوالہ دیا اور کہا کہ سب مانتے ہیں کہ یہ آیات قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہیں مگر بعد کے نسخوں میں موجود ہیں۔

اس کھلی ہوئی شہادت اور نا قابل انکار ثبوت پر پادری فنڈر نے کہا کہ ہاں صاحب! اس جگہ، اس کے علاوہ ایک دو جگہ اور اسطرح کی تحریف ہوئی ہے، یہ اعتراف مجمع عام میں ہوا تھا اور پورا مجمع گوش بر آواز تھا حاضرین پوری توجہ سے بحث سن رہے تھے اس لئے جوں ہی پادری فنڈر نے تحریف کا اعتراف کیا مسلمانوں میں جوش وخروش پیدا ہوگیا، مسلمانوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے رومال اور ٹوپیاں فضا میں اچھال کر اپنی خوشی کا مظاہرہ کرنے لگے، یہ منظر دیکھ کر پادریوں کے چہرے فق ہوگئے، انگریز افسران متحیر کہ یہ کیا ہوگیا، چونکہ یہ بحث اردو میں ہورہی تھی اور وہ اردو سمجھ نہیں رہے تھے اس لئے مسٹر اسمتھ صدر دیوانی نے اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے پادری فرنچ سے انگریزی میں پوچھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے؟ کیا بات ہوگئی؟ یہ اظہار مسرت کیسا ہے؟ تو پادری فرنچ نے انگریزی میں سمجھایا کہ مولوی صاحب انجیل کے مفسروں کی کتابوں سے چھ سات مقامات جہاں تحریف ہوئی ہے ڈھونڈ کر لائے ہیں۔

اس کے بعد پادری فنڈر کے معاون پادری فرنچ نے کھڑے ہوکر کہا کہ فنڈر صاحب بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ انجیل مقدس میں سات آٹھ جگہ تحریف ہوئی ہے، پادری فرنچ کے اس اعلان پر مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ نے منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار سے کہا کہ نوٹ کرلیجئے کہ پادری فنڈر نے آٹھ جگہ انجیل میں تحریف کا اقرار کیا ہے، پادری فنڈر نے یہ سن کر کہا، ہاں

صاحب ضرور لکھ لیجئے میں کہتا ہوں کہ ساتھ آٹھ جگہ تحریف ہوئی ہے۔

اب وہ مجمع جس پر پہلے خوف وہراس طاری تھا بے قابو ہوتا جا رہا تھا ایک طرف ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور مسلمان ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے اسلام زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے دوسری طرف پادریوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور مردنی چھائی ہوئی تھی، ان کی آنکھیں اُوپر نہیں اُٹھ رہی تھیں، شرمندگی وندامت اور شکست کی ذلت کا وہ عالم تھا کہ حکومت کی پوری طاقت کے باوجود ان کی زبان گنگ ہوئی جا رہی تھی، ایسی روشن اور واضح شکست ہوئی کہ عوام وخواص کسی سے بھی چھپی نہیں رہ گئی اگر افسران کی اتنی بڑی تعداد موجود نہ ہوتی تو شاید وہ بہت کچھ ہو جاتا جو ہندوستان کا مزاج ہے لیکن صرف اظہار مسرت تک بات رہ گئی۔

ذلت پر ذلت :

پادری فنڈر اب حواس باختہ ہو چکا تھا اور حواس باختہ انسان جو بھی حرکت کرتا ہے وہ اس کے خلاف ہی جاتی ہے اور مزید ذلت ورسوائی کا باعث ہوتی ہے، نا قابل برداشت ذلت سے جھنجلا کر پادری فنڈر جوش میں کھڑا ہو گیا اس نے ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ ایسی تحریفوں سے انجیل کی اصولی تعلیم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اپنی تقریر میں زور بیان پیدا کرنے کے لئے اس نے مفتی ریاض الاسلام صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ مفتی صاحب! آپ ہی بتائیے کہ اس قسم کی تحریفات سے انجیل مقدس کی اصولی تعلیم اور انجیل کے مطالب میں کیا فرق پڑتا ہے؟ فنڈر کا روئے سخن مفتی ریاض الاسلام کی طرف تھا تو مفتی صاحب ہی کھڑے ہوئے اور جو کچھ فرمایا وہ ایک غیر تمند انسان کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے آپ نے فنڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ پادری صاحب! جب

کسی وثیقہ یا دستاویز میں ایک جگہ بھی ملاوٹ اور جعل سازی ثابت ہو جائے تو پورا وثیقہ اور دستاویز قابل اعتماد نہیں رہ جاتا اگر بقول آپ کے انجیل میں سات آٹھ جگہ تحریف ہوگئی تو اس کا اعتماد تو اُٹھ گیا کیا ثبوت ہے کہ دوسرے مقامات میں تحریف نہیں ہوئی اس لئے آپ کے ہاتھ میں جو انجیل ہے اس میں اصلی کتنی ہے؟ نقلی اور جعلی کتنی ہے؟ کیا معلوم، پادری صاحب آپ غور فرمائیں کہ انجیل میں جہاں کہیں دو عبارتیں ہوں دونوں میں تضاد یا اختلاف ہو تو کیا دونوں کو خدا کا کلام کہہ سکتے ہیں؟ پادری فنڈر نے اس کے جواب میں کہا نہیں، ان میں سے کوئی ایک ہی خدا کا کلام ہوسکتا ہے، تب مفتی صاحب نے پرزور الفاظ میں فرمایا کہ اہل اسلام کا یہی دعوی ہے کہ موجودہ بائبل کا مجموعہ سب کا سب خدا کا کلام نہیں ہے، اسکا جواب پادری فنڈر کے پاس کچھ نہیں تھا فبھت الذی کفر ، وہ ایک دم چپ ہوگیا اور وقت کے ختم ہونے کا بہانا بنا کر جلسہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔

مناظرہ کے تین دن :

یہ تاریخ ساز مناظرہ تین دنوں تک جاری رہا ان تین دنوں میں پادری سطحی باتوں اور عوام اور ان پڑھ لوگوں کے سامنے کی جانے والی تقریروں کو دہراتے رہے، علماء اسلام کی مدلل بحثوں کے سامنے وہ طفل مکتب ثابت ہوتے تھے، کسی مسئلہ پر پادری فنڈر چند منٹوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکا، تیسرے دن مسلمانوں کی فتح مبین اور جوش وخروش کو دیکھ کر اسکی ہمت ٹوٹ گئی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی آگرہ میں قیام پذیر ہوکر روز تقاضے کرتے رہے کہ چوتھا اجلاس بلایئے مگر پادری فنڈر کو اپنی ساری لن ترانیاں بھول گئیں اونٹ پہاڑ کے سامنے بلبلا کر رہ گیا، اسکے معاون پادریوں پر بھی مایوسی طاری رہی، باہمی صلاح ومشورہ سے تمام پادریوں نے طے کیا کہ آئندہ مناظرہ کا سلسلہ بند ہو جانا ہی

مصلحت کا تقاضا ہے، حالانکہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے پادری فنڈر کا جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ طے ہو چکا تھا کہ جب تک نسخ وتحریف کے مسئلہ پر پوری بحث نہ ہو جائے مناظرہ کا سلسلہ جاری رہیگا، لیکن تین دنوں کی ذلتوں کے یہ پہاڑ سے دن کسی طرح پادریوں کے سروں سے گذر گئے اب مزید ذلت برداشت کرنے کے لئے وہ کسی قیمت پر تیار نہیں تھے اسلئے وہ اپنے طور پر طے کر چکے تھے کہ اب مناظرہ کسی قیمت پر جاری نہیں رکھا جائیگا، مولانا رحمت اللہ صاحب اپنے رفیق ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ آگرہ میں ہفتوں مقیم رہے اور بار بار پادری فنڈر سے مطالبہ کرتے رہے کہ مناظرہ کے جلسے بلایئے تاکہ بحث مکمل ہو جائے مگر وہ کسی حال میں تیار نہیں ہوا۔

پادری فنڈر کا فرار :

مولانا رحمت اللہ صاحب آگرہ میں کئی ہفتے قیام کے بعد وطن واپس آگئے اب ان کو یقین تھا کہ پادری فنڈر کی لفاظیاں، لن ترانیاں اور چرب زبانیاں یقیناً بند ہو جائیں گی اور انشاء اللہ یہ مناظرہ ہندوستان میں فروغ عیسائیت کا خواب دیکھنے والوں کی نیندیں حرام کر دیگا ان کا خواب چکنا چور ہو جائیگا، آپ ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ ایک دن آپ نے سنا کہ پادری فنڈر ہندوستان میں فروغ دین عیسوی کی مہم چھوڑ کر راتوں رات لندن فرار کر گیا کیوں کہ عام پادریوں اور حکومت کے اعلیٰ افسران کی نگاہوں میں اسکی قدر و قیمت ختم ہو چکی تھی، حکومت کے ذمہ داروں کی رپوٹ سے لندن میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ ہندوستان میں پادری فنڈر کو ذلت آمیز شکست ہوگئی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لندن میں جس عہدہ پر تھا اس سے معزول کر دیا گیا، کیونکہ مناظرہ میں اسکی شکست سے حکومت کا وہ منصوبہ جو پورے ملک کو عیسائی بنا کر اندلس کی طرح حکومت کو مستحکم بنانا پیش نظر تھا وہ منصوبہ فیل ہو گیا۔

انقلابی اقدام :

بظاہر یہ دو مذہبوں کے عالموں میں مباحثہ ومناظرہ تھا جو اکثر ہوتا رہتا ہے لیکن یہ صرف مناظرہ نہیں تھا بلکہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مستقبل میں دین عیسوی کی اشاعت کا طریقہ کار کیا ہو، اس مناظرہ سے یہ اندازہ کرنا تھا کہ مسلمانوں میں اپنے دین کی طرف سے مدافعت کی کتنی طاقت ہے کیا علمی سطح پر ان کو شکست دیکر احساس کمتری میں مبتلا کیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو عیسائیت کے فروغ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی اگر کوئی طاقت حائل ہونے کی جرأت بھی کریگی تو جبر وقہر کی تلوار ان کا سارا نشہ ہرن کردیگی مگر اس تجربہ کا نتیجہ ان کی توقعات کے بالکل خلاف نکلا، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کی موجودگی میں پادری فنڈر کو ذلت آمیز شکست دیکر وارننگ دیدی کہ جو لوگ اسلامی ہند کو اندلس بنانا چاہتے ہیں عیسائیت کو بہ جبر واکراہ نافذ کرکے اسلام کو شکست دینے کا خواب دیکھتے ہیں وہ یہ خواب دیکھنا چھوڑ دیں، یہ اندلس نہیں ہندوستان ہے یہاں کے علماء عیش پسند نہیں خارزار وادیوں کو روندنے والے ہیں اور انگاروں پر چل کر اپنے دین کی حفاظت کا حوصلہ رکھتے ہیں، اندلس کے بزدل حکمراں نہیں کہ میدان جنگ میں مردانہ وار جان دینے کے بجائے عورتوں کی طرح روتے ہوئے قلعہ کی کنجیاں حوالے کردیں مولانا رحمت اللہ نے اپنے رفقاء کو ہمراہ لیکر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ مناظرہ کرکے ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کردیا کہ تثلیث پرستی کی سیاہی سے نیر اسلام کی تابانیوں کو اس سرزمین میں شکست دینا ممکن نہیں ہے۔

مناظرہ کے اثرات :

مناظرہ آگرہ میں ہوا وہ بھی زیادہ سے زیادہ ایک ہزار انسانوں کی موجودگی میں لیکن اس کے دوررس اثرات مرتب ہونے سے مسلمان اور ہندو

دونوں طبقوں میں یہ یقین پیدا ہوگیا کہ انگریزوں کی یہ نئی حکومت دونوں کے مذہبوں کی دشمن ہے، وہ اس ملک کی دونوں بڑی قوموں کے مذہبوں کے نام ونشان مٹا دینا چاہتی ہے اس لئے نئی حکومت کے خلاف پورے ملک میں نفرت بتدریج بڑھتی رہی یہاں تک کہ فوج تک اس کے اثرات پہونچ گئے اور میرٹھ چھاؤنی میں نفرت کا پہاڑ آتش فشاں بنکر پھٹ پڑا، میرٹھ چھاؤنی کے فوجیوں کو جو کارتوس دیئے گئے انکو دانت سے کاٹ کر بندوق میں لگانا پڑتا تھا، ان کارتوسوں کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اس میں گائے اور سور کی چربی لگائی گئی ہے مسلمان اور ہندو دونوں طرح کے فوجیوں نے یقین کرلیا کہ ہمارے مذہب اور دھرم کونشٹ کرنے کی حکومت نے سازش کی ہے۔

مناظرہ آگرہ کے تین سالوں بعد مئی ۱۸۵۷ء میں اسی مسئلہ کولیکر بغاوت ہوگئی جس نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، باغی فوجیوں نے اپنے انگریز افسران پر بندوق تان لی اور جو سامنے آیا باغیوں کی گولی اسکے سینہ سے پار کرگئی میرٹھ کی فوج دہلی تک چڑھ آئی انگریزوں پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا ان کی زندگی کے برے دن آگئے۔

خوں آشام انتقام :

ملک کو عیسائیت پر مجبور کرنے اور ہندوستان کو اندلس بنانے کا خواب چکنا چور ہوگیا اب وہ یہ خواب دیکھنے کی پوزیشن ہی میں نہیں رہے بڑی مشکلوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی حکومت بچائی، اور جب فوجی بغاوت پر اپنی ہزاروں جانیں گنوا کر قابو پالیا تو جوش انتقام میں انگریز وحشی درندہ بن گیا اور چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح گرد وپیش کے ہر شخص کو ڈسنے کے لئے اس کی زبان لپلپانے لگی اس فوجی بغاوت کے دبانے کے بعد انگریزوں نے اپنے ان دشمنوں کو فراموش نہیں کیا جنہوں نے آگرہ میں مناظرہ کرکے عیسائیت کی

راہ میں سنگ گراں بن گئے اور حکومت کے پلان کو ناکام کر دیا تھا اس سلسلہ میں سرفہرست مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے بیدار مغز علماء اور مجاہدین اسلام کی ایک پوری جماعت بھی انگریزوں کی مجرم بن گئی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی صرف زبان ہی سے اپنا فرض انجام دینے کے قائل نہیں تھے وہ تلوار کے بھی دھنی تھے اس لئے تین سال قبل کے واقعہ مناظرہ کو مدنظر رکھکر ان کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کرایا گیا، فوج اور پولیس ان کی گرفتاری کے لئے دوڑ پڑی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ہجرت :

مولانا رحمت اللہ صاحب بھی دشمن کی طرف سے غافل نہیں تھے شاہانہ زندگی گذارنے والے نوکروں چاکروں کی فوج جلو میں رکھنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی عالم دین بھی تھے اسلام کے محافظ تھے اسلئے دین کی حفاظت کے لئے انہوں نے جو قدم اٹھالیا تھا اس پر ثابت قدم بھی تھے جان ہتھیلی پر رکھ کر انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا تھا اس لئے ہر قسم کے مصائب جھیلنے کا بھی ان کے دل میں حوصلہ تھا، صحرانوردی، بادیہ پیمائی اور آبلہ پائی کے لئے بھی وہ پہلے سے تیار تھے، اور انہوں نے عملی طور پر کر کے اسے دکھا بھی دیا، کس طرح انکے محل پر چھاپہ پڑا؟ کیسے پنجیٹھہ کے دیہات میں گھاس کاٹی؟ کیسے نام بدل کر ہزاروں میل جنگلوں اور بیابانوں کا سفر کر کے کراچی کی بندرگاہ پہونچے؟ یہ ایک طویل ترین داستان ہے، بادبانی کشتی کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچے، یہ ہندوستان کے اس دور کے کئی علماء مجاہدین کی داستان ہے جو دردناک و کربناک ہے درس غیرت وحمیت اور حوصلہ بخش بھی پولیس اور فوج ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہاتھوں میں لئے ناکام واپس ہوگئی، مولانا رحمت اللہ صاحب اللہ کی حفاظت میں پہونچ گئے، انگریزی حکومت دانت پیس

کر رہ گئی، نہ سرکاری پادریوں کے ذریعہ ان کو شکست دے سکی اور نہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لیکر کتوں کی طرح دوڑنے والی پولیس انکا کچھ بگاڑ سکی کیوں کہ

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست

خدا نے اپنے دین کی حفاظت کرنے والے کی خود حفاظت فرمائی پیادہ پائی سے تلوے ضرور لہولہان ہوئے لیکن دل اپنی کامیابی پر مسرور اور خوش تھا مکہ معظّمہ پہونچ کر اللہ کے گھر کے سائے میں طرح اقامت ڈال دی۔

مناظرہ کے بعد کے تین سال :

۱۰/۱۱پریل ۱۸۵۴ء کو مناظرہ ہوا، اور مئی ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خلاف بغاوت کا کوہ آتش فشاں پھٹا اس درمیانی مدت میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی خاموش بیٹھے نہیں رہے بلکہ شب و روز اسطرح کی پیش بندیوں میں مصروف رہے کہ مستقبل میں حکومت تبلیغ عیسائیت میں کسی طرح کامیاب نہ ہوسکے مولانا موصوف اسکے لئے جدوجہد کرتے رہے آپ کو اب یہ یقین تھا کہ یورپ کا بڑا سے بڑا پادری بھی ہندوستان آکر کسی مسلمان عالم دین سے مجمع عام میں مناظرہ ومباحثہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا، البتہ اپنے اپنے حلقہ عمل میں پادری کی کوششیں جاری رہیں گی اور وہ ناخواندہ عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے رہیں گے اس لئے اس کا انسداد بھی ضروری ہے آپ نے ضروری سمجھا کہ عیسائیت اور صلیب پرستی جیسے باطل مذہب کی بخیہ ادھیڑ کر عوام کے سامنے رکھدی جائے اور اہل علم کی رہنمائی کے لئے علمی انداز کی تصانیف مرتب کردیں تاکہ ہر پڑھا لکھا مسلمان پادریوں کے ہر طرح کے سوالات کے جوابات دے سکے اور پھر پلٹ کر ان سے سوال کر کے ان کا منہ بند کر سکے، اس لئے وہ مسلسل اور شب و روز تصنیف وتالیف میں مصروف رہے اور ایسی معرکتہ الآرا کتابیں لکھدیں کہ یورپ کے اخباروں نے صاف

اعتراف کیا کہ اگر یہ کتابیں شائع ہوتی رہیں تو کبھی بھی کوئی شخص عیسائیت کے قریب نہیں جائیگا عیسائیت اپنے خول میں بند ہوکر رہ جائے گی۔

تصانیف :

مولانا موصوف کے پیش نظر عیسائیت کے سیلاب کو روکنا وقت کا سب سے اہم ترین فریضہ تھا اس لئے آپ نے اپنی ساری توجہ اسی طرف رکھی تھی جبکہ اس دور میں باصلاحیت علماء کی کمی نہیں تھی لیکن قدرت کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے اس کام کی اسی کو توفیق ملتی ہے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو ہندوستانی تاریخ کے اس نازک موڑ پر قدرت نے اسی اہم اور نازک کام کے لئے خلعت وجود بخشا تھا اس لئے اس مہم میں اس وقت آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں تھا آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

ا۔ اظہار الحق : یہ کتاب مناظرہ آگرہ کی مکمل روداد ہے جو ترکی کے بادشاہ سلطان عبدالعزیز خاں کی خواہش اور خیرالدین پاشا تونسی صدراعظم کی تحریک پر پادری فنڈر سے اکبرآباد آگرہ میں مناظرہ کی مفصل کیفیت اور تمام مسائل کونہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مناظرہ سے دس برس بعد جب آپ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے تو سلطان ترکی کی دعوت پر آپ ترکی تشریف لے گئے تھے وہیں قسطنطنیہ میں ۱۶ر رجب ۱۲۸۰ھ میں اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخری ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں ختم ہوئی اور ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ سے شائع ہوئی، پھر صدراعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے عربی سے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور ابرازالحق کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا، پھر یورپ کی متعدد زبانوں میں ترکی حکومت کی طرف سے اس کے ترجمے کرا کے شائع کئے گئے، جن کو پادری خاص کوشش اور اہتمام سے تلف کرنے کی کوشش کرتے رہے، کتاب مصر سے

متعدد بار شائع ہوچکی ہے، مولانا سلیم اللہ صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا جس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، مولوی غلام محمد بھانجار اندیری نے گجراتی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا، اظہار الحق کے انگریزی ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد ٹائمز آف لندن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہوجائیگی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے، ابواب کی تفصیل اس طرح ہے باب اول بیان و تفصیل کتب عہد قدیم وجدید باب دوم بیان و تفصیل اثبات تحریف انجیل باب سوم نسخ انجیل باب چہارم ابطال تثلیث باب پنجم قرآن کا کلام اللہ ہونا باب ششم اثبات نبوت محمد ﷺ واعتراضات وجوابات پادریان۔

۲۔ ازالۃ الاوھام : یہ ضخیم کتاب بڑے سائز کے ۶۵۴ صفحات پر مشتمل ہے سید المطابع بلاقی بیگم دہلی میں سید قوام الدین کے زیر اہتمام فارسی میں ۱۲۶۹ء میں شائع ہوئی، ردنصاری کے اکثر مباحث کا مُسکت جواب ہے، اس میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق میں جو اعتراضات ہیں ان کے دنداں شکن جوابات بھی شامل ہیں۔

۳۔ ازالۃ الشکوک : یہ کتاب عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں ہندوستان میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی اس میں نبوت محمدی اور تحریف بائبل کے مدلل ثبوت ہیں دونوں جلدیں ایک ہزار ایک سو سولہ صفحات پر مشتمل ہیں اس کتاب کے سبب تالیف کے متعلق مولانا مرحوم نے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے :

۱۲۶۹ھ میں دوامر باعث ہوئے کہ پادریوں کے سوالات کا جواب لکھوں ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دیکر اور چھ سوال اور بڑھا کر ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولیعہد بہادر دام اجلالہٗ کی

خدمت بابرکت میں بھیجا اور جناب منعم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں اور انکا امر ماننا پڑا۔

مولانا مرحوم کے ایک شاگرد مولانا عبدالوہاب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات ویلور نے کتاب کی پہلی جلد مدراس میں چھپوائی دوسری جلد ان کے صاحبزادے مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد صاحب مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات ویلور نے طبع کرائی اس طرح ماہ شعبان ۱۲۸۸ھ میں کتاب مکمل دو جلدوں میں شائع ہوگئی۔

۴۔ اعجاز عیسوی : اس کتاب میں مولانا مرحوم نے کامل طور پر بائبل کا غیر معتبر ہونا اور اس کا محرف ہونا ثابت کیا ہے، یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی پہلی بار آگرہ ہی سے اور دوسری بار مطبع رضوی دہلی میں طبع ہوئی، ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث : دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کو باطل ثابت کیا گیا ہے، ۱۲۷۱ھ میں مناظرہ اکبرآباد کے فوراً بعد تصنیف ہوئی اور مطبع رضوی دہلی سے ۱۲۹۲ھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

۶۔ البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف :
مناظرہ کے سال ہی ۱۲۷۰ھ میں لکھی گئی انجیل کی تحریف پر بہت ہی محققانہ بحث ہے جو صرف ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے متوسط تقطیع پر اسی زمانہ میں فخر المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

غیر مطبوعہ تصانیف :

مولانا کیرانوی کو قدرت کی طرف سے ردعیسائیت کے سلسلہ میں وہبی طور پر وہ علم دیا گیا تھا کہ ان کا قلم رکنا جانتا ہی نہ تھا، کچھ کتابیں حالات اور ماحول کے تقاضوں کے تحت شائع ہوتی رہیں لیکن کئی کتابیں غیر مطبوعہ رہ گئیں

مرے لئے علم کا کوئی ذریعہ نہیں کہ معلوم کروں کہ یہ مخطوطے کہاں اور کس حال میں ہیں؟ لیکن مولانا مرحوم کے ورثہ نے ان تصانیف کا ذکر کیا ہے، خاندانی تحریروں سے غیر مطبوعہ کے نام اور انکے مباحث کا پتہ چلتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

بروق لامعہ : رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مدلل اثبات اور خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا ہے کتاب مرے علم کے مطابق ابتک طبع نہیں ہوئی۔

معدّل اعوجاج المیزان : یہ کتاب میزان الحق مولفہ پادری پی فنڈر کا جواب ہے مولانا محمد سلیم صاحب سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ ''نورافشاں'' (۳۰ جلد۱۲) مطبوعہ ۲۴ رجولائی ۱۸۸۴ء میں پادری صفدر علی کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے

تقلیب المطاعن : یہ کتاب ''تحقیق دین'' مؤلفہ پادری لاسمند کا رد اور جواب ہے، کتاب غیر مطبوع ہے۔

معیار التحقیق : یہ کتاب ''تحقیق الایمان'' مؤلفہ پادری صفدر علی کا دندان شکن جواب ہے۔

مناظرہ کی رودادیں :

مناظرہ اکبرآباد آگرہ چونکہ ہمہ گیر شہرت کا مالک تھا اس لئے پورے ملک میں اسکی طرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں مناظرہ تین دن تک چلا روزانہ کی رودادیں اس دور کے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں جن کی دستیابی اب ممکن نہیں رہی کچھ رودادیں کتابی شکل میں شائع ہوئیں، ایک روداد "البحث الشریف في اثبات النسخ والتحریف" کے نام سے وزیرالدین صاحب نے مرتب کی تھی جو حافظ عبداللہ صاحب کے اہتمام سے ۱۲۷۰ھ میں مناظرہ

کے فوراً بعد فخر المطابع دہلی میں طبع ہوئی اور ولی عہد بہادر مرزا فخر الدین ابن بہادر شاہ ظفر دہلی کے حکم سے چھپ کر انہیں کے حکم سے ہندوستان کے اطراف واکناف میں اشاعت پذیر ہوئی یہ روداد مناظرہ اکبرآباد آگرہ کے سلسلہ میں مولانا موصوف اور پادری فنڈر کے آخری خطوط کا مجموعہ ہے۔

ایک روداد مناظرہ دو حصوں میں اسی زمانہ میں سید عبداللہ اکبرآبادی نے مرتب کی تھی ایک حصہ کا نام "مباحث مذہبی" اور دوسرے حصہ کا نام "مراسلات مذہبی" تھا، دونوں حصے اسی دور میں ۱۲۷۰ھ میں ۱۸۷ صفحات پر مشتمل مطبع منعمیہ اکبرآباد سے چھپوا کر شائع کئے گئے، اور سب سے جامع اور مکمل روداد خود مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے قلم سے اظہار الحق کے نام سے شائع ہوئی اور مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے کئے گئے اور شائع ہوئے۔

ذلت آمیز شکست کھانے کے باوجود پادری فنڈر نے خود اس مناظرہ کی روداد شائع کی لیکن یہ روداد عذر گناہ بدتر از گناہ کے قبیل سے ہے کیونکہ خود اسکی تفصیلات سے اسکی شکست کی جگہ جگہ جھلک نظر آتی ہے۔

تاریخ ساز کارنامہ :

رودادیں جھوٹی سچی جتنی بھی شائع ہوئیں لیکن ان کا وجود مٹ گیا لیکن یہ حقیقت پتھر کی لکیر کی طرح تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے کہ یورپ کا مایہ ناز پادری جو پادریوں کی پوری فوج کا امیر لشکر اور سپہ سالار تھا جس کی لن ترانیاں آسمان کو چھو رہی تھیں وہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام سن کر کانپنے لگا تھا وہ ہندوستان سے اس طرح فرار ہوا جیسے خرگوش شکاری کی آہٹ پا کر بے تحاشا بھاگتا ہے اور پھر دوبارہ اسکو ہندوستان کی طرف کسی کھڑکی سے بھی جھانکنے کی ہمت نہیں ہوئی اور گمنامی کی زندگی بسر کر کے معلوم نہیں کہاں مر کھپ گیا، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا سب سے بڑا اور عہد ساز کارنامہ یہ ہے کہ اندلس کی

اسلامی حکومت اپنے لاؤلشکر کے باوجود عیسائیت کے جس سیلاب کو نہ روک سکی انہوں نے نہتے اور تن تنہا یورپ کی اس طوفانی یلغار اور عیسائیت کے سیلاب کو اس طرح روک دیا کہ یہ سیلاب پھر اپنے مخرج اور منبع میں بند ہو کر رہ گیا اور انگریزوں کی دوسوسالہ حکومت ہندوستان کو اندلس بنانے کا خواب نہ دیکھ سکی۔

ہجرت کے بعد :

انگریزی حکومت کے پنجہ عذاب سے بچ کر مکہ مکرمہ جب آپ پہونچے تو آپ سے کچھ ہی دنوں پہلے حاجی امداداللہ تھانوی جو انگریزوں سے جہاد کرنے میں سرخیل علماء تھے انہیں مصیبتوں سے گذر کر جن سے مولانا کیرانوی گذرے تھے مکہ مکرمہ پہونچکر رباط داؤدیہ میں قیام پذیر تھے مولانا کیرانوی کی حاجی صاحب سے مطاف میں ملاقات ہوئی، طواف سے فراغت کے بعد حاجی صاحب مولانا موصوف کو اپنی کوٹھری میں لے گئے اور وہیں قیام فرمایا کچھ ہی دنوں بعد مولانا موصوف اساتذہ حرم کی فہرست میں شامل کر لئے گئے اس دور میں حرم مکہ کے شیخ العلماء سید احمد دحلان تھے مولانا سے سوال و جواب کے بعد ان کو مولانا موصوف کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہو گیا پھر اپنے گھر پر بلا کر بڑا اعزاز و اکرام کیا انہوں نے مولانا موصوف سے انگریزی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا پورا واقعہ سنا تو بہت متاثر ہوئے، انہیں کی سفارش پر مسجد حرم میں مولانا مرحوم کا باقاعدہ درس شروع ہوا اور علماء حرم کے دفتر میں باقاعدہ آپ کا نام درج کر کے وظیفہ مقرر ہوا، پھر آپ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔

حکومت ترکی کی طرف سے دعوت :

اس وقت حجاز پر ترکی کی حکومت تھی اور سلطان عبدالعزیز خان تخت حکومت پر متمکن تھے ترکی حکومت کے گورنر شریف عبداللہ بن عون بن محمد امیر

مکہ تھے مولانا کیرانوی کا ان سے تعارف ہوگیا امیر مکہ نے مناظرہ کی پوری روداد سن کر بہت مبارکباد دی تھی پھر وہ مولانا کی از حد قدر و منزلت کرنے لگے اس طرح مولانا کیرانوی اپنے دینی مرکز میں عزت و احترام کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

وقت جب کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو کیسے کیسے حیرتناک طریقوں سے اسکی رسوائی پر مہر لگا دیتا ہے، پادری فنڈر ہندوستان سے فرار کے بعد جرمنی، سوئزرلینڈ اور انگلستان میں رہا مگر وہ کہیں پاؤں نہیں جما سکا آخرکار چرچ مشنری سوسائٹی لندن نے اسکو ترکی بھیج دیا اور وہ قسطنطنیہ پہونچ گیا وہ اپنی شرانگیز فطرت سے مجبور تھا اسلئے ترکی جا کر تقریریں شروع کیں بیشتر تقریروں میں ہندستان میں اپنی شاندار کارگذاری کو بیان کرتا اور اعلان کرتا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی شاندار فتح اور اسلام کو شکست ہو چکی ہے، ہندوستان کے تمام علماء لاجواب ہو چکے ہیں ان میں اب جرأت نہیں کہ مجھ سے گفتگو کر سکیں، آج پورے ہندوستان میں عام طور سے مسلمان عیسائیت قبول کر رہے ہیں عنقریب پورا ہندوستان عیسائیت کی آغوش میں آجائیگا اور ہندوستان سے اسلام کا نام و نشان مٹ جائیگا۔

ترکی کے بادشاہ سلطان عبدالعزیز خاں کو پادری فنڈر کی یہ لن ترانیاں پہونچتی رہتی تھیں، وہ دین پسند اور مذہبی جذبات رکھنے والا بادشاہ تھا اسکو ہندوستان کے بارے میں یہ باتیں سن کر انتہائی فکر لاحق ہوئی ان کو حقیقت حال کے لئے بے چینی ہوئی، انہوں نے فوراً حکم دیا کہ امیر مکہ عبداللہ کو خط لکھ کر تاکید کی جائے کہ اس سال ہندوستان سے حج کیلئے آنے والوں میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو آگرہ میں عیسائیوں سے ہونے والے مناظرہ کے بارے میں مستند معلومات رکھتے ہوں، یہ حکم نامہ لکھ کر امیر مکہ کو پہلی فرصت میں بھیج دیا گیا، امیر مکہ کو جب یہ خط ملا تو اس نے بواپسی ڈاک جواب دیا کہ جس عالم سے ہندوستان میں پادری فنڈر کا مناظرہ ہوا تھا وہ عالم خود ہی مکہ مکرمہ میں موجود

ہیں اور مناظرہ کے مختصر حالات جو مولانا موصوف سے اسکو معلوم ہوئے تھے وہ بھی تحریر کردیئے، سلطان ترکی کو جوں ہی یہ خط ملا فوراً یہ حکمنامہ جاری کیا کہ مولانا موصوف کو شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ بھیج دیا جائے، ہم ملاقات کے مشتاق ہیں، امیر مکہ نے مولانا موصوف سے خط وکتابت کی ساری باتیں بتائیں اور کہا کہ شاہ ترکی کی طرف سے آپ کو قسطنطنیہ بلایا گیا ہے، سرکاری طور پر ہم اس کا انتظام کردیں گے چنانچہ مولانا کا یہ سفر قسطنطنیہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں ہوا۔

شاہی اعزاز و پذیرائی :

امیر مکہ نے مولانا موصوف کو پورے اعزاز کے ساتھ قسطنطنیہ کے لئے روانہ کیا، جس دن مولانا موصوف دارالحکومت قسطنطنیہ پہونچے پادری فنڈر کو اسکی خبر مل گئی، وہ اسی رات میں قسطنطنیہ سے خفیہ طور پر فرار ہوگیا اور ترکی کی حدود سلطنت سے باہر چلا گیا پھر اس کے بعد تاریخ میں کہیں فنڈر کا نام نظر نہیں آتا گمنامی کی زندگی گذار کر راہی ملک عدم ہوا مولانا شاہی مہمان کی حیثیت سے قیام پذیر ہوئے سلطان نے ایک مجلس علماء منعقد کی جس میں وزراء سلطنت کے علاوہ اہل علم اصحاب کو بلایا گیا اور مولانا مرحوم سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے مفصل حالات سنے، دوسرے دن سلطان نے دولت عثمانیہ میں اس فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے ترکی کے سارے مسیحی مبلغین کو گرفتار کرکے جیل بھیجنے کا حکم جاری کردیا اور انکی ساری کتابیں ضبط کرلی گئیں اوران کی اشاعت پر پابندی عائد کردی گئی ان کو مجمع عام میں تقریر کرنے سے حکماً روک دیا گیا، اس طرح سلطان ترکی نے صلیب پرستوں کی ریشہ دانیوں سے ترکی کو پاک صاف کردیا۔

مولانا مرحوم شاہی مہمان کی حیثیت سے مقیم تھے سلطان ترکی اکثر

نماز عشاء کے بعد مولانا مرحوم کو شرف باریابی بخشتے اس وقت صدر اعظم خیرالدین پاشا تونسی اور ترکی حکومت کے شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے تھے، سلطان عبدالعزیز نے مولانا مرحوم کی جلیل القدر دینی ومذہبی خدمات اور آپ کے مجاہدانہ کارناموں سے بہت متاثر تھے اس لئے مولانا کے اعزاز واکرام اوران کی عظیم خدمات کے اعتراف کے طور پر خلعت زریں کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم اور گرانقدر وظیفہ ماہانہ سے سرفراز فرمایا، سلطان کی خواہش اور خیرالدین پاشا کی تحریک پر رجب ۱۲۸۰ھ میں مولانا موصوف نے اپنی مشہور عالم کتاب اظہارالحق لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ یعنی چھ ماہ میں اسکو پایۂ تکمیل تک پہونچادیا۔

قسطنطنیہ ہی میں قیام کے دوران ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں حشر ونشر، نزول وحی، بعثت ونبوت کے مسائل کو عقلی دلائل کی روشنی میں سمجھایا ہے اس رسالہ کی تحریر سے جمادی الثانی ۱۲۸۱ھ میں فراغت ہوئی، خیرالدین پاشا کے حکم سے یہ رسالہ طبع ہوا، اظہارالحق مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر بھی یہ رسالہ شائع کیا گیا۔

دارالہجرۃ واپسی اور مدرسہ صولتیہ کا قیام :

کئی ماہ مسلسل قسطنطنیہ میں قیام کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ واپسی کی اجازت طلب کی، مکہ مکرمہ واپس آکر مسجد حرم میں درس وتدریس کا سلسلہ حسب سابق شروع کردیا، لیکن حرم میں جو تعلیم وتدریس کا طریقہ تھا آپ اس سے مطمئن نہیں تھے، آپ مکہ میں ایک مستقل مدرسہ جاری کرکے اپنے مرتب کردہ نصاب کے مطابق تعلیم دینا چاہتے تھے، چند معززین سے صلاح ومشورہ کے بعد مدرسہ کے لئے زمین خریدی گئی اور عام مہاجرین سے چندہ کی اپیل کی گئی جسکی پذیرائی ہوئی اور ماہوار چندہ دینے والوں کی ایک فہرست مرتب ہوگئی۔

ابھی اس تحریک پر تین چار ماہ ہی گذرے تھے کہ موسم حج میں کلکتہ کی

ایک مالدار بیوہ صولت النساء بیگم اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ حج میں آئیں، ان کا ارادہ تھا کہ مکہ مکرمہ میں اپنی طرف سے کوئی رباط (مسافر خانہ) بنوائیں، بیگم کے داماد مولانا کیرانوی کی مجلس میں آیا کرتے تھے، ایک دن انہوں نے اپنی خوشدامن صاحبہ کے ارادہ کا ذکر مولانا موصوف سے کیا اور آپ سے اس سلسلہ میں مشورہ چاہا مولانا نے انکو سمجھایا کہ مکہ مکرمہ میں رباطیں بہت ہیں اس سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ یہاں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، مولانا کی مجلس سے اٹھکر اپنی خوشدامن کے پاس گئے اور مولانا کے مشورہ کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوئیں اور خود جا کر مولانا مرحوم سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ مدرسہ کے لئے زمین کی گفتگو فرمائیں اور میں اپنی موجودگی میں مدرسہ کی تعمیر کرانا چاہتی ہوں چنانچہ وہ زمین خریدی گئی جس پر آج مدرسہ صولتیہ قائم ہے زمین کی خریداری کے بعد اس پر تعمیر کا کام شروع کردیا گیا، اکثر اوقات بیگم صاحبہ تعمیر کی جگہ آکر اس کی نگرانی کرتیں، جب تعمیر مکمل ہوگئی تو مولانا مرحوم نے اس نیک خاتون کی اس نیک یادگار کو اسی کے نام سے موسوم کر کے مدرسہ صولتیہ نام تجویز کیا جو آج تک اس شریف نیک اور مخیّر خاتون کی اس مقدس سرزمین پر مبارک یادگار اور صدقہ جاریہ ہے۔

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں :

مولانا مرحوم یکسوئی کے ساتھ مدرسہ صولتیہ میں درس و تدریس اور اسلامی اتحاد کی پر خلوص جدوجہد میں مصروف رہے، حجاز بدستور ترکی حکومت کے ماتحت تھا، سلطان عبدالعزیز خاں کے انتقال کے بعد سلطان عبدالحمید خان سریر آرائے تخت خلافت تھے اب حجاز کا گورنر عثمان نوری پاشا کو بنایا گیا، یہ ۱۲۹۹ھ کا زمانہ ہے گورنر خالص فوجی دل و دماغ کا تھا اس لئے مزاج میں ایک گونہ سختی تھی، تدبر، دوراندیشی، نظم مملکت کی حکمت عملی اور مصلحت بینی کا فقدان

تھا کچھ خود غرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مدرسہ صولتیہ کی طرف سے بدظن ہوگیا اور اسکو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھ کر اسکی مخالفت کرنے لگا، اور اپنے عندیہ کو ترکی حکومت پہونچا دیا، مولانا کو اس کا علم ہوا تو گورنر کی رپوٹ کے بعد انہوں نے اپنی معروضات بارگاہ سلطانی میں ارسال فرمائیں اس کے بعد سلطان عبدالحمید خاں نے مولانا مرحوم کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی دعوتنامہ موصول ہونے کے بعد آپ قسطنطنیہ روانہ ہوگئے، مولانا مرحوم کا یہ دوسرا سفر ترکی تھا اور پہلے سفر کے ۱۹ سال بعد ہو رہا تھا۔ مولانا کی عمر ۶۷ سال کی ہو چکی تھی قویٰ میں اضمحلال آ چکا تھا، اس سفر میں مولانا کے ہمراہ آپ کے برادرزادہ مولوی بدرالاسلام کیرانوی اور مولوی حضرت نور صدر مدرس مدرسہ صولتیہ تھے۔ اس وفد کا شاہانہ استقبال ہوا، تمام وزرائے سلطنت باری باری مولانا کی قیام گاہ پر آتے رہے اور شرف ملاقات حاصل کرتے رہے، تینوں حضرات کو خلعت سلطانی دیا گیا، دوسرے دن تمغہ مجیدی درجہ چہارم پیش کیا گیا سلطان ترکی عبدالحمید خاں کی جیب خاص سے پانچ ہزار قرش (تقریباً ڈھائی ہزار روپئے) ماہانہ اور دس ہزار قرش (تقریباً پانچ ہزار روپئے) نقد عطا کئے گئے، مزید اعزاز کے لئے کیسۂ مفتاح کعبہ، تسبیح عقیق البحر ایک ایک تسبیح سنگ مقصود کی عنایت فرمائی گئی اور حکومت ترکی کیطرف سے مولانا موصوف کو "پایۂ حرمین شریفین" کا خطاب دیا گیا قصر خاص میں جب مولانا موصوف کی حاضری ہوئی تو بادشاہ نے تخت سے دو قدم اٹھکر آپ کا خیر مقدم کیا اور خوش آمدید کہا۔

مولانا مرحوم اس سفر میں دو سال کے قریب قسطنطنیہ میں رہ گئے اس مدت میں سلطان نے متعدد بار شرف ملاقات بخشا، مولانا کے برادرزادہ مولوی بدرالاسلام بھی ایک بار بادشاہ سے ملاقات کے وقت حاضر تھے، سلطان ترکی نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے پاس رہیں گے اور کتب خانہ حمیدیہ

(سلطان عبدالحمید خاں کا شاہی کتب خانہ جو دنیا کے چند خاص کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے جس میں آل عثمان کے بادشاہوں کے دور کی تمام کتابوں کو جمع کیا گیا ہے) جو قصر یلدز میں ہے اس کا ان کو مہتمم مقرر کرتا ہوں اس لئے مولانا بدرالاسلام وہیں رہ گئے اور آخر وقت تک سلطان کے معتمد علیہ رہے دوسال سے زائد قیام کے بعد سلطان نے مکہ مکرمہ مراجعت کی اجازت دی اور ایک مرصع تلوار عنایت کرتے ہوئے فرمایا:

''ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے''

مولانا موصوف ۱۳۰۱ھ میں قسطنطنیہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے یہاں آپ کا بڑا پرشکوہ اور شاہانہ استقبال کیا گیا اور سب سے حیرتناک بات یہ تھی کہ عثمان نوری پاشا گورنر حجاز جسکی وجہ سے یہ سفر پیش آیا تھا وہ سب سے آگے تھا اور سب سے پہلے اس نے مولانا مرحوم سے بغلگیر ہوکر آپ کو مبارکباد دی اور اپنی غلط فہمیوں کی آپ سے معافی چاہی۔

مکہ مکرمہ میں مصروفیات :

قسطنطنیہ سے واپسی کے بعد مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے نظم ونسق کو درست کرنے میں مصروف ہوگئے، اس دوران حجاز کے بہت سے مسائل، ضروریات، حالات وکیفیات کے سلسلہ میں ترکی حکومت کے وزراء عمائدین سلطنت، مشیران سلطانی اور کبھی کبھی خود بارگاہ خلافت میں خطوط لکھتے رہے اور اہل حجاز کے مسائل کو حل کراتے رہے، کبرسنی اور کثرت مشاغل کی وجہ سے آپ کو ضعف بصر کی شکایت ہوگئی اور بڑی تیزی کے ساتھ نظر گرنے لگی نزول الماء (موتیا بند) کا عارضہ تھا یہاں تک کہ ۱۳۰۳ھ میں آپ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوگئے، یہ خبر سرکاری طور پر سلطان ترکی کو پہونچی تو بارگاہ سلطانی سے حکمنامہ آیا کہ مولانا کو قسطنطنیہ بھیجنے کا فوراً بندوبست کیا جائے تاکہ یہاں ماہر ڈاکٹروں کے ذریعہ بہتر

سے بہتر علاج کیا جاسکے مولانا موصوف کو شاہی طلبی کی اطلاع ملی تو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے یہ سفر بہت دشوار محسوس ہوا مگر علاج کی غرض سے یہ سفر کرنا تھا اس لئے مجبوراً بعض رفقاء کو لیکر آپ نے ترکی کا یہ تیسرا سفر کیا۔

ترکی کا تیسرا سفر :

۲رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو آپ استانبول پہونچے قصر شاہی میں ٹھہرائے گئے، رمضان کا مہینہ تھا افطار کے وقت اکثر شاہی دسترخوان پر آپ بلائے جاتے رہے، ایک دن افطار کے بعد بادشاہ نے کہا کہ کل میں ترکی کے مشہور ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بلاؤنگا جو آپ کی آنکھ کا معائنہ کر کے علاج کا فیصلہ کریں گے چنانچہ دوسرے دن پانچ ماہرین امراض چشم ڈاکٹر حاضر ہوئے اور بڑے اہتمام سے معائنہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ نزول الماء کا سلسلہ ابھی جاری ہے اس لئے علاج میں ابھی کم از کم دو ماہ کا وقفہ ضروری ہے، دو ماہ کے بعد ہی علاج کیا جاسکتا ہے، سردست علاج ملتوی ہوگیا، انہیں مصروفیات میں عید آگئی شاہی حکم سے مولانا کے لئے لباس تیار کرایا گیا، عید کی نماز مولانا نے استانبول میں پڑھی، مولانا واپسی کی اجازت کے خواہاں تھے اگر چہ ابھی زبان سے اس کا اظہار نہیں فرمایا تھا کہ ایک دن سلطان عبدالحمید خان نے مولانا سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مرے یہاں مستقل رہیں، اسکے جواب میں مولانا مرحوم نے جو کچھ فرمایا وہ صدق واخلاص کی کتاب میں آب زر سے لکھنے کے لائق ہے، مولانا نے بادشاہ سے کہا :

''اعزّہ واقارب کو چھوڑ کر، ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے آخری وقت میں امیرالمومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا''۔

سلطان کے دل کو یہ بات لگ گئی، جو خلوص جو درد ان چند جملوں میں چھپا ہوا تھا

اسکی قدر و قیمت کو اس نے پہچان لیا مولانا کے اعزاز و احترام کے جذبات اسکے دل میں اور فزوں ہوگئے، بادشاہ نے کہا کہ علاج ہو جانے کے بعد آپ دارالہجرۃ تشریف لے جائیں مجھکو کوئی ملال نہیں ہوگا لیکن مولانا اس وقت آپریشن کے لئے تیار نہیں ہوئے اور اجازت کے طالب ہوئے، سلطان کو بھی مولانا کی از حد دلداری مقصود تھی اسلئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان سے اجازت لیکر ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ میں آپ مکہ مکرمہ واپس آئے سال بھر بعد ۱۳۰۵ھ میں مکہ مکرمہ کے ایک ڈاکٹر سے آنکھ کا آپریشن کرایا مگر آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔

کف بصر کے بعد :

آپریشن کی ناکامی کے بعد جب لکھنے پڑھنے سے ایک دم معذور ہو گئے تو مولانا موصوف کے بڑے بھائی حکیم علی اکبر کے لڑکے محمد صدیق پنجاب کے ایک مشنری اسکول میں ماسٹر تھے انہوں نے اپنے لڑکے محمد سعید کو بھی تعلیم کے لئے وہیں داخل کرادیا تھا، مولانا مرحوم کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو اپنے بھتیجے محمد صدیق کو بہت سخت خط لکھا کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً مرے پاس مکہ مکرمہ بھیج دو، اسکی تعلیم و تربیت میں کروں گا، چنانچہ محمد سعید مکہ مکرمہ آگئے تھے مولانا مرحوم نے انکی تعلیم مکمل کرائی اور حضرت حاجی امداداللہ تھانوی کی خدمت میں حاضری دینے کی تاکید فرماتے رہے اس طرح تعلیم و تربیت کے بعد مولوی محمد سعید ایک پختہ کار عالم ہو چکے تھے، مولانا کے کف بصر کے بعد انہوں نے مولانا مرحوم کے خط و کتابت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی شب و روز حاضر خدمت رہتے تھے صرف نماز مغرب سے نماز عشا تک مولانا محمد سعید حضرت حاجی امداداللہ تھانوی کی خدمت میں حاضر رہتے وہاں حاجی صاحب کے نام آئے ہوئے خطوط کو سناتے اور ان کے حکم

کے مطابق خطوط کے جوابات لکھتے تھے۔

وفات :

اب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی عمر ۷۵ سال کی ہو چکی تھی، چار سالوں سے وہ آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، چلنے پھرنے کی طاقت جواب دے چکی تھی آخر وقت موعود آگیا ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ یوم جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا خادم اسلام جسکو پایہ حرمین شریفین کا خطاب حاصل تھا اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک لمبی زندگی دین کی خدمت میں گذاری اس کے صلہ میں قدرت کی طرف سے ایک مقدس سرزمین میں جنة المعلاة مکہ مکرمہ میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں آسودۂ خواب ہوئے جہاں انکے رفیق خاص حاجی امداد اللہ تھانوی محو خواب ہیں۔ اللّٰھم اغفر وارحم وانت ارحم الراحمین۔

اللہ اللہ کیا انقلاب زمانہ اور گردش ایام کے کرشمے ہیں، مولانا رحمت اللہ کیرانوی جن کے آباء و اجداد کو اکبر جیسا بادشاہ جاگیر پیش کرتا ہے جامع مسجد دہلی اور لال قلعہ کا تخلیق کار شاہجہاں بادشاہ جس گھرانہ کا مہمان بنتا ہے جس کا شاہانہ کروفر اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اسکے محلّہ کو دربار کلاں کہا جاتا تھا جہاں خدم و حشم کے جلو میں زندگی بسر ہوئی جسکی شرافت وطہارت کی قسم کھائی جاسکتی تھی جس کے اعزاز واحترام میں عقیدت کی پیشانیاں جھک جاتی تھیں جسکی سچائی اور راست گفتاری جس کا صدق واخلاص جسکی پاکبازی وپاک دامنی بے مثال تھی ایسا شریف النفس انسان انگریزی حکومت کا مجرم بن کر حلیہ اور نام بدل کر پیادہ پا جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھان کر چور اور ڈاکوؤں کی طرح کا مجرم بن کر روپوشی کی حالت میں کمپنی کے حدود سلطنت سے نکل رہا ہے، جیسے اس سے بڑا کوئی مجرم نہیں، پولیس بیڑیاں اور ہتھکڑیاں لیکر کتے کیطرح پیچھا کر رہی ہے،

اس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ ایک مخلص اور سچا مسلمان ہے حق کا پرستار ہے، باطل سے برسر پیکار ہے، وہ صداقت کو دل میں رکھنے کے بجائے برملا کہنے کا طرفدار ہے وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ تثلیث پرستی کی ظلمت اسلام کی روشنی پر چھا جائے وہ ضلالت کو صداقت کہنے کے لئے تیار نہ تھا، بس اسی جرم میں اسکی اتنی بڑی ریاست کو ظالم و جابر حکومت نے اس کے خاندان کو نان شبینہ کا محتاج بنادیا اور وہ اپنے اعزہ واقرباء اور اپنے وطن پر آخری حسرت بھری نگاہ ڈال کر غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوا اور اسی عالم میں جاں جاں آفریں کو سپرد کردی، دین کی راہ میں اسکی انہیں قربانیوں کا خدا کی طرف سے اسکو، اس کے نیک نام اور اسکے کارناموں کو زندہ جاوید بنایا گیا اور ظالم و جابر حکومت کا ہندوستان سے وجود مٹادیا گیا۔

تاریخ ساز شخصیت :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے حالات کی نزاکت، خطرات کے ہجوم میں انگریزی حکومت کے منصوبہ کو سبوتاژ کرنے کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ان کو پیش نظر رکھکر اگر ان کی شخصیت کو ایک عہد ساز شخصیت کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریزی حکومت نے پورے ہندوستان میں حکومت کی طاقت کے بل بوتے پر جو مہم شروع کی تھی وہ وقتی جوش اور ہنگامی جذبات کا نتیجہ نہیں تھی، بلکہ اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی اور پچیس تیس سالوں کی شب و روز کی جدوجہد، ادارے کا قیام، علوم اسلامی کی تنفیذ، درس و تدریس، عربی فارسی اور اردو زبانوں کی مکمل تعلیم اور ہزاروں افراد کو اس نظام تعلیم سے وابستہ کرکے ایک پوری ٹیم پر ماہر اساتذہ نے اپنی ساری صلاحیتیں لگادیں تب پادریوں کی یہ فوج تیار ہوئی اور ہندوستان کے مورچہ پر اپنی مہم انجام دینے کے لئے بھیجی گئی ظاہر ہے کہ ان پادریوں اور

عیسائی مشنریز کی فوج سے انگلینڈ کی حکومت کی بہت سی امیدیں، امنگیں اور اس کے جذبات وابستہ تھے، ان کے لئے حکومت کی سطح پر سارے وسائل مہیا کئے گئے تاکہ منصوبہ کسی بھی مرحلہ پر فیل نہ ہونے پائے جہاں کہیں اس مورچہ میں کمزوری نظر آئے حکومت اس کو فوراً دور کرنے کے لئے آمادہ و تیار، ایسی منصوبہ بندی اور پلاننگ کے بعد اتنی طاقتور حکومت اپنی مہم کا آغاز کرتی ہے اور کئی برس تک بلا روک ٹوک اس مہم کو سر کرنے میں صرف کر چکی ہے اور ہر اگلے قدم پر اسکو کامیابی کی امیدیں حسب توقع بڑھتی چلی جاتی ہیں ٹھیک اسی ماحول میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے تن تنہا پادری فنڈر کو نہیں انگریزی حکومت کو گویا چیلنج کر دیا، کیا کوئی مغرور حکومت جسکو اپنی قوت پر ناز ہے اس چیلنج کو برداشت کر سکتی ہے؟ لیکن اس کے باوجود مولانا رحمت اللہ کیرانوی حکومت کے سارے منصوبے کو خاک میں ملانے میں کامیاب ہوگئے کیا یہ محیر العقول کارنامہ نہیں؟ کیا کوئی شخص اس دور میں ایسا سوچ سکتا تھا مولانا کیرانوی نے اپنی جان داؤ پر لگا دی، اپنی پوری ریاست لٹوا دی تختہ داران کا منتظر رہا۔ پھانسی کے پھندے ان کی نگاہوں کے سامنے جھولتے رہے لیکن انہوں نے یہ ہولناک منظر دیکھ کر اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا ان کا ہر قدم آگے ہی بڑھتا رہا یہاں تک کہ اس مورچہ کو فتح کر لیا۔

انگریزی حکومت کے منصوبے کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یورپ کے مایہ ناز اہل علم اور مفکرین اور چرب زبان مقررین کے ذریعہ مسلمان قوم کے اہل علم کو ذہنی وفکری محاذ پر شکست دیدیجائے تاکہ تبلیغ عیسائیت کی راہ میں علماء اسلام جو سنگ راہ بن سکتے ہیں ان کو احساس کمتری میں مبتلا کر کے راستے سے ہٹا دیا جائے تاکہ تبلیغ عیسائیت کی راہ آسان ہوجائے پھر پورے ملک کو عیسائی بنا لینا آسان ہوجائیگا لیکن حکومت کو پہلے ہی محاذ پر سخت ناکامی ہوئی نتیجہ ان کی امیدوں کے برخلاف نکلا۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ مناظرہ اکبر آباد میں ناکامی کے بعد بھی تبلیغ

عیسائیت کی سرگرمیوں میں کمی نہیں آئی تھی اسلئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کامیابی وقتی چیز تھی اور اس کے اثرات ایک مخصوص دائرے تک ہی رہے، حکومت اپنے منصوبے پر عمل کرتی رہی مگر آپ کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اس مناظرہ نے پورے ملک پر سب سے پہلا اور گہرا اثر ڈالا کہ اس ملک کے تمام مسلمانوں اور ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ کمپنی کی یہ حکومت ہندو اور مسلمان دونوں کے مذہب کی دشمن ہے اس لئے حکومت کی طرف سے ذہنوں میں ایک نفرت بیٹھ گئی اور اسی شدید نفرت کا نتیجہ تھا کہ مناظرہ کے تیسرے سال عام بغاوت کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا اور کمپنی کو اپنی حکومت بچانی دشوار ہو گئی اس بغاوت نے حکومت کی چولیں ہلا دی حکومت نے یقین کر لیا کہ اگر تبلیغ عیسائیت کا یہی سلسلہ جاری رہا تو ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایک انگریز کی بوٹی بوٹی کاٹ کر پھینک دی جائیگی، حکومت کی بقا کا تو کوئی سوال ہی نہیں اور بغاوت کے بعد فوراً تبلیغ عیسائیت کی پالیسی بدل گئی یہ مولانا کیرانوی کے مناظرہ اکبر آباد میں شاندار کامیابی کا ثمرہ تھا انہوں نے ڈائنا میٹ کے فلیتہ میں آگ لگائی جس نے تین سال بعد زبردست دھما کہ کیا اور حکومت کے دماغ کا نشہ ہرن ہو گیا۔

احسان فراموش قوم :

جو کام اندلس غرناطہ، قرطبہ کے بادشاہوں نے اپنے تمام لاؤ لشکر کے باوجود انجام نہیں دیا اور پورے اسپین کو اسلامی عظمتوں کا قبرستان بننے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور آج ڈھائی سو سال سے اس سرزمین کو اللہ اکبر کی آواز سننے سے محروم کر دیا، وہ کام ہندوستان میں تن تنہا ایک عالم نے انجام دیا جبکہ اسکے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں تھی لیکن یورپ کے تمام ذہنی فکری قلعوں کو فتح کر کے رکھ دیا ہندوستان کو مکمل طور پر عیسائی بنانے کا جو فیصلہ لندن پارلیمنٹ

نے کیا تھا اس فیصلہ کو اپنے جوتوں سے روند کر رکھ دیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی اسلامی ہند کی ایک بے مثال شخصیت تھی مگر احسان فراموش ہندوستان ان کو بہت جلد بھول گیا، صاحبان جبہ ودستار انگریزی حکومت کے پرستار و وفادار اور دشمنان اسلام کے کاسہ لیس مسلمانوں کے مسیحا جن کے نامہ اعمال میں زرطلبی، نام ونمود، عیش وراحت کی طلب کے علاوہ کوئی کارنامہ نہیں آج ان پر ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جارہی ہیں اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی پر ہندوستان میں کوئی کتاب بلکہ کوئی اہم تحقیقی مقالہ تک نہیں لکھا گیا اور نہ انکے عظیم کارناموں کو علمی دنیا کے سامنے شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا گیا ذہنی وفکری غلامی میں مبتلا قوموں کی بدبختی کا آخری اسٹیج یہی ہے کہ وہ اپنے محسنوں کو بھی فراموش کردیتی ہے اور ایسے لوگوں کو سال بہ سال یاد کرنے کی تاریخیں مقرر کرتی ہے جو اسلام کے ایوان کی ایک ایک اینٹ بیچ کر اپنی اپنی عظمت واقتدار کا محل تعمیر کررہے تھے اپنے گھر اور خاندان کے لئے انگریزوں سے وظیفہ مقرر کراتے رہے۔

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

باب (۱)

نام ونسب، خاندان اور وطن

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا وطن قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر تھا، پہلے آپ کا خاندان پانی پت میں مقیم تھا۔ لیکن جب آپ کے خاندان کے ایک بزرگ کو مغل بادشاہ اکبر نے قصبہ کیرانہ اور اس کے ملحقات کو انعام میں دیا تب سے یہ خاندان پانی پت سے منتقل ہوکر کیرانہ آ گیا اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

کیرانہ: کیرانہ قدیم زمانہ میں چوہان راجپوتوں کی راجدھانی رہ چکا تھا، چونڈلہ اور ہانسا ضلع کرنال میں جو چوہان آباد تھے ان کے مورث اعلیٰ راناہرؔ ہ کی اولاد میں سے رانا کلسہ کیرانہ کا حکمراں تھا جس کی وجہ سے قصبہ کیرانہ اور اس کے نواح کے چوراسی گاؤں ''کلسیان گوجر'' کہلاتے ہیں، رانا کلسہ چوہان راجپوت تھا مگر کیرانہ اور اس کے نواح میں گوجر قوم آباد تھی اسلئے رانا نے اسی گوجر قوم میں شادی کر لی۔

سالاری قوم: رانا کلسہ محمود غزنوی کا ہم عصر تھا، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں سلطان کی اجازت سے سید سالار مسعود غازی مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور جھنجھانہ ہوکر کیرانہ پر حملہ کیا تھا، کیرانہ کے شمالی اور غربی نواح میں آج تک مزار شہیداں موجود ہے، سید سالار مسعود غازی کے حملہ کیرانہ کی یادگار ''سالاری قوم'' قصبہ میں آباد رہی، یہ عرب نژاد قصبہ میں شتربانی کا کام کرتی رہی۔

انصاری: کیرانہ کی فتح کے بعد سب سے پہلے سالاری قوم یہاں آباد ہوئی، سلاطین تغلق کے زمانہ میں شیخ علاؤالدین انصاری اس نواح کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت سے یہ انصاری خاندان قصبہ میں آباد ہے، شیر شاہ سوری کے دور حکومت میں کاکڑ زئی افغان یہاں آباد ہوئے، شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں مولانا رحمت اللہ کے مورث اعلیٰ پانی پت سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے، مولانا رحمت اللہ عثمانی ہیں جن کا سلسلہ نسب جو آپ کے خاندان کے ایک فرد مولانا **محمد سلیم** صاحب نے لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

نسب نامہ

(۱) مولانا رحمت اللہ کیرانوی، بن (۲) مولوی خلیل عرف خلیل الرحمٰن، بن (۳) حکیم نجیب اللہ، بن (۴) حکیم حبیب اللہ، بن (۵) حکیم عبد الرحیم، بن (۶) حکیم قطب الدین، بن (۷) شیخ حکیم فضیل، بن (۸) حکیم دیوان عبد الرحیم، بن (۹) حکیم عبد الکریم حکیم بینا، بن (۱۰) حکیم حسن، بن (۱۱) عبد الصمد، بن (۱۲) ابو اعلیٰ، بن (۱۳) محمد یوسف، بن (۱۴) عبد القادر، بن (۱۵) کبیر الاولیاء مخدوم جلال الدین محمد، بن (۱۶) محمود، بن (۱۷) یعقوب، بن (۱۸) عیسیٰ بن (۱۹) اسمٰعیل، بن (۲۰) محمد تقی، بن (۲۱) ابوبکر، بن (۲۲) علی نقی، بن (۲۳) محمد عثمان، بن (۲۴) عبد اللہ، بن (۲۵) شہاب الدین، بن (۲۶) شیخ عبد الرحمٰن گاذرونی، بن (۲۷) عبد العزیز، بن (۲۸) خالد، بن (۲۹) ولید، بن (۳۰) عبد العزیز، بن (۳۱) عبد الرحمٰن کبیر ولی، بن (۳۲) عبد اللہ الثانی، بن (۳۳) عبد العزیز کبیر، بن (۳۴) عبد اللہ کبیر، بن عمرو، بن (۳۵) امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ (۱)

---

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

شیخ عبد الرحمٰن گاذرونی: مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مورث اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی محمود غزنوی کے دور حکومت میں گاذرون (شیراز) سے غزنی آئے ، چونکہ محمود غزنوی کو اپنے باپ کی نصیحت کی وجہ سے علماء ومشائخ سے ایک خاص مناسبت ہوگئی تھی اس لئے ہر شعبہ زندگی میں علماء ومشائخ کوشامل کرنے کی کوشش کرتا تھا، جب شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی تشریف لائے اوران کے علم وفضل کااس کواندازہ ہوا تو اس نے ان کو قاضی لشکر بنادیا، اور وہ لشکر کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ شریک جہاد رہتے تھے جب اسلامی لشکر نے پانی پت فتح کرلیاتو شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی نے پانی پت میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں وفات پائی، پانی پت میں زیر قلعہ مدفون ہیں، آپ کا مزار ایک چھوٹے سے احاطہ میں مشہور ہے۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیاء: مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی پندرہویں پشت میں حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء، بڑے جلیل القدر بزرگ تھے جو شاہ شرف الدین بوعلی قلندر کے ہم عصر تھے، حضرت مخدوم نے ان سے کئی بار بیعت کی درخواست کی مگر وہ ہر بار ٹال گئے، اور فرمایا کہ جب آپ کے شیخ ومرشد آجائیں تو ان سے بیعت کی درخواست کرلیں اور جب ان کی تشریف آوری ہوگی تو آپ کو مطلع کردیا جائے گا اور جب خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ پانی پت تشریف لائے تو شاہ بوعلی قلندر نے کبیر الاولیاء سے فرمایا کہ آپ کے مرشد آگئے اب ان سے بیعت ہوجائیں، چنانچہ وہ انھیں سے بیعت ہوئے اور انھیں سے سند خلافت حاصل فرمائی، ابتدائی طور پر شاہ بوعلی قلندر کبیر الاولیاء کو مقامات سلوک طے کراچکے تھے لیکن تعلیم خواجہ ترک کے ذریعہ ہوئی، آپ کے زہد وتقویٰ اور مقام بلند کو عوام وخواص نے پہچانا اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، اتقیاء واصفیاء کے تذکرے جو لکھے گئے ان میں آپ کا ذکر بڑی اہمیت کے ساتھ کیا گیا، ساری زندگی پانی پت ہی میں گذاری اور

مخلوق خدا کی اصلاح فرمائی، ۱۲ربیع الاول ۱۰۶۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور پانی پت میں مدفون ہوئے، پانی پت میں محلّہ مخدوم زادگان میں آپ کی اولاد سکونت پذیر رہی، آزادی کے بعد اس علاقہ میں جو تباہی آئی تو پورا پانی پت ہی نہیں کرنال وغیرہ کے لاکھوں مسلمان ترک سکونت پر مجبور ہو گئے اور اب وہ ویران ہے۔

حکیم بینا: مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی نویں پشت میں حکیم بینا کی شخصیت بہت مشہور ہوئی، آپ کا نام حکیم عبدالکریم تھا لیکن حکیم بینا کے نام سے مشہور ہوئے تھے اور بادشاہ اکبر کے خاص طبیب تھے، بادشاہ کے دربار سے آپ کو ''شیخ الزمن'' کا خطاب حاصل تھا آپ کا مستقل قیام پانی پت ہی میں تھا آپ کے دو صاحبزادے تھے حکیم محمد حسن اور حکیم عبدالرحیم، طبابت اس خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی تھی۔

شہنشاہ اکبر ایک بار کشمیر سے واپسی کے بعد لاہور میں قیام پذیر تھا چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی دیکھ رہا تھا کہ ایک ہرن اپنے حریف ہرن کو چھوڑ کر اکبر کی طرف لپکا اور اس نے اکبر کی ران میں اپنی سینگوں سے اتنی زور کی ٹکر ماری کہ اکبر لہولہان ہوگیا، شاہی اطباء علاج کرتے رہے مگر زخم مندمل نہیں ہوا اور نہ تکلیف کم ہوئی، ابولفضل نے مشورہ دیا کہ پانی پت سے حکیم بینا کو بلا کر ان سے علاج کرایا جائے، سرکاری اطلاع آنے پر حکیم بینا اپنے لڑکے حکیم حسن کو لے کر لاہور پہونچ گئے، دونوں حضرات نے پوری تندہی سے علاج شروع کیا، بہت جلد زخم اچھا ہوگیا اور کچھ ہی دنوں بعد اکبر کو صحت کامل حاصل ہوگئی۔ اکبر نے باپ بیٹے کی حذاقت فن اور علاج ومعالجہ میں مہارت سے خوش ہو کر انعام واکرام سے نوازا، اس موقعہ پر اکبر نے آپ کو ''شیخ الزمن'' کا خطاب دیا۔

عطیہ جاگیر: صحت کاملہ سے خوش ہو کر اکبر نے حکیم بینا کے بیٹے حکیم حسن کو جو علاج میں شریک تھے کیرانہ کا علاقہ جاگیر میں دیا، اکبر نے یہ فرمان ۹۱۵ھ میں لکھا تھا

، یہ فرمان مولانا کے خاندان میں محفوظ رہا، مولانا محمد سلیم صاحب نے اپنی ایک تحریر میں اس فرمان کو نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

''خوانین رفیع القدر، سلاطین وامرائے باوقار وصدور وزرائے کفایت شعار وعمال ممالک ہندوستان صانها الله من آفات الزمان چوں فضائل مآب کمالات ، اکتساب حکمت شعار ، مسیحا آثار ، شیخ حسن در ازالۂ امراض واعراض انسان بقدر الوسع والامکان بساط احسان واجب الامتنان بظہور رسانیده ومی رساند بنابر ان عنایات والتفات بے غایات شامل حال کافل آمال آں فضائل مآب گردانیده فرمان واجب الاتباع شرف نفاذ یافت کہ موازی پانصد بیگھہ زمین مزروع از موضع ڈرماکھیڑی وکھندراولی پرگنہ کیرانہ من اعمال میان دوآب حضرت دہلی بعوض مبلغ دو ہزار تنکہ داد یکہ از ان موضع بموجب فرمان عالی شان حضرت''' قلبہ زمین از سواد قصبہ پرگنہ مذکور متعلق بمشارٌ الیہ مفوض و بمتعلق بمشارٌ الیہ بوده باشد کہ واجبی آں را سال بہ سال کسو بحال افزودند ومعاش خود کند وازالہ امراض زمرۂ انام بغایت اہتمام بظہور رساند وداروغہا وعمال آں پرگنہ را می باید کہ زمین ہائے مذکور را بہ تصرف او گذارند واخراجات وکل تکالیف حبوبی مزاحمت نسازند ومضاعف ومسلم دانستہ بہ ہیچ وجہ پیرامون نہ گردند وہر سال بہ فرمان محتاج ندارند، تحریر ہذا فی شہر ذی قعدہ ۹۱۵ھ

(رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ)

حکیم حسن: حکیم حسن۔ کے والد حکیم عبدالکریم المعروف بہ حکیم بینا دربار اکبری میں شاہی طبیب تھے، اور خود حکیم حسن اس وقت ولی عہد جہانگیر کے طبیب خاص تھے، شاہزادہ جہانگیر نے ان کو ''مقرب خاں'' کا خطاب دیا تھا اور اکبر کے بعد جب

جہانگیر بادشاہ ہوا تو تخت نشینی کے بعد مقرب خاں الخاقان اور نائب السلطان کے خطابات سے نوازا اور پنج ہزاری منصب دیا، اب حکیم حسن مقرب خاں کے نام سے مشہور ہوئے ، جہانگیر نے اپنے دور حکومت میں مقرب خاں کو دکن کا گورنر مقرر کیا، ۱۶۱۸ء میں جب جہانگیر کا لڑکا شاہجہاں دکن کا حاکم بنایا گیا تو مقرب خاں کو بہار کا گورنر بنایا گیا، کچھ عرصہ بعد نواب مقرب خاں کو صوبہ دہلی وآگرہ کی حکومت پر سرفراز کیا گیا۔

مزید عطیہ جاگیر: مقرب خاں ہمیشہ قابل اعتماد اور شاہانہ نوازشوں سے بہرہ ور ہوتے رہے، اکبر نے دو موضع جاگیر میں دیئے، جہانگیر نے مختلف علاقوں کا حاکم بنایا اور جب شاہجہاں سریر آرائے سلطنت ہند ہوا تو نواب مقرب خاں کو مزید انعام واکرام کے ساتھ مضافات کیرانہ کے پرگنے جاگیر میں عطا کئے مزید نوازش یہ کی کہ مقرب خاں کے لڑکے حکیم رزق اللہ شاہجہاں کے شاہی طبیب اور ہشت صدی کے منصب دار ہوئے ، اور جب اورنگ زیب عالمگیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو حکیم رزق اللہ کو بادشاہ کی طرف سے ''خیانی'' کا خطاب مرحمت ہوا، حکیم رزق اللہ کا انتقال ۱۶۶۸ء میں ہوا۔

حکیم عبدالرحیم: حکیم حسن خاں ملقب بہ مقرب خاں کے دو بھائی اور تھے، دیوان عبدالرحیم اور دیوان عبدالحکیم یہ دونوں بھی الطاف شاہانہ سے سرفراز تھے، جب مقرب خاں دکن اور گجرات کے گورنر بن کر چلے گئے تو دیوان عبدالرحیم جہانگیر کے شاہی طبیب ہوئے ، دیوان عبدالرحیم کے بعد کی نسل میں بھی طب ہمیشہ امتیازی خصوصیت رہی، مولانا رحمت اللہ کے بڑے بھائی علی اکبر دیوان عبدالرحیم ہی کی اولاد میں سے تھے جن کے پوتے مولانا سعید تھے جن کو مولانا رحمت اللہ نے ہندوستان سے مکہ مکرمہ بلا کر اپنا قائم مقام بنایا تھا۔

پانی پت سے کیرانہ: جب ۹۱۵ھ میں شہنشاہ اکبر نے حکیم بینا کے صاحبزادے حکیم حسن ملقب بہ مقرب خاں کو کیرانہ اور مضافات کیرانہ جاگیر میں دیا تو جاگیر کے انظام کو سنبھالنے کیلئے ضروری تھا کہ پانی پت کی سکونت ترک کر کے کیرانہ میں سکونت اختیار کی جائے، چنانچہ جب کیرانہ میں مکانات و محلات تعمیر کرالئے گئے تو عثمانی شیوخ کا یہ خاندان پانی پت سے منتقل ہو کر کیرانہ میں مستقل طور پر آباد ہو گیا، مگر پانی پت سے تعلق کسی نہ کسی حد تک باقی رہا، نواب مقرب خاں کی قبر کیرانہ کے بجائے پانی پت ہی میں ہے، انھوں نے اپنے خاندانی بزرگوں کے جوار کو چھوڑنا پسند نہیں کیا۔

جب یہ خاندان کیرانہ آیا تو اس وقت وہ بہت ہی مختصر سی آبادی تھی، نواب مقرب خاں اور ان کے بھائی دیوان عبدالرحیم نے قدیم آبادی سے باہر اپنے محلات، کچہریاں اور متعلقین ریاست کے مکانات تعمیر کرائے، نواب مقرب خاں نے بہت بڑے رقبۂ زمین میں آموں کا ایک باغ لگوایا تھا، جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے عمدہ قسم کے آموں کے پودے منگوا کر لگائے وہیں دو سو گز لمبا اور دو سو گز چوڑا ایک حوض بنوایا جس میں جمنا کا پانی ایک سمت سے آتا اور دوسری سمت سے نکل جاتا تھا، حوض کے اندر بیس گز مربع میں ماہتابی بنوائی، بادشاہ جہانگیر اپنے سولہویں سال جلوس میں کیرانہ آیا تھا، اس کا تذکرہ اس نے تزک جہانگیری میں کیا ہے:

> ”مخلص و محبّ خاص، یار وفادار مقرب خاں متمنی تھا کہ میں اس کے یہاں آؤں، میں نے اس کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے قابل رشک بنادیا اور اس خیر خواہ قدیم کو بیش قیمت سامان، قیمتی جواہر، تین لاکھ روپے، ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا“

دوسری عمارات: نواب مقرب خاں نے یہاں ایک بہت شاندار بارہ دری بنوائی تھی جس میں سنگ یماق کے ستون لگوائے تھے، نواب مقرب خاں کے

باغ کے شرقی جانب سنگین عمارتوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا جو دربار کے نام سے مشہور تھا، یہیں فیل خانہ تھا اور ریاست کے دوسرے دفاتر تھے، باغ کی دوسری جانب رہائشی مکانات تھے جو ''نواب دروازہ'' کے نام سے مشہور تھا، انقلاب ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں شاہانہ جاہ وجلال کی یہ سرزمین ویران ہوگئی، انگریزی حکومت کے جذبۂ انتقام نے ان سب کا نام ونشان مٹادیا، مگر محلّہ دربار اور نواب دروازہ کا عالی شان پھاٹک اور نقار خانہ کے گرے پڑے کھنڈرات اپنے مکینوں کے مرثیہ خواں ہیں، نواب مقرب خاں کا مزار پانی پت میں ہے جو شاہ بوعلی قلندر کے احاطہ میں ہے، قبر کا تعویذ اصلی زہرمہرہ کے ایک ٹکڑے کا ہے، کہا جاتا ہے کہ زہرمہرہ کا یہ ٹکڑا ۲۷؍من کا ہے۔(۱)

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

☆☆☆☆☆☆☆☆

حاشیہ ص: ۴۲ کا

(۱) مولانا محمد حیات صاحب اپنے دور کے مشہور اور ممتاز علماء میں تھے، پنجاب کے رہنے والے تھے، دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اور سید صابر علی کی خانقاہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا، کچھ عرصہ بعد پنجاب چلے گئے اور شیخ سلیمان بن زکریا تو سوی سے بیعت ہوکر باطنی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے شیخ ومرشد سے اجازت لے کر دہلی واپس آگئے اور لال قلعہ سے تھوڑی دور پر ایک مسجد تھی اس میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا، اسی کو مدرسہ محمد حیات کہا جاتا تھا مشہور علماء کو مولانا محمد حیات سے شرف تلمذ حاصل ہے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی انھیں میں شامل ہیں، بہت ہی جید الاستعداد عالم تھے، ان کے درس وافادہ کو اس دور میں بڑی شہرت حاصل تھی، تازندگی اسی مبارک سلسلہ میں لگے رہے، ۷۰؍سال کی عمر میں ۱۲۶۳ھ میں انتقال کیا۔

(نزھۃ الخواطر، مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحی رائے بریلویؒ ج: ۷۔ ص: ۱۵۰، اسیر ادروی)

باب (۲)

ولادت، تعلیم وتربیت، درس وتدریس

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ولادت کیرانہ کے اسی محلہ دربار کلاں میں ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) میں ہوئی، آپ کے والد کا نام مولوی خلیل اللہ المعروف بہ مولوی خلیل الرحمٰن تھا، اسی رئیسانہ ماحول میں نشو ونما پائی، صدیوں سے چلی آرہی شان وشوکت اعزاز ووقار، عیش وراحت سب کچھ میسر تھا، ناز ونعم سے پرورش ہوئی، دینداری، مذہبی وابستگی اس خاندان کی ایک امتیازی خصوصیت تھی، گھر کا ماحول خالص دینی تھا، دینی علوم وفنون سے خاندان کا ہر فرد بہرہ ور تھا، اسلئے گھر کا ہر فرد دنیاوی شان وشوکت اور بے جا فخر غرور سے دور تھا اور ہر شخص دینی تعلیم سے آراستہ تھا، اسلئے مولانا کیرانوی کی تعلیم کا سلسلہ گھر ہی سے شروع ہوا اور بارہ تیرہ برس کی عمر میں قرآن پاک کے بعد فارسی اور دینیات کی کتابیں گھر کے بزرگوں ہی سے پڑھیں۔

مدرسہ حیات دہلی میں: مزید تعلیم کیلئے ترک وطن اور سفر ضروری تھا، اسلئے کیرانہ سے آپ کو دہلی بھیج دیا گیا اور مدرسہ محمد حیات میں داخلہ لیا اور ایک طالبعلم کی طرح مدرسہ میں ہی قیام کر کے تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی، آپ کا دہلی میں تعلیم کا سلسلہ جاری تھا اور مدرسہ محمد حیات (۱) کے ایک حجرہ میں قیام تھا کہ آپ کے والد مولوی خلیل الرحمٰن مہاراجہ ہندوراؤ کے میر منشی مقرر ہو کر دہلی میں رہنے لگے، اور ریاست کی طرف سے آپ کی رہائش کیلئے جو کوٹھی ملی ہوئی تھی وہ بہت شاندار اور وسیع

(۱) حاشیہ صفحہ گزشتہ پر ملاحظہ کریں

تھی مولوی خلیل الرحمٰن نے صاحبزادے کو اپنے پاس بلالیا، مولانا کیرانوی اب مدرسہ میں قیام کے بجائے اسی کوٹھی میں والد صاحب کے ساتھ رہنے لگے اور اوقات مدرسہ میں حاضر ہو کر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

دوسرے اساتذہ سے استفادہ: مدرسہ محمد حیات دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد چند رفقاء کے ہمراہ بغرض تعلیم لکھنؤ گئے، اس وقت مولانا مفتی سعد اللہ مرادآبادی (۱) کا فیضان علم جاری تھا، آپ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے متعدد کتابیں پڑھیں، مولانا کیرانوی کے اساتذہ کی فہرست میں سات اہل علم کے نام ملتے ہیں، لیکن کس استاذ سے کیا پڑھا؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی، علم وفن کی زیادہ تر کتابیں مولانا محمد حیات صاحب سے دہلی میں پڑھیں، اس کے علاوہ لکھنؤ میں مفتی سعد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضری دی ان سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر ہے، ان حضرات کے علاوہ مولانا احمد علی بدوٗلی ضلع مظفر نگر کا ہے جو بڑے جید عالم تھے اور دور دور تک ان کی شہرت تھی بعد میں درس وتدریس کا سلسلہ ختم کر دیا تھا کیونکہ وہ مہاراجہ پٹیالہ کے دربار میں وزیر ہو کر چلے گئے، مولانا کیرانوی نے ان سے تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ تیسرا نام مولانا عبدالرحمٰن چشتی کا ہے جو شاہ وقت کے استاذ تھے۔ تمام علوم وفنون

(۱) مفتی سعد اللہ مرادآبادی بن نظام الدین حنفی اپنے عہد کے مشہور علماء میں تھے، آپ ۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم مرادآباد، رام پور، نجیب آباد، دہلی اور لکھنؤ میں ہوئی، فراغت کے بعد لکھنؤ مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور ایک عرصہ تک تدریسی سلسلہ رہا پھر آپ تصنیف وتالیف کے شعبہ میں چلے گئے اور تاج اللغات کی بعض جلدیں مرتب کیں، پھر واجد علی شاہ کی طرف سے مفتی بنادیئے گئے، ۲۶/سال اسی منصب پر رہے، سفر حج کے بعد لکھنؤ واپس آئے اور منصب افتاء پر فائز رہے، جب واجد علی شاہ لکھنؤ سے کلکتہ بھیج دیئے گئے تو نواب یوسف نے آپ کو رام پور بلالیا وہیں تازندگی رہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، رمضان ۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

(نزھۃ الخواطر، مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحی رائے بریلویؒ ج:۷۔ ص:۱۹۸، ۱۹۹، اسیر ادروی)

میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان سے استفادہ کے زمانہ میں مولانا کیرانوی کے ساتھیوں میں مولانا عبدالرحمٰن پنجابی اور مولانا سید محمد علی تھے جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحب فیض بزرگ تھے، مولانا شاہ عبدالرحمٰن چشتی مولانا محمد حیات کے تلامذہ میں سے تھے استاذ شاگرد دونوں کا مزار بستی نظام الدین دہلی میں ہے، آپ کے اساتذہ کی فہرست میں دہلی کے مشہور شاعر اور عالم مولوی امام بخش صہبائی (۱) کا بھی نام ہے، ان کی فارسی دانی اور شاعرانہ صلاحیت مسلم ہے اور زندگی بھر درس وتدریس سے وابستہ رہے، مولانا کیرانوی نے ان سے کون سی کتابیں پڑھیں؟ یہ پردۂ خفا میں ہے، اسلامی علوم وفنون کے اساتذہ میں انھیں حضرات کے نام ملتے ہیں جن میں زیادہ تر دہلی کے ہیں۔

مولانا کیرانوی کے گھرانے میں طب کی تعلیم دسیوں پشتوں سے مسلسل چلی آرہی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے آپ نے طب کی بھی مکمل تعلیم حاصل کی، اس فن میں آپ کے استاذ حکیم فیض محمد تھے جو اپنے وقت کے مشہور باکمال طبیب تھے، ایک غیر مسلم استاذ سے آپ نے ریاضی کی بھی تعلیم حاصل کی۔

---

(۱) مولوی امام صہبائی العمری الدہلوی دہلی کے مشہور شعراء میں سے تھے، علم وفن میں بہت بلند رتبہ تھے خصوصیت کے ساتھ لغت، معانی، بیان اور بدیع میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا، علمی استعداد بہت پختہ تھی لیکن شاعری ان کی شخصیت پر چھا گئی، یہی وہ زمانہ تھا جب غالب ومومن اور ذوق کی شاعری سے دہلی گونج رہی تھی، دہلی کے علمی ماحول میں سب سے دلچسپ مشغلہ شعر وشاعری کا تھا، مولانا صہبائی اسی علمی مجلس کے رکن رکین تھے، دہلی کے ایک مدرسہ میں منصب تدریس پر فائز تھے اور زندگی کے اخیر لمحہ تک اس سے وابستہ رہے، ان کی قلمی یادگاروں میں سحر البلاغۃ، فارسی غزلیات کا دیوان، اور انشاء کے کچھ رسائل ہیں بعض درسی کتابوں کی شرحین بھی لکھی ہیں، غدر ۱۸۵۷ء میں اپنے گھر میں چھپے ہوئے تھے، انگریزی فوج نے بغاوت پر قابو پانے کے بعد مولانا صہبائی اور ان کے لڑکے اور ان کے محلہ کے بعض معزز لوگوں گرفتار کیا اور جمنا کے کنارے ریت پر کھڑا کر کے گولی ماردی۔

(نزھۃ الخواطر، مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحی رائے بریلویؒ ج: ۷۔ ص: ۲۳۰، اسیر ادروی)

تعلیم سے فراغت کے بعد: تعلیم سے فراغت کے بعد ۲۳ رسال کی عمر میں ۱۲۵۶ھ میں خالہ کی لڑکی سے آپ کی شادی ہوگئی، آپ کے والد مولوی خلیل الرحمٰن چونکہ مہاراجہ ہندوراؤ دہلی کی ریاست میں میر منشی تھے، جب مولانا کیرانوی فارغ ہوگئے تو مہاراجہ نے صاحبزادے کو بھی اپنے یہاں بلالیا، مولوی خلیل الرحمٰن کو سرکاری املاک وجائداد کی دیکھ بھال سپرد کی اور مولانا کیرانوی کو ان کے والد کی جگہ اپنا میر منشی بنایا، مولانا کیرانوی نے باضابطہ مہاراجہ ہندوراؤ کے یہاں ذمہ داریوں کو سنبھال لیا، کچھ ہی عرصہ بعد مولوی خلیل الرحمٰن کا انتقال ہوگیا تو مولانا کیرانوی کیلئے اب کیرانہ میں سکونت ضروری ہوگئی، اسلئے آپ نے مہاراجہ سے کہہ کر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل کو اپنی جگہ مقرر کراکے علیٰحدگی اختیار کرلی اور آپ دہلی سے کیرانہ چلے آئے۔

درس وتدریس: آپ دہلی سے کیرانہ چلے آئے اور اپنے محلہ کی مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا یہ کوئی باضابطہ مدرسہ نہیں تھا بلکہ اس دور میں عام طور پر علماء حسبۃً للہ رضا کارانہ طور پر اپنے گھروں پر طلبہ کو تعلیم دیتے تھے طلبہ اپنے قیام وطعام کا خود بندوبست کرلیتے تھے اور اساتذہ سے اپنی پسندیدہ کتابیں پڑھتے تھے، مرکزی شہروں میں عام طور پر یہی طریقہ رائج تھا، موجودہ دور کے مدارس کا رواج نہیں تھا، مولانا کیرانوی نے بھی جب تدریسی سلسلہ شروع کیا تو طلبہ کی ایک مختصر سی تعداد آپ کے پاس جمع ہوگئی، کچھ قرب وجوار کے اضلاع کے تھے اور بعض دور دراز علاقے کے بھی آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کیلئے آئے، آپ نے درس کا آغاز کردیا۔

آپ کی تدریسی زندگی بہت مختصر رہی پھر بہت سے طلبہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جو بعد کے دور میں مشہور علماء میں شمار کئے گئے، تدریسی زندگی میں انہماک

اس واسطے نہیں بڑھا کہ وقت کا یک بہت بڑا اور اہم فریضہ آپ کے دل و دماغ پر چھا گیا جس نے آپ سے رات کی نیندیں چھین لی تھیں آپ شب و روز ذہنی وفکری کرب میں مبتلا رہے، آپ نے دہلی میں رہ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں کی مغلوبیت اور ان کے وقار کو مجروح ہوتے ہوئے بچشم خود دیکھا تھا، پورے شہر دہلی پر کمپنی کی حکمرانی عملاً قائم ہو چکی تھی اور حکومت کے بل بوتے پر عیسائیت کو فروغ دینے کی جدوجہد جاری تھی اس کے مقابلہ میں اپنے کو پست ہمت کمزور محسوس کر رہے تھے، ان کی اپنی بے بسی اور بے دست و پائی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا، مسلمانوں کی حکومت اور صدیوں کا اقتدار تباہی کے آخری مرحلے سے گزر رہا تھا اسلامی وقار نزع کے عالم میں کراہ رہا تھا، یہ کربناک مناظر مولانا کیرانوی کے دل کا ناسور بن چکا تھا، اسلئے تعلیم وتدریس کے ساتھ ردعیسائیت کے لئے بعض کتابوں کی ترتیب میں بھی مصروف تھے، اسی ذہنی الجھنوں کے نتیجہ میں سخت بیمار ہو گئے۔

خواب میں بشارت: اسلام کی مغلوبیت کے شدید احساس نے آپ کو مجبور کر دیا کہ عیسائیت کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی جدوجہد کا آغاز کریں جس کا سرچشمہ لندن ہے، آپ نے اپنے تدریسی دور میں ردعیسائیت میں ''ازالۃ الاوہام'' کے نام سے ایک کتاب کی ترتیب شروع کر دی لیکن ابھی کتاب کا کچھ ہی حصہ مرتب ہوا تھا کہ آپ کی صحت پر مرض کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے، مرض اتنا بڑھ گیا کہ پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا، ناتوانی حد سے فزوں ہو گئی کہ بیٹھ کر بھی نماز نہیں ادا کر سکتے تھے بلکہ لیٹے لیٹے اشاروں سے نماز پڑھتے تھے، تمام تیمار دار اور اہل خانہ ایک دم ناامید ہو گئے کیونکہ ساری تدابیر ناکام ہو چکی تھیں علاج کی ہر کوشش دم توڑ چکی تھی اب کوئی معجزہ ہی منہ پھیر کر جاتی ہوئی زندگی کو واپس لا سکتا ہے، مایوسیوں کا گھنا اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا کہ سچ مچ ایک

معجزہ کا ظہور ہو گیا، ایک دن نماز فجر کے بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور قطرات اشک بستر پر گرنے لگے، تیمار داروں نے سمجھا کہ یہ زندگی سے مایوسی کی وجہ سے ہے، ہر ایک تسلی و تشفی دینے لگا کہ، آپ نے ان لوگوں کے جواب میں کہا کہ حالات تو کہتے ہیں کہ صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن بخدا میں اچھا ہو جاؤں گا اور میری صحت لوٹ آئے گی، میرے مرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ابھی خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا ہے، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے جوان صالح! تجھے رسول اللہ ﷺ کی خوشخبری ہے کہ اگر کتاب ''ازالۃ الاوہام'' تیرے مرض کا سبب ہے تو یہی کتاب تیرے لئے باعث شفا ہوگی۔

مولانا کیرانوی نے تیمار داروں سے کہا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج وملال نہیں، یہ خوشخبری سن کر فرط مسرت سے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے، ہوا بھی ایسا ہی، اس خواب کے بعد حیرتناک طور پر بہت جلد آپ کو شفا حاصل ہوگئی اور پہلے سے زیادہ صحت مند ہو گئے اور پھر آپ نے اپنی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' مکمل کی۔(۱)

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

باب (۴)

اسلامی ہند پر عیسائیت کی یلغار

مولانا کیرانوی جب تعلیم سے فارغ ہوئے اس وقت تک انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی عملی طور پر پورے ہندوستان پر قابض ہو چکی تھی اگرچہ برائے نام بنگال، لکھنؤ مرہٹواڑہ، حیدرآباد وغیرہ میں نوابیاں قائم تھیں لیکن ہر ایک کی نکیل ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں میں تھی، ہر ریاست میں ریزیڈنٹ ایک انگریز مع عملہ کے مقرر ہوتا تھا، اس کی مرضی کے بغیر نواب صاحب، راجے مہاراجے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے، مرکز میں حکومت دہلی کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں تھا، بادشاہ لال قلعہ کی چہار دیواری میں قید تھا، کمپنی نے بادشاہ کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا سرکاری آمدنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور بادشاہ سلامت کی لگام ہاتھ میں رکھنے کیلئے ایک انگریز ریزیڈنٹ لال قلعہ میں رہتا تھا، بادشاہ براہ راست کوئی حکم نافذ نہیں کر سکتا تھا جبتک انگریز ریزیڈنٹ اس کی اجازت نہ دیدے، اس طرح پورے ملک پر کمپنی کی حکومت تھی اب ایسٹ انڈیا کمپنی سوداگروں کی صرف ایک تنظیم نہیں رہی بلکہ وہ ہندوستان کی قسمت کی مالک بن چکی تھی۔

حکومت کو استحکام کیسے حاصل ہو :ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی حکمت عملی سے ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک پر قابض تو ہو گئی اب اس کے سامنے یہ سوال تھا کہ اس کی حکومت و اقتدار کو کیسے استحکام حاصل ہو؟ ہندوستان میں انگریزوں کی تعداد

محدود تھی، ٹامیوں کی فوج بھی بہت بڑی نہیں تھی، مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ فوج پر اعتبار کیئے بغیر ملک کے نظم ونسق پر قابو نہیں پایا جا سکتا، اور ہندوستانیوں کی فوج پر مکمل اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں، کسی بھی وقت انگریز غیر ملکیوں کو اس سرزمین سے نکالنے کیلئے بغاوت ہوسکتی ہے، اسلئے کمپنی اس متوقع خطرے کا سدباب ضروری سمجھتی تھی۔

لندن پارلیمنٹ سے درخواست: ایسٹ انڈیا کے ڈائرکٹروں کی کونسل نے اس مسئلہ پر انتہائی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس ملک میں عیسائیت کی بھرپور اشاعت کی جائے اور یہاں کی ایک بڑی تعداد کو ترغیب وترہیب، عہدوں اور منصبوں کا لالچ دے کر، یا بزور شمشیر اگر عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کردیا گیا تو ان کے دلوں سے برطانوی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ مرجائے گا، حاکم ومحکوم کے ہم مذہب ہوجانے کی وجہ سے حکومت کو جو استحکام حاصل ہوگا وہ کسی دوسری صورت سے ممکن نہیں، یہ فیصلہ کر کے لندن پارلیمنٹ سے درخواست کی گئی کہ اس ملک میں حکومت کو مستحکم بنانے کیلئے یہاں عیسائیت کی تبلیغ ضروری ہے اس لئے جو حکام یہاں بھیجے جائیں ان کا مشنری ذہن ومزاج ہونا ضروری ہے، دوسری بات یہ کہ اس پسماندہ اور ناخواندہ ملک میں عیسائیت کے فروغ کے سلسلہ میں ہماری ہر طرح کی مدد کی جائے، اگر بالفرض طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آجائے تو انگلینڈ کی حکومت کا پورا تعاون ہم کو حاصل ہو، چونکہ ہندوستان پر تو براہ راست ایسٹ انڈیا کمپنی قابض وحاکم تھی اور پورا نظام حکومت کمپنی کے ڈائرکٹروں کے احکام کے مطابق قائم تھا لیکن یہ کمپنی برطانوی حکومت کی منظور کردہ تھی اس لئے انھیں حدود میں رہنے کی پابند تھی جو انگریزی حکموت کی پالیسی ہو۔

تجویز عملی صورت میں: انگلینڈ کی حکومت نے کمپنی کی تجویز منظور کرلی

اور عملی طور پر کاروائی کا آغاز بھی کر دیا گیا، کمپنی کے پاس اتنے افراد اور اس صلاحیت کے نہیں تھے کہ پورے ملک کے عوام کو کمپنی کے منشاء کے مطابق چلا سکیں، اسلئے لندن سے تربیت یافتہ افراد کھیپ کی کھیپ ہندوستان بھیجے گئے، جو تعلیم یافتہ بھی تھے اور مشنری ذہن و مزاج کے بھی۔

کمپنی نے پورے ہندوستان میں حکومت کے سارے عہدوں پر صرف انگریز کو رکھا صرف درجہ چہارم کی ملازمت ہندوستانی باشندوں کو دی گئی، ہر ضلع میں کلکٹر صرف انگریز ہو سکتا تھا کسی ہندوستانی کو اس عہدے پر رکھنا خلاف مصلحت اور پالیسی کے خلاف تھا، سب سے بڑا عہدہ جو ہندوستانیوں کو دیا جا سکتا تھا وہ ڈپٹی کلکٹر کا تھا جو درحقیقت انگریز کلکٹر کا غلام ہوتا تھا اور صرف جی حضوری میں لگا رہتا تھا اس کے چشم وابرو کے اشارے پر وہ کام کرتا تھا، اس کی ہمت نہیں تھی انگریز صاحب بہادر سے استصواب کئے بغیر کوئی کام کر سکے، ہندوستان کی مشہور ترین شخصیت سر سید احمد خاں جن کو ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے ”فرزند ارجمند“ کا خطاب حاصل تھا انگریزوں کی نگاہ میں ان کی بھی یہی حیثیت تھی جو عام ہندوستانیوں کی تھی وہ بھی ڈپٹی کلکٹر ہی رکھے گئے، یہی ان کی معراج کمال تھی، وہ رات رات بھر پستول لگائے کلکٹر کے بنگلہ کا پہرہ دیا کرتے تھے (۱) حالانکہ حکومت کی وفاداری میں ان کی ذات ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھی لیکن غلامانہ وفاداری افسران بالا میں اعتماد تو پیدا کر سکتی تھی لیکن انگریزی حکومت کی پالیسی نہیں بدل سکتی تھی، اسلئے وہ اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور ایک دن کیلئے وہ کلکٹر کے عہدے پر فائز نہیں ہوئے۔

ہر ضلع میں اسی پالیسی پر سختی سے عمل کیا گیا، یہی پالیسی فوج کے سلسلہ میں تھی، پوری فوج میں جو لاکھوں کی تعداد میں تھی کرنل، جنرل، بریگیڈیر اور ہر کمپنی کا افسر اعلیٰ

---

(۱) حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی، ص:۷۶

انگریز ہی ہوتا تھا کسی ہندوستانی کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا گیا وہ صرف رنگروٹ بن کر رہے اور انگریز افسران ان پر حکومت کرتے رہے، صوبے کا حاکم اعلیٰ اور گورنر تو اس کا انگریز ہونا شرط اول تھی ہی، اس انگریز کا مشنری ذہن مزاج کا بھی ہونا ضروری تھا اور عملی طور پر عیسائیت کی نشو ونما اور تبلیغ واشاعت میں حصہ لینا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا، اس کی مثال میں صوبہ اتر پردیش کے گورنر سر ولیم میور کا نام لیا جا سکتا ہے جنھوں نے صوبہ کی گورنری کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ رنگ کی کئی کتابیں لکھیں اور شائع کیں، ان کے علاوہ انتظامیہ اور عدلیہ کے اہم عہدوں پر بھی انگریز ہی تھے جو مشنری ذہن ومزاج کے تھے اگر خود عملاً تبلیغ عیسائیت میں حصہ نہیں لیتے تھے تو بھی ان کی ذمہ داری تھی کہ ہر اتوار کو کسی پادری کو بلا کر اپنی کوٹھی پر عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں وعظ کا بندوبست کریں اور اپنے ماتحت تمام ملازمین کو پابند کریں کہ وہ پادری کے وعظ میں ہر حال میں شریک ہوں۔

مشنری حکام کی تعلیم وتربیت: ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں حکام کی ضرورت تھی جو حکومت کی پالیسی کے مطابق نظام حکومت کے دروبست پر حاوی ہوں اور یہ کام محض کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ڈگریوں سے چلنے والا نہیں تھا، ہندوستان کے ماحول اور فضا کو مدنظر رکھ کر ایسے ہی لوگوں کی اس ملک کے عہدوں پر تقرری کی جا سکتی تھی جو مطلوبہ صلاحیت پیدا کر لیں، انگلینڈ کی حکومت نے خاص اس مقصد کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جس کو ''متحدہ مذہبی مجلس'' کا نام دیا گیا، اس کا محل وقوع، اس کے اساتذہ، اس کے طلبہ، تعلیم وتربیت کا نظام عام کالجوں اور اسکولوں کے بالکل جداگانہ رکھا گیا۔

چونکہ ہندوستان میں حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینی گئی تھی ان میں اشتعال زیادہ تھا وہی انگریزی حکومت کے سب سے بڑے دشمن تھے، اس لئے ان

کے مذہبی عقائدان کی تعلیم ، ذہن ومزاج کو پیش نظر رکھ کراس ادارہ کا نصاب مقرر کیا گیا، اسلامی علوم وفنون کی کتابیں نصاب میں شامل کی گئیں اور اساتذہ وہ انگریز مقرر کئے گئے جن کے پاس ماہر علوم اسلامیہ کی سند ہو، ان تیاریوں کے بعد اس ادارہ نے کام شروع کیا اور برسوں تک تعلیم وتربیت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں انگریزوں نے اس ادارہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی، یہی وہ افراد تھے جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کے دست وبازو بنے اور جب پورے ملک پر یہ تربیت یافتہ انگریز مسلط کردیئے گئے تو تبلیغ عیسائیت کی مہم پوری قوت سے چلادی گئی، پادریوں کا عیسائی مشن مستقل طور پر تبلیغ عیسائیت میں اپنے لمبے چوڑے بجٹ کے ساتھ مصروف عمل تھا وہ حشرات الارض کی طرح پورے ملک میں پھیل گئے۔

تبلیغ عیسائیت کا عہد شباب: ۱۸۵۰ء میں پورے ہندوستان کو عیسائی بنانے کی سرگرمیوں کا عہد شباب تھا، موسم کی پہلی بارش میں ہر شخص کا پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بارش سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرے اور یہی کرتا ہے مگر تبلیغ عیسائیت تو بارش نہیں بلکہ سیلاب کی شکل اختیار کرگئی تھی، ہر علاقہ اس کی زد میں تھا ہر آبادی اس کی اس کی تندوتیز روانی سے لرزہ براندام، ہر محفل میں اسی مہم کا ذکر، ہر مجلس میں اسی کا تذکرہ، جیسے پورے ملک میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے اور کوئی دوسرا مسئلہ نہیں بالخصوص مسلمان اس ناگہانی حادثہ سے آتش زیرپا تھا، اس کے دل ودماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے، اس کی قومی وملی غیرت سربہ گریباں تھی، ہر غیرت مند مسلمان اس سے نجات کی راہیں تلاش کرنے میں حیران وپریشان کہ صدیوں کا جاہ وجلال، حکومت واقتدار کی تباہی وبربادی کے بعد اب ایمان پر بن آئی ہے، یہ صدمہ اس کیلئے ناقابل برداشت تھا، مگر اس سے نبرد آزمائی کیلئے جس قوت ایمانی اور ہمت مردانہ کی ضرورت تھی وہ کہیں نظر نہیں آتی تھی، اس دور کی سرگرمیوں کا اندازہ مشہور فرانسیسی مستشرق

گارسان دی تاسی کے ان سالانہ لکچروں سے ہوتا ہے جو وہ ہر سال پیرس یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے دیتا تھا، اس نے اپنے لیکچروں مین انگریزی حکومت کی مستند رپورٹوں سے کام لیا ہے اس میں نہ کہیں لفاظی ہے نہ مبالغہ آرائی، حکومت کے افسران ہندوستان سے جو اطلاعات اس کو فراہم کرتے تھے اس کی روشنی میں وہ اپنا لیکچر مرتب کرتا تھا، اس لئے اس کا ہر بیان ہندوستان میں عیسائیت کی فروغ کی مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

''بالعموم ہندوستانیوں میں جو لوگ عیسائیت قبول کرتے ہیں وہ جاہل طبقہ کے لوگ نہیں ہوتے، لکھے پڑھے لوگ عیسائی ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں بعض راہبانہ سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں، مدراس کے بشپ نے پچھلی مرتبہ مذہبی نگرانی کے دورے میں پانچ ہزار دو سو باون (۵۲۵۲) دیسی لوگوں کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی تصدیق کی، انھیں دیسی لوگوں میں سے نو کو پادری مقرر کیا گیا اور گیارہ کو ڈیکن (مددگار) بنایا گیا۔

آگرہ کے کلیسا میں ہر اتوار کو دو مرتبہ ہندوستانی زبان میں عبادت کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں، پچھلے سال اسی گرجا میں آٹھ آدمیوں نے مسیحی مذہب قبول کیا، اضلاع میں بھی گرجے قائم ہو گئے ہیں جہاں عیسائی لوگ عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں، بہر حال عیسائی مبلغوں کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ابھی حال میں ہاتھرس میں بعض مبلغین کی مار پیٹ کی گئی، اور ان پر پتھر پھینکے گئے، مسیحی مبلغین کو نسبتاً نیم وحشی اقوام میں بھی کامیابی ہو رہی ہے جو انگریزوں کے زیر حکومت اس وسیع سر زمین کے تحت بعض گوشوں میں زندگی بسر کر رہی ہیں، چنانچہ بنگال کی مغربی سرحد اور ناگپور کے جنوب کے علاقے کے درمیان ایک جرمن مشنری نے حال میں چودہ ہزار (۱۴۰۰۰)

نفوس کو مسیحی حلقہ میں داخل کیا۔ (خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۱۴۸، ۱۴۹)

موسیو گارسان دی تاسی پروفیسر پیرس یونیورسٹی اپنے ایک دوسرے لیکچر میں ترقی پذیر عیسائیت پر اظہار خوشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس سچے مذہب مسیحیت کی ترقی اس قدر تیزی سے نہیں ہو رہی ہے جیسی کہ ہونی چاہئے تھی لیکن یہ ضرور ہے کہ اس ضمن میں جو کچھ کام کیا جا رہا ہے وہ نہایت ٹھوس ہے سالانہ رسالہ ''تبلیغ واشاعت'' میں ہندوستان کے کل کیتھولک عیسائیوں کی تعداد آٹھ لاکھ بتائی گئی ہے، ان میں بھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار سیلون میں جیسا کہ وہاں کے نمائندے پوپ نے واضح کیا ہے، آج اس وقت ہمارے زمانہ میں پُر جوش مبلغین عیسائیت ہندوستان میں جوش اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں قدیم کفر وشرک کے ماننے والوں اور جدید فطرت پرستی کے علمبرداروں کے مقابلہ میں مبلغین کو ہر جگہ کامیابی مل رہی ہے، مسٹر آر کلاک نے اپنے خط میں شہر امرتسر کے چرچ مشن کے متعلق مجھے بعض اطلاعات بہم پہونچائی ہیں اسکانستان کے آزاد کلیسا کی شاخ جو خود ناگپور میں قائم کی گئی ہے، مسیحی تہذیب وتبلیغ کا کام کمال خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے، لاہور کا امریکی مشن بھی خوب پھل پھول رہا ہے، شہر سیہور میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کے حدود حکومت میں ہے تقریباً چالیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک کلیسا تعمیر کیا گیا ہے، اس رقم کا بیشتر حصہ خود بیگم بھوپال اور ہلکر والی اندور نے اپنے پاس سے دیا ہے، دیسی اُمراء نے بھی چندے سے اس کام میں حصہ لیا ہے، اس سال بعض ممتاز مسلمان مسیحیت کے حلقہ میں داخل ہوئے ہیں، چنانچہ دہلی کے شاہی خاندان کے کئی شہزادوں کے بپتسمہ کی رسم ابھی حال میں منائی گئی ہے،

''اخبار عالم'' میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ مسیحی مبلغین اور مسلمان مولویوں نے ایک موقعہ پر باہم یہ طے کیا کہ وہ آپس میں پُرسکون طور پر مباحثہ کریں گے اگر مبلغین مسیحیت کے دلائل تسلی بخش ثابت ہوئے تو مولوی ان کا مذہب قبول کرلیں گے ورنہ وہ اسلام کے حلقہ میں اپنے تئیں شامل کرلیں گے، مجھے اس کا علم نہیں کہ اس مباحثہ کا کیا انجام ہوا، لیکن بہرنوع مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ مسلمان کبھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مباحثہ میں ہار گئے پچھلے سال عماد الدین کے عیسائیت قبول کرنے اور اس کی تصنیف کے متعلق میں ذکر کرچکا ہوں جس میں اس نے اسلام کی تردید کی ہے اس کتاب کا نام ''تحقیق الایمان'' ہے، مجھے اس کتاب کا ایک نسخہ ملا ہے۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص:۲۰۱، ۲۰۲)

موسیو گارسان دی تاسی نے اپنے ایک لیکچر میں مسلمانوں کے مسیحا سر سید احمد خاں کی بھرپور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی تصنیف بڑی کارآمد ہے، عیسائیت کی تبلیغ میں وہ بھی معاون ہے، وہ کہتا ہے:

''اردو کی اور بعض دوسری کتابیں جنھیں ہم خالص مسیحی تو نہیں کہہ سکتے لیکن نیم مسیحی ضرور کہہ سکتے ہیں، ان میں وہ کتاب شامل ہے جو ایک مسلمان عالم نے بائبل کی تفسیر پر لکھی ہے، یہ کتاب اپنے رنگ میں اجتہادی رنگ رکھتی ہے اور فاضلانہ بھی ہے، میری مراد سید احمد خاں کی تفسیر بائبل ہے۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص:۲۰۲)

جب کوئی مسلمان عیسائیت قبول کرتا ہے تو گارسان دی تاسی کا لب ولہجہ بڑا مسرت آمیز ہوجاتا ہے اور مزہ لے لے کر اس کو بیان کرتا ہے، اس کی دلی خوشی کا اظہار اس کے لفظ لفظ سے ہوتا ہے، وہ اپنے ایک دوسرے لیکچر میں کہتا ہے:

''باوجود مسیحی کلیساؤں کے اختلاف کے کوئی نہ کوئی مشہور ہندوستانی مسیحی مذہب قبول کرتا ہی رہتا ہے، بعض ایسے مسلمانوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے جو اپنی تعلیمی یا معاشرتی حیثیت سے ملک میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ کریم الدین جو ہندوستانی زبان کے مشہور انشاء پردازوں میں ہیں اور ان کے بھائی مولوی عماد الدین جو خود فاضل آدمی ہیں لیکن ان کو شہرت حاصل نہیں، یورپین لوگوں کے میل جول سے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ مسیحی مذہب سچا اور اسلام باطل ہے، ان میں مولوی عماد الدین کا باقاعدہ بپتسمہ ہو چکا ہے اور مولوی کریم الدین بھی غالباً عنقریب مسیحی مذہب میں شامل ہو جائیں گے، بہر حال اب دونوں مل کر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں اسلام پر اعتراضات ہوں گے،'' (خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۱۲۴، ۱۲۵)

مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا جذبہ تمام مسیحی مبلغین میں یکساں جوش پر تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دوسروں کے مقابلہ میں ضرور کم ہے پھر بھی وہ اسلام کے بجائے عیسائیت قبول کر لیتے ہیں تو پھر پورے ملک کو بڑی آسانی سے عیسائیت کے جال میں کسا جا سکتا ہے، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

''ہندوستان کے مسلمانوں میں مسیحی مبلغین کو زیادہ کامیابی ابھی نہیں حاصل ہوئی لیکن بعض مسلمانوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے، چنانچہ ناگپور کے ایک تعلیم یافتہ اور ممتاز مسلمان جو جبل پور کے ناظر مدارس ہیں جن کا نام مولوی صفدر علی ناگپوری ہے، ابھی حال میں مسیحی مذہب قبول کیا ہے، موصوف نے مسیحی کتابوں کو پڑھ کر اور اس کی صداقت کا قائل ہو کر خود بخود مذہب تبدیل کر لیا، ان کے اثر سے ایک اور مسلمان عیسائی ہو گیا جو ان کے ماتحت اسکول میں مدرس تھا، ہندوستان کے

مختلف صوبوں میں اس وقت ۵۱۵ مبلغین مسیحیت کام کرر ہے ہیں ان میں اینگلیکن اور دوسرے غیر کیتھولک شامل ہیں، ہمارے خیال میں کیتھولک مبلغین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی اس لئے کہ اس وقت ہندوستان میں دس لاکھ کیتھولک موجود ہیں، (خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم، ص: ۵۹، ۶۰)

صورت حال کتنی خطرناک تھی؟: ان تفصیلات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کتنے منصوبہ بند طریقے سے تبلیغ عیسائیت کا کام ہو رہا تھا، پورے ملک کی صورتحال اس وقت ایسی تھی جیسے کوئی ٹڈی دل بوئے ہوئے کھیتوں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور آناً فاناً چٹ کر جاتا ہے، پادریوں کی یہ فوج ہندوستان سے اسلام کو ملک بدر کرنے پر جوش و جذبہ سے بھری ہوئی حملہ آور تھی، پادریوں کی سرگرمیاں ہر طرف شباب پر تھیں، یہ ساری معلومات جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں وہ سرکاری رپورٹوں، تبلیغ عیسائیت کی مہم میں لگے ہوئے پادریوں کے بیانات، خطوط، کارگذاری رپورٹوں کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں، جیسے اس وقت انگریزی حکومت کے سامنے اتنے بڑے ملک کے نظم ونسق کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا کیوں کہ اس پر ان کا پورا کنٹرول تھا کہیں سے بھی بغاوت، سرکشی، سرتابی کا کوئی معمولی واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا تھا جب کہ عیسائیت کے جبر کے سلسلہ میں اس کا بہت بڑا امکان تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورا ہندوستان اس طرح سہا ہوا تھا جیسے جلاد کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر گردن زدنی ملزم لرزہ براندام کھڑا رہتا ہے، جبکہ مسلمان قوم وہ تھی کہ اپنے مذہب کے خلاف ایک لفظ سن کر، شان رسالت مآب ﷺ میں ادنیٰ گستاخی دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو رکھنا اس کیلئے ناممکن تھا، آج اسی خوددار اور غیرتمند قوم کے لوگ سرکاری نوکری کی وجہ سے اپنے افسران کے بنگلے پر جا کر بدزبان و بدلگام پادریوں سے وعظ سنتے ہیں اور ان کے بدن پر جوں نہیں رینگتی، ہر ہندوستانی ملازم گردن جھکا کر ان پادریوں کا جوش

وجذبہ سے بھرا ہوا وعظ اور اسلام اور سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس پر الزامات واتہامات کو سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے یہ ایمان کی جاں کنی کا وقت تھا، ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا کیوں کہ اس کے اندر یہ جرأت ہی نہیں رہ گئی تھی، آپ سوچئے کہ اس صورت حال میں پادریوں کو اپنی طاقت وقوت کا کتنا مغرورانہ احساس رہا ہوگا اور ان کے جوش وخروش میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا رہا ہوگا، میری پیش کردہ تفصیلات سے آپ نے اس کا اندازہ کرلیا ہوگا۔ البتہ جن کے دلوں میں ایمان مستحکم تھا یا جو لوگ اسلام اور ایمان کی حفاظت کیلئے جذبات سے کھول رہے تھے ان کے درد وکرب کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ کمزور ایمان کے لوگ تو اس فضا میں اسلام کو برحق مانتے ہوئے بھی عیسائیت کو قبول کر لینے ہی کو تقاضائے وقت اور مصلحت وقت تصور کرنے لگے تھے جیسا کہ خود مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تجربات ومشاہدات سے اندازہ ہوتا ہے۔

ہم نے جنگ جیت لی: عیسائی پادریوں کی فوج نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے اسلام کا مورچہ فتح کرلیا، اب دہلی کی سب سے عظیم اور بلند وبالا عمارت پر فتح کا پرچم لہرادیا جائے، کمپنی کی حکومت نے یقین کرلیا کہ جس طرح ہم نے ہندوستان پر مکمل فتح حاصل کرلی ہے اسی طرح ہندوستانیوں کے دل ودماغ پر بھی فتح حاصل کرلی ہے، اب نہ کوئی دماغ ہمارے اقتدار کے خلاف کوئی اسکیم سوچ سکتا ہے نہ ہمارے خلاف کوئی دل بغاوت وسرکشی کا تصور کرسکتا ہے، اب ہماری راہ کی ہر رکاوٹ دور ہوچکی ہے، اب کسی فرد میں یہ جرأت وہمت نہیں کہ ہمارے منصوبہ اور پروگرام میں خلل انداز ہوسکے ، کمپنی کی حکومت اپنے اسی خیال کو عملی شکل میں دیکھنا چاہتی تھی اور تجربہ کر کے جاننا چاہتی تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں میں اسلامی غیرت وحمیت مرچکی ہے یا ابھی اس میں کچھ دم باقی ہے، اسی تجربے کیلئے پادریوں کے مشوروں اور تقاضوں پر فیصلہ کیا کہ جس

طرح صلیب پرستوں نے اندلس میں وہاں کی سب سے شاندار اور عظیم ترین مسجد جس کو "مسجد قرطبہ" کہا جاتا ہے گرجا گھر بنا کر اپنی عظیم الشان فتح کا اعلان کیا تھا اسی طرح دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد جو قلب شہر میں واقع ہے اور مسلمانوں کے جاہ واقتدار کی علامت ہے اور ان کی عظمت وجلال کا مظہر بنی ہوئی ہے اس کو ایک عظیم الشان گرجا گھر کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے، یہ خیال ان کے دل میں صرف اسی لئے آیا کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ پورے ہندوستان کے عیسائی ہو جانے میں اب کچھ زیادہ دیر نہیں، گارسان دی تاسی اپنے ایک لیکچر میں انگریزوں کے اس منصوبہ سے روشناس کراتا ہے اور کہتا ہے:

"بلاشبہ دہلی میں عہدہ اسقفی قائم کرنے کا سوال درپیش ہے اور یہ بھی تجویز ہے کہ سرخ گار کے پتھروں کی شاہجہانی مسجد جامع کو کیتھڈرل یعنی منبر دار گرجا میں تبدیل کر دیا جائے بشرطیکہ پایہ تخت دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے انگریزوں کے شدید حملے میں وہ محفوظ رہ گئی ہو۔

علاوہ ازیں کنٹر بری کا لاٹ پادری مطالبہ کر رہا ہے کہ تین بڑے پادریوں (اسقفوں) کا جدید تقرر عمل میں لایا جائے، ایک لاہور میں پنجاب کیلئے، دوسرا آگرہ میں صوبہائے شمال مغربی کیلئے، تیسرا اتناولی میں جنوبی کرناٹک کیلئے، مزید برآں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے سے تبلیغ کے باب میں سبقت لے جانے کی کوششوں میں سرگرم ہیں، رومن کیتھولک ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں اور پروٹسٹنٹوں کی نظر صرف مسلمانوں پر ہے کیوں کہ مسلمانوں کو بتوں اور مجسموں سے جو کیتھولکوں کے یہاں ہوتے ہیں بہت نفرت ہے، (خطبات گارسان دی تاسی حصہ اول، ص:۲۱۸)

عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے متعلق صرف ایک اقتباس اور، اس کے بعد

یہ سلسلہ ختم کر دیا جائے گا، یہ اقتباس عیسائی مشن کی معلومات اور مسیحی لٹریچر سے تعلق رکھتا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ کتنے بڑے پیمانے پر کتابیں اور رسالے کتابچے اردو اور بعض دوسری سرکاری زبانوں میں شائع کر کے پورے ملک میں وہ پھیلا رہے تھے اس بے پناہ لٹریچر سے بھی ہندوستان کی مذہبی فضا میں ایک تموج اور ایک بھونچال سا برپا رہتا تھا اس سلسلہ میں موسیو گارسان دی تاسی کے ایک لیکچر سے کچھ روشنی پڑتی ہے ،وہ اپنے سالانہ لیکچروں میں سے ایک لیکچر میں کہتا ہے:

''میں مبلغین مسیحیت کی ساری کتابوں کے متعلق تفصیل سے ذکر نہیں کروں گا اس واسطے کی مضمون بہت طویل ہو جائے گا، یہ لوگ انجیل مقدس کی تعلیمات کی بڑے جوش وخروش سے نشر واشاعت کرر ہے ہیں، مذہبی قسم کی مطبوعات جو حال میں شائع ہوئی ہیں اور جن کا مجھے علم ہے ایک کتاب ''سچے اوتار'' یعنی خدا کے انسانوں میں حلول کرنے سے متعلق لکھی گئی ہے، ایک حقیقی تثلیث اور ہندوؤں کی ''تری مورتی'' سے متعلق ہے، ایک کتاب میں اسلام کی ابتدا اور عروج وزوال پر تبصرہ ہے، ان کتابوں کے علاوہ بہت ساری انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں جن میں متعدد فرانسیسی میں بھی موجود ہیں، حضرت سلیمان کی امثال اور پہاڑی کا وعظ کا اردو نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے، بمبئی کی ''مسیحی انجمن کتب ورسائل'' بھی اپنے کام میں مصروف ہے، اس سال اس نے ۲۴۰ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں، جو ہندوستانی اور دوسری زبانوں میں بھی ہیں، اس قسم کی تبلیغی کتب کو تقسیم کرنے کے علاوہ مبلغین مسیحیت ملک کے طول وعرض میں کلیساؤں اور گرجاؤں کی بنیادیں بھی ڈال رہے ہیں اور مدرسے قائم کرر ہے ہیں۔

(خطبات گارسان دی تاسی حصہ اول ،ص:۳۰۳، ۴۰۲)

طاقت کا غرور اور اس کا مظاہرہ: عیسائی پادری چونکہ کمپنی کی حکومت کے کارندے تھے اسلئے ان کو حکومت کی طرف سے تمام سہولتیں حاصل تھیں، عوام پر ان کا رُعب قائم رکھنے کے وسائل اختیار کئے جاتے تھے، انتظامیہ کے افسران کی ذمہ داری تھی کہ پادری جو کچھ کریں، کیسا ہی اشتعال انگیز طریقہ اختیار کریں ان کو آزاد رکھا جائے اور ان کی مکمل حفاظت کی جائے، ان کو باڈی گارڈ تو حاصل تھے ہی لیکن یہ بھی حکم تھا کہ پادریوں کو بے لگام رکھنے کیلئے ماحول سازگار بنائے اور مجمع پر کنٹرول رکھے تا کہ کسی بھی جذباتی مسلمان کو پادریوں کے وعظ میں خلل ڈالنے کی جرأت نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ یورپ کا مایہ ناز پادری فنڈر کا مقام تو آگرہ میں تھا لیکن اس کی سرگرمیوں کا مرکز دارالحکومت دہلی تھا چونکہ اس کا نشانہ مسلمان قوم تھی وہ ماہر علوم اسلامیہ کی ڈگری رکھتا تھا اسلئے وہ ایسے مقامات کا انتخاب کرتا تھا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو، چنانچہ اس کا معمول تھا کہ جب تک وہ دہلی میں رہتا روزانہ بعد نماز عصر دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اسلام پر اعتراضات کرتا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا تھا اور مسلمان خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے، بار بار اشتعال انگیز لب ولہجہ میں علماء اسلام کو چیلنج کرتا تھا، اس وقت اس کی چاروں سمت مسلمانوں کا مجمع ہوتا تھا، اس میں عوام بھی ہوتے اور خواص بھی، علماء اسلام بھی ہوتے اور دانشوران ملک وملت بھی، جذباتی نوجوانوں کی بھی بھیڑ ہوتی، سرد وگرم چشیدہ عمر دراز مسلمانوں کی بھی، لیکن مسلسل اس کے اعلان ھَلْ مِنْ مُبَارِزْ کے باوجود پورے مجمع پر سناٹا طاری رہتا تھا کسی میں جرأت نہ تھی کہ اس کے چیلنج کا اسی کے لب ولہجہ میں جواب دیتا، مسلمانوں کی کم ہمتی اور مرعوبیت کا یہ عالم تھا۔

تبلیغ عیسائیت میں جبر وتشدد کی شہادت: کمپنی کی حکومت کی طرف سے تبلیغ عیسائیت میں جبر وتشدد کی سب سے مستند شہادت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سب

سے وفادار خیر خواہ سرکاری ملازم سرسید احمد خاں کی ہے، انھوں نے اپنے آقایان ولی نعمت کو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو رپورٹ دی ہے اس کا عنوان ''اسباب بغاوت ہند'' ہے، اس رپورٹ میں تبلیغ عیسائیت کے سلسلہ میں جو کاروائیاں حکومت کی طرف سے کی گئیں، ان کی نشاندہی کی گئی اور انھوں نے یہ بتایا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء جیسا خطرناک حادثہ کمپنی کی حکومت کو صرف اس لئے پیش آیا کہ اس نے اپنے اقدامات میں زیادہ دور اندیشی اور مصلحت بینی سے کام نہیں لیا، سرسید چونکہ حکومت کمپنی کے وفادار اور انتہائی قابل اعتماد ملازم تھے اور انتظامیہ سے وابستہ تھے اسلئے حکومت کے اقدامات کا جو ردعمل یہاں کے عوام کی طرف سے ہوتا تھا، ان سے بخوبی واقف تھے، سرسید حکومت کے منصوبہ اور پالیسی پر تنقید نہیں کرتے بلکہ طریقہ کار کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں، اس رپورٹ کا ہر ہر لفظ سند ہے کیونکہ یہ رپورٹ لندن پارلیمنٹ کے ہر ہر ممبر کو بھیجی گئی تھی اور حکومت کی ساری مشنری کو اس سے مطلع اور باخبر کیا گیا تھا، اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں جو جابرانہ رویہ اختیار کیا گیا تھا س سے مسلمانوں کے دل ودماغ پر جو قیامت گذر رہی تھی اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے حکومت سے وفاداری اور اس کی خیر خواہی کے جذبے سے مجبور ہو کر یہ رپورٹ لکھی ہے، مسلمانوں کی مظلومیت وبے چارگی کا اظہار کر کے ان کی بہی خواہی سے اس رپورٹ کا کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو مسلمانوں کے قتل عام سے نہیں طریقہ قتل سے شکایت ہے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گردن مار دو مگر خون کا چھینٹا تمہارے دامن پر نہیں پڑنا چاہئے، وہ حکومت کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو طریقہ کار بدلنا ہوگا مگر رپورٹ کا انداز بیان درست نہیں تھا اسلئے غلط فہمی ہوئی، ممبران پارلیمنٹ اس رپورٹ کو پڑھ کر برہم ہوئے، (۱) لیکن جب ٹھنڈے دماغ سے اس کا

---

(۱) حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی ص: ۳۲۲ سے ۳۲۶ تک

گہرائی سے مطالعہ کیا تو انگریزوں کے دلوں میں سرسید کی قدر و قیمت کئی گنا اور بڑھ گئی اوران کی انگریزی حکومت کی خیر خواہی اور بے لچک وفاداری کا صحیح احساس ان کے دلوں میں پیدا ہوا، اسی دستاویزی رپورٹ کے جستہ جستہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، اس دور میں مسلمانوں کی بے بسی کتنے کربناک حالات سے گذر رہی تھی اس کا اندازہ کریں، سرسید اپنی رپورٹ ''اسباب بغاوت ہند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مداخلت مذہبی۔ کچھ شبہہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل، اعلیٰ اورادنیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اوررسم ورواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو کیا مسلمان عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم ورواج پر لاڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے، ہر شخص دل سے جانتا تھا کہ ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں اس واسطے سے دفعۃً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے مگر جتنا جتنا قابو پاتے جائیں گے اتنی اتنی مداخلت کرتے جائیں گے اور جو باتیں رفتہ رفتہ ظہور میں آتی گئیں اس کا بیان آگے آئے گا، ان کے اس غلط شبہہ کو زیادہ مستحکم اور مضبوط کرتی گئیں، سب کو یقین تھا کہ ہماری گورنمنٹ اعلانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی بلکہ خفیہ تدبیریں کرکر مثل نابود کر دینے عربی اور سنسکرت کے مفلس ومحتاج کر دینے ملک کے اورلوگوں کو جوان کا مذہب ہے ان کے مسائل سے ناواقف کرکر اور اپنے دین ومذہب کی کتابیں اور رسائل اور وعظ کو پھیلا کر، نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دیں گے۔ (حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی ص: ۸۱۵، ۸۱۶)

سرسید چونکہ اپنی یہ رپورٹ صرف اس لئے لکھ رہے تھے کہ اس کو لندن

پارلیمنٹ کے ممبران کے پاس بھیجیں گے اسلئے حکومت انگلینڈ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے الفاظ کو بہت احتیاط سے استعمال کرتے ہیں اس کے باوجود پہلے پہل انگریزوں نے اس رپورٹ کو پڑھا تو بہت برہم ہوئے اور سرسید کو اس رپورٹ کے لکھنے پر سزا دینے کا مطالبہ کیا لیکن جب اس کی افادیت پر غور کیا تو پوری انگریزی قوم سرسید کی ممنون احسان بن گئی کہ انھوں نے خود اپنی ہی قوم کو زیر کرنے اور ان پر حکومت کرنے کا ہم کو گر سکھایا ہے، ایسا وفادار کہاں مل سکتا ہے، سرسید اس رپورٹ میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے، گورنمنٹ سے پادری صاحب تنخواہ پاتے ہیں، گورنمنٹ اور حکام انگریزی ولایت زا جو اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں، اکثر حکام متعہد اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی، بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو، اور ایسا ہی ہوتا تھا غرضیکہ اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۶)

سرسید چونکہ گھر کے بھیدی تھے اس لئے رازِ درونِ خانہ سے واقف تھے، مگر انداز بیان ان کا تجاہل عارفانہ کے قبیل سے ہے وہ ان تمام حقائق سے واقف تھے جو عیسائیت کی تبلیغ میں کارفرما تھے لیکن اس کو عام مسلمانوں کی غلط فہمی سے تعبیر کرتے ہیں اور کمپنی کو معصوم اور بے گناہ سمجھتے ہیں، وہ مزید لکھتے ہیں:

''پادری صاحبوں کے وعظ نے نئی صورت نکالی تھی، تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال و جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں، ان کتابوں میں دوسرے مذہب کے مقدس لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دہ مندرج ہوئے، ہندوستان میں دستور وعظ اور کتھا کا یہ ہے کہ اپنے اپنے معبد یا مکان میں بیٹھ کر کہتے ہیں جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سنے، پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا وہ خود غیر مذہب کے مجمع اور تیرتھ گاہ، میلہ میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا، بعض بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحبوں کے ساتھ تھانے کا ایک چپراسی جانے لگا، پادری صاحب وعظ میں صرف انجیل مقدس کے بیان پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں اور مقدس مقاموں کو بہت برائی سے اور ہتک سے یاد کرتے تھے، جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور تکلیف ہوتی تھی۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص: ۸۱۷)

سرسید نے تبلیغ عیسائیت کے جبر و قہر کے واقعہ کو ریشمی کپڑوں کی طرح ملائم الفاظ میں بیان کیا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہندوؤں کے کسی مذہبی اجتماع میں کوئی مسلمان اسلام کے فضائل اور مورتی پوجا کی مذمت میں تقریر کرنے لگے یا کوئی ہندو مقرر مسلمانوں کے میلاد میں آکر اسلام کی مذمت میں بھاشن دینے لگے تو آپ کو معلوم ہے کہ اس کا انجام قتل و خوں ریزی بلکہ اجتماعی جنگ ناگزیر ہے کیونکہ کوئی بھی قوم اپنی مذہبی تقریبات میں اس طرح کی بات کو ایک لمحہ کیلئے برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتی، مگر طاقت کے غرور اور حکومت کے رعب داب کی وجہ سے یہ پادری دوسروں کی مذہبی تقریبات میں بلا جھجک مداخلت کر کے انھیں کے مذہب اور دھرم کی

مذمت میں تقریریں کرتے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کو روک دے، جبر وقہر کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے جتنے اسکول اور کالج کھولے تھے ان میں عصری علوم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی لازمی تھی بلکہ مذہبی تعلیم عملی لحاظ سے غالب تھی اور حکومت کی نوکری انھیں اسکولوں اور کالجوں کی سند پر منحصر تھی، اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ یا تو عیسائی بنو ورنہ بھوکوں مرو، سر سید اپنے اسی رسالہ اسباب بغاوت ہند میں تحریر فرماتے ہیں:

''ادھر دیہاتی مکاتب اور کالجوں کا یہ حال تھا کہ ان پر سب کو شبہہ رواج دینے مذہب عیسائی کا ہو رہا تھا کہ دفعتاً پیشگاہ گورنمنٹ سے اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم اور زبان انگریزی میں امتحان دے کر سند یافتہ ہوگا وہ نوکریوں میں سب سے مقدم سمجھا جائے گا، چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفکٹ پر جن کو ابھی تک سب لوگ کالا پادری سمجھتے تھے منحصر ہوگئیں، ان غلط خیالات کے سبب لوگوں کے دلوں پہ ایک غم کا بوجھ پڑ گیا اور سب کے دل میں ہماری گورنمنٹ سے ناراضی پیدا ہوگئی اور لوگ یہ سمجھے کہ ہندوستان کو ہر طرح بے معاش اور محتاج کیا جاتا ہے تاکہ مجبور ہو کر رفتہ رفتہ لوگوں کی مذہبی باتوں میں تغیر وتبدل پیدا ہو جائے، (حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۹)

سر سید اس رپورٹ میں ہر جگہ ''ہماری گورنمنٹ'' کا لفظ لکھتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کی حکومت کا ایک وفادار ملازم اپنے آقا کو اپنی کارگذاری رپورٹ دے رہا ہے، تمام حقائق کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر جگہ مسلمانوں اور عام ہندوستانیوں کی اس کو غلط فہمی کہتے ہیں خون میں شرابور مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے

اور اس کے ہمدردوں سے کہا جائے کہ تم کو غلط فہمی ہے کہ اس کو تلوار یا نیزہ مارا گیا ہے، یہ بدترین غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے، جبر وتشدد کے حقائق کی موجودگی میں غلط فہمی کا کیا سوال؟ بس بات اتنی تھی کہ ان کو اپنے آقایان ولی نعمت کی طرف سے عتاب کا اندیشہ تھا اور کچھ نہیں۔

ان جزئیات کی تفصیل سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ میں جبر وقہر کی باتیں ہر طبقہ اور ہر قوم میں یکساں طور سے ہوتی تھیں، اس دور میں سب سے اہم مسئلہ عیسائیت کی جبری تبلیغ تھی اور ہر ہر قدم پر ہندوستانی عوام چاہے ہندو ہوں یا مسلمان ان کے دلوں کو شاک لگتا تھا بجلی کا جھٹکا لگتا تھا کہ کمپنی کی حکومت پورے ہندوستان کو عیسائی بنا کر ہی دم لے گی، سرسید نے آخر میں جس فضا کی عکاسی کی ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے وہ صاف بتاتی ہے کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا حکومت اپنا آخری وار کرنے کیلئے تلوار سونت رہی ہے، سرسید تحریر فرماتے ہیں:

''یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ہو رہی تھیں کہ دفعۃً ۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد ورفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آ گیا اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اول ان کو کرستان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو، سب لوگ بیشک

سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں، آپس میں ہندوستانی لوگ اہلکاران سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی چٹھی آئی؟ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم بھی بہ سبب لالچ نوکری کے کرسٹان ہو گئے، ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاروں کو الزام لگایا کہ جن کے پاس چٹھیاں آتی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئی، لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آجائے گی، کیا تم سرکاری نوکر نہیں ہو؟ سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں تمام ہندوستانیوں کے غلط شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں۔

(حیات جاوید، حالی، ضمیمہ اسباب بغاوت ہند ص:۸۱۹،۸۲۰)

آستین کے سانپ: کمپنی کی حکومت تو منصوبہ بند طریقے سے اپنا کام کرتی جارہی تھی، اسی دور میں کچھ مارآستین بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے مسلمانوں کو ڈسنا شروع کردیا، کچھ پڑھے لکھے لوگ عیش وتنعم کے لالچ میں مرتد ہو گئے تھے ایسے ایک درجن کے قریب مشہور لوگ تھے چونکہ وہ مسلمان گھرانوں کے فرد تھے اور پڑھے لکھے تھے اس لئے جب جب ضمیر فروشی پر آمادہ ہو گئے تو عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے اور حکومت کا حق نمک ادا کرنے لگے، ان کے علاوہ بعض ممتاز اور سربرآوردہ مسلمان جنھوں نے اگرچہ عیسائیت نہیں قبول کی تھی لیکن ان کے دل میں عیسائیت کیلئے ایک نرم گوشہ ضرور تھا وہ کمپنی کی ھکومت کے انتہائی وفادار ملازم تھے ان کو معلوم تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ حکومت کے پلان میں شامل ہے اسلئے وہ غایت وفاداری میں ثالث بن کر علماء اسلام کے ہاتھوں سے تلوار چھین لینا چاہتے تھے جن سے وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں مدافعت کا کام لے رہے تھے ان میں سب سے ممتاز نام خود سرسید احمد خاں کا ہے انھوں نے

کئی کتابیں لکھ کر پادریوں کو داؤ پیچ سکھائے۔

سرسید کا کارنامہ: مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اعجاز عیسوی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انھوں نے انجیل کے محرف ہونے پر نا قابل تردید دلائل جمع کئے تھے بعد میں اسی تحریف کے مسئلہ پر مناظروں میں پادریوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی، سرسید نے اس کتاب کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی، حالی اسی کتاب کے متعلق سرسید کا نظریہ لکھتے ہیں:

''ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اب تک جس قدر مباحثے یا مناظرے ہندوستان میں پادریوں کے ساتھ ہوئے ہیں وہ ان تمام باتوں کی واقفیت کے بغیر ہوئے، اعجاز عیسوی وغیرہ میں جو تحریف لفظی کا دعویٰ کیا گیا ہے اس سے سرسید کو اختلاف تھا، نسخ کے متعلق جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں نزاع تھا اس کو وہ محض نزاع لفظی سمجھتے تھے (حیات جاوید، الطاف حسین حالی، ص:۱۱۲)

پادریوں کی خفیہ مدد: سرسید کو غصہ تھا کہ پادری نسخ وتحریف کا اعتراف کر کے بے وقوفی کر رہے ہیں اور شکست کی ذلت اٹھا رہے ہیں، سرسید نے پادریوں کا ہاتھ مضبوط کرنے کیلئے بائبل کی تفسیر لکھنی شروع کی اور ہر جگہ بائبل کی تعلیمات کو قرآن واحادیث سے مطابقت ثابت کرنے پر پورا زور قلم صرف کیا ہے تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں عیسائیت کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو جائے، چاروں انجیلیں ہندوستان میں تقسیم کی جا رہی تھیں ان میں اُلوہیت مسیح، تثلیث اور کفارہ وغیرہ کے مشرکانہ عقائد موجود ہیں ان کو سرسید نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی موقعہ پر ان مشرکانہ عقائد کی تردید کی، اس کے باوجود انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انجیل کی ساری تعلیمات قرآن وحدیث کے مطابق ہیں، سرسید کی بائبل کی اس تفسیر سے مسلمانوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی اس کے برعکس عیسائی دنیا نے ان کو مبارکباد دی اور اظہار مسرت کیا،

مشہور فرانسیسی مستشرق گارسان دی تاسی نے بائبل کی اس تفسیر کو نیم مسیحی کتاب کہا ہے یعنی اس کا مصنف اگرچہ پورا عیسائی نہیں لیکن نصف عیسائی ضرور ہے، اسی طرح مشہور انگریز مصنف مسٹر آرنلڈ نے اپنی کتاب ''قرآن اینڈ بائبل'' میں سرسید کا ایک خط بھی شائع کیا ہے اور سرسید کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے بائبل کی تفسیر بڑی حیرتناک ہے لیکن سرسید کی تفسیر بائبل نامکمل رہ گئی، مسٹر آرنلڈ بڑی حسرت کے ساتھ لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ کام مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے ہو جائے تو عیسائیوں کو یہ ثابت کرنا کچھ دشوار نہ ہوگا کہ اگر انجیل صحیح ہے تو قرآن ضرور جھوٹ ہے۔

(حیات جاوید، الطاف حسین حالی، ص:۱۱۹)

آرنلڈ نے سرسید کی تفسیر پڑھ کر جو نتیجہ نکالا کہ بائبل کی اس تفسیر سے قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے یہ کتاب پادریوں کو سرسید کی دین ہے، حالی نے پروفیسر آرنلڈ کے اس جملہ کو لکھ کر آرنلڈ کا مذاق اڑایا ہے، حالی بھی کبھی کبھی بچکانہ باتیں کرنے لگتے ہیں، اسی مصنف آرنلڈ کا بیان سرسید کی کتاب کی اہمیت ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے ہیں اور وہ کتاب کی افادیت کھول کر بیان کرتا ہے تو اس کو احمق کہنے لگتے ہیں، حقیقت وہی ہے جو آرنلڈ نے اس کے بارے میں بیان کیا، مسلمان اس کتاب سے اس قدر برہم تھے کہ سرسید نے اس کی تکمیل کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔

مولانا کیرانوی کا مشاہدہ: مولانا کیرانوی جب اپنی کتاب ''ازالۃ الشکوک'' لکھ رہے تھے اس وقت حالات کتنے خراب ہو چکے تھے اس کا شدید احساس خود مولانا کیرانوی کو تھا آپ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، آپ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

''اب میں ان وجوہ کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب یہ مباحثہ ہوا، اول یہ

کہ روز بروز شوروغل پادریوں کا بڑھتا چلا جاتا تھا، اور زبانی فریاد کرتے تھے کہ مسلمانوں سے ہماری بات جواب نہیں بن پڑتا ہے، اور اپنے رسالوں کے آخر میں ایسی باتیں چھاپنے لگے تھے، اس پر میں نے چاہا کہ اپنے مقدور کے مطابق میں بھی ہاتھ ہلاؤں، شاید اللہ تعالیٰ کچھ ثمرہ نیک دیوے، دوم یہ کہ جس عیسائی سے ملاقات ہوئی اس سے جو کچھ تذکرہ آیا اس کی تقریر سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ''میزان الحق'' ان کے گمان میں ایسی کتاب ہے کہ گویا الہام سے لکھی گئی ہے اور مسلمان اس کے جواب سے عاجز ہیں، اگر ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ بات غلط ہے ''میزان الحق'' کا کیا ذکر اس کے مصنف سے بھی مسلمانوں کو کچھ خوف نہیں، تو کہتے تھے کہ صاحب جب تم کو اس سے پالا پڑے تب جانو، سوم یہ کہ جب میں ایک تقریب سے اکبرآباد کا عازم ہوا تو چلتے وقت ماسٹر رام چندر نے کہ مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے اور عرصہ سے عیسائیت کا دم بھرتے تھے اور پادریوں سے بھی زیادہ تعصب میں قدم بڑھا کر رکھتے تھے اور ..میزان الحق'' کے بڑے معتقد تھے کہا کہ اگر اتفاق ہو جائے تو پادری فنڈر سے ملئے گا، چہارم یہ کہ جب اکبرآباد میں پہونچا تو بعض بعض کو تذبذب میں پایا اگر ان کو سمجھایا گیا تو انھوں نے یہی کہا کہ اگر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ہم کو قائل کر دیتے ہو اور اگر کسی اچھے پادری کے پاس جاتے ہیں تو وہ بھی ہم کو لاجواب کر دیتا ہے، تو ہم کیسے سمجھیں کہ تم ہی حق پر ہو، اور وہ باطل پر یا بالعکس بلکہ ہم تو حیرت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں ہاں اگر مقابلہ منہ درمنہ ہو جائے تو ہماری حیرانی کچھ دفع ہو۔ (مقدمہ ''ازالۃ الشکوک، مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

نقطہ عروج: ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ

واشاعت کا یہی نقطہ عروج تھا، پورے ہندوستان میں بلا استثناء ہر ایک شخص حکومت کی منشا اور ارادہ ومنصوبہ کو سمجھنے لگا تھا کہ چاہے کوئی دل سے مانے یا نہ مانے بہر حال اس کو بزور شمشیر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ہندوستان کو دوسرا اندلس بنا دینے کا مستحکم پلان تھا، وہ تو غدر ۱۸۵۷ء میں پچاسوں ہزار ہندوستانیوں نے جان دے کر اپنی لاشوں کے انبار سے حکومت کی راہ مسدود کر دی اور جبر وقہر کا یہ کارواں وہیں رک گیا۔

مولانا کیرانوی تاریخ کے اسی نازک موڑ پر ملت اسلامیہ کے مسیحا بن کر منصۂ شہود پر آئے اور انھوں نے اپنی بے پناہ قوت ارادی، ناقابل تسخیر علمی صلاحیت و استعداد اور پوری ایمانی طاقت سے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا ورنہ ہندوستان شاید دوسرا اندلس بن چکا ہوتا، آئندہ اوراق میں ہم مولانا کیرانوی کی اسی ایمان افروز جد وجہد کو تفصیل سے پیش کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۴)

مولانا کیرانوی میدان عمل میں

مولانا کیرانوی ان تمام حالات سے واقف تھے بلکہ بچشم خود دیکھ رہے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں آپ دہلی میں مقیم تھے اور کئی برس رہے، کبھی مدرسہ حیات کے کمرے میں اقامت گزیں تھے، کبھی اپنے والد کے ساتھ مہاراجہ ہندو راؤ کی فراہم کردہ کوٹھی میں، تعلیم سے فراغت کے بعد مہاراجہ ہندو راؤ نے مولانا کیرانوی کو اپنے یہاں بلا کر ریاست کی بعض ذمہ داریاں ان کے سپرد کر دیں پھر آپ ریاست کے چیف سکریٹری ہو گئے، اس ملازمت کے دوران بھی کئی برسوں تک دہلی ہی میں رہے اور جب والد کا انتقال ہو گیا تو مہاراجہ ہندو راؤ کے یہاں اپنے چھوٹے بھائی کو میر منشی کے عہدے پر مقرر کرا کے آپ کیرانہ لوٹ آئے، اس تمام عرصہ میں آپ دہلی شہر میں عیسائیوں کی تیز تر سرگرمیوں کے عینی شاہد رہے، اس کی وسعت اور پھیلاؤ، گہرائی و گیرائی، اور جبر و تشدد کی تمام صورتوں سے واقف ہو چکے تھے، اور ایک مذہبی گھرانے کے فرد ہونے کی وجہ سے اسلام کی مظلومیت و کسمپرسی کو دیکھ کر برابر درد و کرب میں مبتلا رہے، جب آپ دہلی سے واپس آ کر مستقل طور پر کیرانہ میں قیام پذیر ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو اس مصروفیت کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت میں آپ نے کتابوں کا بھی سلسلہ شروع کیا، مناظرہ سے پہلے آپ کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کر چکے تھے، اور آپ کے متعدد تلامذہ پڑھ کر فارغ ہو چکے تھے، آپ نے ان کو بھی وقت کے اس عظیم فتنہ کی اہمیت بتائی، دہلی اور آگرہ کے متعدد علماء سے بھی آپ کا

تعارف تھا، آپ نے ان حضرات کو بھی اس فتنہ سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کیا اور عیسائیوں کی طرف سے شائع ہونے والی تمام کتابوں کو حاصل کر کے ان کا مطالعہ کرنے کی تاکید فرماتے رہے اور خود بھی ان کا گہرائی سے مطالعہ کرتے، عیسائیوں کی بنیادی کتابوں کی تلاش اور ان کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کرتے رہے، عہد قدیم اور عہد جدید ہندوستان میں شائع ہونے والی انجیلوں، انجیل کے مفسرین وشارحین کی کتابوں کو بڑی جدوجہد اور محنت سے حاصل کر کے پڑھا اور جدید وقدیم ایڈیشنوں کی جستجو بھی برابر جاری رکھی یہاں تک کہ پوری بصیرت کے ساتھ ردعیسائیت کیلئے آپ مکمل طور پر تیار ہو گئے۔

عزم بالجزم: چونکہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ پادریوں کو چھیڑنا کچھ آسان نہیں، کمپنی کی حکومت کی پیشانی پر شکن آسکتی ہے لیکن آپ میں جرأت ایمانی درجہ کمال کو پہونچی ہوئی تھی، جاگیر ریاست ایک معزز زمیندار گھرانے کے فرد ہونے کی حیثیت سے بھی فطری طور پر حالات سے نبرد آزمائی کی جرأت وہمت تھی اسلئے دین کی خدمت میں ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے، ہر چہ بادا باد، ماکشتی در آب انداختیم، آپ ۱۸۵۰ء سے مسلسل ردعیسائیت اور اس فتنہ کے سدباب کرنے کے سلسلہ میں فکرمند اور غلطاں وپیچاں رہے، کتابیں لکھتے رہے اور اپنے دور کے چند مرتد مسلمان جو عیسائی پادری بن چکے تھے وہ مسلسل اسلام کے خلاف کتابیں اور رسالے لکھ رہے تھے ان تمام کتابوں کے جوابات لکھتے رہے، مگر براہ راست کسی پادری سے بحث ومباحثہ کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ آپ کیرانہ میں رہتے تھے جہاں ان کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا البتہ دہلی اور آگرہ مین ان کی سرگرمیاں شباب پر تھیں اور ان دنوں دہلی جانے کی نوبت کم ہی آتی تھی۔

آگرہ کا سفر: ۱۸۵۴ء کے ابتدائی مہینے میں اپنی ایک کتاب کی طباعت

کے سلسلے میں آپ دہلی تشریف لے گئے، وہیں آپ کی ملاقات ڈاکٹر وزیر خاں سے ہوگئی وہ آگرہ میں رہتے تھے اور سرکاری ملازم تھے، وہ انگلینڈ سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے انگریزی زبان کے ساتھ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے، مشہور یورپین پادری پی فنڈر چونکہ آگرہ میں رہتا تھا اور آگرہ عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا اسلئے وہ عیسائیوں کی سرگرمیوں سے خوب واقف تھے اور ایک سچے مسلمان ہونے کی حیثیت سے حالات دیکھ کر سخت ذہنی کوفت اور قلبی اذیت میں مبتلا تھے لیکن سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے کچھ کرنے کیلئے نہ ان کو موقعہ ملتا تھا اور نہ تمام اسلامی علوم وفنون پر ایک عالم دین کی طرح وسیع اور گہری نظر تھی، البتہ انگریزی داں ہونے کی وجہ سے انگریزی میں شائع ہونے والے مسیحی لٹریچر سے خوب واقف تھے، عہد عتیق اور عہد جدید اور عام انجیلوں کا بہت غائر مطالعہ کر چکے تھے اور ان کی تحریفات اور تغیر وتبدل سے بھی واقف تھے جو بعد کی انجیلوں میں موجود ہیں۔

مولانا کیرانوی آگرہ میں :مولانا کیرانوی ڈاکٹر وزیر خاں سے تعارف تھا، اسلئے دہلی میں ملاقات کے وقت انھوں نے مولانا کو آگرہ چلنے کی دعوت دی، کتاب پریس میں دے کر آپ ان کے ہمراہ آگرہ چلے گئے صوبہ آگرہ واودھ کیلئے جو ممتاز اور سربرآوردہ مسیحی مبلغین اور پادری ان سب کا قیام آگرہ ہی میں تھا، وہیں سے وہ پورے صوبے میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے آگرہ شہر پر ان کا رعب چھایا ہوا تھا، حالانکہ شہر میں علمائے اسلام کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی طرف سے کوئی سرگرمی ظہور میں نہیں آئی تھی، ڈاکٹر صاحب اس جمود کو توڑنا چاہتے تھے، اسلئے وہ مولانا کیرانوی کو اصرار کر کے آگرہ لے گئے۔

آگرہ پہونچنے کے بعد آپ کی آمد کی خبر سن کر شہر کے سربرآوردہ علماء آپ سے ملاقات کیلئے آئے اور شہر پر عیسائیوں کے اثرات کا ذکر کیا، آگرہ میں کچھ ایسے بھی

مسلمان مولانا کیرانوی سے ملے جن کے دلوں میں عیسائیت کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا انھوں نے برملا مولانا کیرانوی سے اس کا اظہار بھی کیا جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب "ازالۃ الشکوک" کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے۔

حریف کی طاقت کا جائزہ: آگرہ جانے سے پہلے دہلی میں مولانا کیرانوی کی ملاقات ماسٹر رام چندر عیسائی سے ہوئی تھی یہ چند ہندوؤں میں سب سے پہلے پُر جوش عیسائی ہو چکا تھا مولانا کیرانوی سے اس کا تعارف تھا اس نے مولانا کیرانوی سے کہا تھا کہ آپ آگرہ جا رہے ہیں تو پادری فنڈر سے ضرور ملئے گا، ماسٹر رام چندر اس کی علمیت سے انتہائی مرعوب تھا۔

مولانا کیرانوی جنوری ۱۸۵۴ء میں آگرہ گئے تھے، آگرہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ پادریوں کا سرخیل فنڈر آگرہ میں اس وقت نہیں ہے، ڈاکٹر وزیر خاں سے صلاح ومشورہ کے بعد طے کیا گیا کہ یہاں موجود چند ممتاز اور بڑے پادریوں سے ملاقات کی جائے، مولانا کیرانوی کا اس ملاقات سے مقصد یہ تھا کہ اندازہ لگایا جائے کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے؟ مذہب عیسویت کے برحق ہونے کے ان کے پاس کیا دلائل ہیں، اسلامی علوم وفنون سے ان کی کتنی واقفیت ہے، ان کا انداز گفتگو کیا ہے، یعنی حریف کی طاقت اور اس کے داؤ پیچ کا صحیح اندازہ کیا جائے اور ان کی حکمت عملی سے بھی واقفیت حاصل کی جائے تاکہ مستقبل میں اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آجائے تو ہمارا مطالعہ اتنا مکمل ہو اور بھرپور ہو کہ ان کے فرار کے سارے راستے بند کر دئے جائیں، پادری فنڈر کے چیلنج کو قبول کرنے سے پہلے جائزہ مولانا کیرانوی کی دور اندیشی اور کمال تدبر کی دلیل ہے اس لئے پادریوں سے یہ ملاقات سرسری بلا کسی بحث ومباحثہ کے ارادہ کی تھی۔

آگرہ کے پادریوں سے ملاقات: مولانا کیرانوی ڈاکٹر وزیر خاں کو

لے کر عیسائیوں کے مشن تشریف لے گئے جہاں کئی مشہور اور بڑے پادری اقامت پذیر تھے اور پورے صوبے میں عیسائی مشنریوں کی کمان کرر ہے تھے، انھیں سرگرم سربرآوردہ پادریوں میں پادری فرنچ اور پادری کٹی بھی تھے، پادری فنڈر ان دونوں سے ہمیشہ صلاح ومشورہ کرتا رہتا تھا، مولانا کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں نے ان پادریوں کی رہائش گاہ پر پہونچ کران سے ملاقات کی، چونکہ کسی قسم کی بحث اور کسی مسئلہ کے چھیڑنے کا ارادہ نہیں تھا اور نہ اس کی تیاری کی تھی، صرف سرسری ملاقات اور تعارف مدنظر تھا اسلئے ان دونوں حضرات نے نہ ان سے کوئی سوال کیا اور نہ ہی اپنی طرف سے کسی مذہبی گفتگو کا آغاز کیا، مگر جوش وجذبہ سے بھرے ہوئے ہمہ دانی کی غلط فہمی میں مبتلا اور اپنے علم پر مغرور پادریوں نے خود ہی متنازع فیہ مسائل چھیڑ کر گفتگو کا رخ بدل دیا، جبکہ ان دونوں حضرات نے اس بارے میں ابھی کچھ سوچا بھی نہیں تھا، پادری کٹی نے پادری فرنچ سے انگریزی میں کہا کہ مولانا سے ذرا پوچھئے کہ یہ حضرات توریت وانجیل میں تحریف کا دعویٰ کس بنیاد پر کرتے ہیں، پادری فرنچ نے فوراً ہی مولانا کیرانوی سے سوال کردیا، ڈاکٹر وزیر خاں نے مولانا کیرانوی کے جواب دینے سے پہلے ہی پادری فرنچ کے جواب میں کہا کہ ایک بند کمرے میں بیٹھ کر کسی اہم ترین علمی بحث کا آغاز کریں اور دماغ سوزی کریں جس کو نہ کوئی سننے والا ہے اور نہ کوئی جاننے والا ہے، اس سے کیا فائدہ؟ اگر مباحثہ ومناظرہ ہی کرنا ہے تو اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں، ہم پہلے اس کی تفصیلات طے کرلیں تب اس کے بعد گفتگو کا آغاز کریں۔

نوک جھونک: لیکن پادریوں کے جذبات تو ابلے پڑ رہے تھے، برسوں علی الاعلان تمام علماء اسلام کو چیلنج کرتے آرہے ہیں اور آج تک علماء اسلام کی طرف سے اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا نہ اس کی غیرت وحمیت بیدار ہوئی، اسلئے فطری طور پر ان میں غرور وپندار پیدا ہو چکا تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہماری مدلل اور عالمانہ گفتگو کے جواب

میں زبان سے ایک لفظ بھی نکالنے کی نہ جرأت ہے نہ ہمت، اسلئے دونوں پادریوں نے سوچا کہ چند باتوں میں ان لوگوں کا الجھا کر خاموش کر دیں گے، ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے یہی سوچ کر پادریوں نے سنی اَن سنی کر دی اور کہا کہ تحریف ثابت کرنا ان لوگوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ توریت کا مخطوطہ محفوظ ہونے کی دلیل اتنی مستحکم ہے جس کو توڑنا ممکن نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے توریت کا نسخہ تحریر فرمایا تھا وہ بخت نصر کے زمانے تک ایک صندوق میں بحفاظت رکھا ہوا تھا اور یہ صندوق یروشلم میں ہیکل سلیمانی کے اندر رکھا ہوا تھا جہاں تک کسی کی رسائی ممکن نہیں تھی اور جب کوئی بادشاہ تخت پر جلوس کرتا تھا تو اسی نسخہ سے اپنے لئے نقل کر لیتا تھا اور اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالیتا تھا اور اصل نسخہ صندوق میں محفوظ رہتا تھا۔

اپنی دانست میں پادری کٹی نے توریت کے محفوظ ہونے کی ناقابل تردید شہادت پیش کر دی، اب خاموش رہنا خلاف مصلحت تھا مجبوراً مولانا کیرانوی کو اس کا جواب دینا پڑا اور مباحثہ کا آغاز ہو گیا، مولانا نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی توریت کا نسخہ بنی اسرائیل میں فتنہ وفساد کے زمانہ کے بعد لاپتہ ہو گیا تھا اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد حکومت میں اس صندوق کو کھولا تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ نہیں تھا صندوق میں صرف دو سنگی تختیاں تھیں توریت نہیں تھی، معلوم نہیں وہ صندوق سے کب کی غائب ہو چکی تھی۔

کوئی جواب نہیں: دونوں پادریوں نے گھبرا کر پوچھا، آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ دلیل تو آپ ہی نے ہمیں بتائی ہے اور خود آپ کی کتابوں نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے، ''سفر الملوک'' میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ تابوت میں سوائے دو سنگی تختیوں کے اور کچھ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے سرزمین مصر سے نکلنے کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

عہد لیا تھا اسی وقت یہ دونوں تختیاں عہد نامہ کی حامل موسیٰ علیہ السلام نے صندوق میں رکھی تھیں بس وہی دونوں تختیاں صندوق میں رہیں اس میں توریت کہاں تھی؟ اس کا جواب دونوں پادریوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا، اس کی تردید کے بجائے انھوں نے کہا کہ اس سے تحریف تو ثابت نہیں ہوتی، اس سوال سے ثابت ہوا کہ دونوں نے مولانا کیرانوی کی تفصیلات کو تسلیم کرلیا اور توریت کی حفاظت کے دعویٰ سے دست بردار ہو گئے، مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ ہم نے تحریف کی دلیل کے طور پر اس کو کہاں پیش کیا ہے، یہ تو آپ کے دعوائے حفاظت کے کھوکھلے پن کو ظاہر کیا گیا ہے، ہمارے پاس تحریف کے دوسرے ناقابل تردید دلائل ہیں یہ تو صرف آپ کی بات کا جواب ہے جو دعویٰ آپ نے کیا ہے اس کی حقیقت کھول دی گئی ہے، ہوا میں آپ نے جو محل بنانے کی کوشش کی تھی اس کا جواب ہے۔

آپ کے پاس جعلی کتاب ہے: پادری فرنچ نے توریت کے محفوظ ہونے کا ایک اور دعویٰ کر دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس توریت موجود تھی جس کی وہ تلاوت کیا کرتے تھے، اور آپ کو معلوم ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ہیں، اس پر ڈاکٹر وزیر خاں نے پادری فرنچ سے پوچھا کہ آپ ازراہ کرم یہ بتا دیجئے کہ اس وقت توریت کے جو اسفار ہیں ان میں سے کون سا سفر تھا؟ پادری فرنچ نے کہا کہ کوئی بھی توریت کا جز رہا ہو بہر حال ان کے پاس توریت موجود تھی، بس میرا اتنا ہی دعویٰ ہے، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ ہماری گفتگو تو اس توریت کے متعلق ہے جو اس وقت موجود ہے، تورات قدیم سے کوئی بحث نہیں ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ موجودہ توار یت قطعاً قابل تسلیم نہیں ہے یہ توریت جعلی اور فرضی ہے اگر آپ کو ہمارے دعویٰ سے انکار ہے تو آپ موجودہ توریت وانجیل کی سند بتائیے کہ یہ اصلی توریت وانجیل ہیں، کس ذریعہ سے یہ توریت وانجیل آپ کے پاس پہونچیں؟ سند ایسی پیش کیجئے جو متصل

ہواور قابل اعتماد ہو، دوسری بات یہ کہ موجودہ توریت وانجیل میں بہت سی آیات اپنی طرف سے جوڑ دی گئی ہیں، اسی طرح ان میں بہت سی رطب ویابس باتیں داخل کردی گئی ہیں، تیسرے یہ کہ موجودہ کتابوں میں بہت سی جھوٹی روایتیں موجود ہیں اسلئے موجودہ کتابیں نا قابل اعتبار ہیں۔

پادری فرنچ نے کہا کہ بہت سی سندیں ہماری دوسری کتابوں میں موجود ہیں، مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ میں زیادہ نہیں صرف دوسندیں پوچھتا ہوں بس آپ ہم کو صرف دو ہی سفروں کی سندیں بتادیجئے تو ہم آپ کے دعوے کو تسلیم کرلیں گے محض زبانی دعویٰ کافی نہیں، پہلی سند سفرایوب کی اور دوسری سند حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر نشید الانشاد کی، اس کے جواب میں پادری فرنچ کی زبان ہی بند ہوگئی، مولانا کیرانوی تقاضا کررہے ہیں بتائیے بتائیے اور فرنچ پتھر کے بت کی طرح خاموش بیٹھا ہے اس نے سند کی موجودگی کا دعویٰ تو بلاسوچے سمجھے کردیا تھا اور اس کو اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں تھا، مولانا کیرانوی نے اس کی کمزوری پکڑلی اور کبوتری باز کے پنجے میں آگئی۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے: پادری فرنچ اب عہد عتیق کی بات چھوڑ کر عہد جدید یعنی انجیل کی بات کرنے لگا کہ ان کی سندیں ہمارے اسلاف نے اپنی کتابوں میں تحریر کردی ہیں، مولانا کیرانوی نے فرمایا، یہ بھی غلط ہے، آپ کے مشہور مورخ جو "تاریخ کلیسا" کے مصنف ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ انجیل کے رسالہ یعقوب، رسالہ پطرس وغیرہ پر محققین اعتماد نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کو غلط سمجھتے تھے بلکہ آپ کے علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انجیل کے یہ اجزا ایک کافر نے لکھے ہیں، ان دوحوالوں نے پادری فرنچ کو حواس باختہ کردیا، اس کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا کہ اس کی بات چھوڑ دیئے، اس کے بیان پر ہم خود اعتماد نہیں کرتے، مولانا

کیرانوی نے فرمایا کہ آپ اپنے اتنے بڑے عالم اور مشہور مورخ کو نہیں مانتے اور اس کو جھوٹا سمجھتے ہیں تو آپ مہربانی کر کے خود ہی سفر یوحنا لاہوتی کی سند بیان کر دیجئے، دونوں پادری اس سے بے خبر تھے۔

اونٹ پہاڑ کے نیچے: اونٹ جب تک پہاڑ نہیں دیکھتا بلبلاتا رہتا ہے کہ ہم سے اونچا کوئی نہیں، دونوں پادریوں کا بھی اس وقت یہی حال تھا، حقیقت یہ ہے کہ ان انجیلوں کی کوئی سند متصل متواتر موجود ہی نہیں ہے وہ جواب کیا دیتے؟ انجیل کو قابل اعتماد ثابت کرنے کیلئے سند متصل متواتر ضروری ہے اور اسی کا وجود عنقا ہے، مولانا کیرانوی نے دونوں پادریوں کو گھیر کر اس مقام پر کھڑا کر دیا جہاں سے فرار کا ان کو کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، یہ سارے سوالات پادریوں کیلئے غیر متوقع تھے وہ ابتک جاہل عوام کے سامنے اپنے مسیحی مذہب کے فرضی فضائل بیان کرتے آئے تھے، اور کبھی کسی ذہین مسلمان عالم سے گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی، آج انھوں نے خود ہی بحث چھیڑ کر مصیبت مول لے لی تھی، جب دونوں پادریوں کو کوئی جواب نہیں سوجھا تو دونوں آپس میں انگریزی میں بات کرنے لگے اس کے بعد کچھ اور مسئلوں پر بھی گفتگو ہوئی، بعض مسئلوں پر پُر جوش پادریوں نے اپنی لائبریری سے کتاب نکال کر پیش کی، کتب انگریزی میں تھی اپنے دعویٰ پر وہ شبہات تلاش کرر ہے تھے ڈاکٹر وزیر خاں نے بھی لپک کر کتاب دیکھنی شروع کر دی، پادریوں سے پہلے خود ڈاکٹر صاحب نے اپنے اور مولانا کیرانوی کے دعویٰ کو مستحکم کرنے والی عبارت دیکھ لی وہ عبارت پادریوں دعوے کے بالکل برعکس تھی، آپ نے انگلی رکھ کر کہا کہ فرنچ صاحب اس کو پڑھئے، ندامت سے پادریوں کے چہرے لال بھبھوکا ہو گئے، مگر کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے، بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔

حریف شکنجہ میں: آخر آخر میں ڈاکٹر وزیر خاں نے پادری فرنچ سے

مخاطب ہوکر پوچھا جناب کا اسم گرامی کیا ہے؟اس نے کہا میرا نام فرنچ ہے، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ آپ کی عمر ۲۲ رسال کی ہے اور یہ ہمارے مولانا کیرانوی فرمائیں کہ نہیں آپ کی عمر ۴۴ رسال کی ہے تو آپ اس متضاد بات کے بارے کیا کہیں گے؟ پادری فرنچ نے کہا کہ دونوں کو صحیح تسلیم کرنا ممکن ہی نہیں ہے، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ اگر ہم آپ کی مقدس کتاب میں اس طرح کی متضاد اور نا قابل یقین بات ثابت کردیں تو؟ آپ کیا کہیں گے؟ فرنچ یہ سن کر بدحواس ہوگیا معلوم نہیں کون سی اہم بات یہ شخص کہے گا، کتنی بڑی فضیحت ہوگی، اس نے مری ہوئی آواز میں کہا، انجیل مقدس میں ایسی بات کہاں ہے؟ ڈاکٹر وزیر خاں نے مولانا کیرانوی سے کہا کہ آپ بتادیجئے، مولانا کیرانوی نے دومقامات سے دوآیتیں پڑھ کرسنائیں، ایک آیت میں کہا گیا کہ اخزیا کی عمر تخت نشینی کے وقت ۴۴ رسال کی تھی اور دوسری آیت میں کہا گیا کہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۲ رسال تھی، پادری فرنچ نے کہا کہ یہ عدد کی غلطی ہے، اس سے ہمارے عقیدوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، بہر حال یہ غلطی ہے، پادری فرنچ کے اس اعتراف کے بعد ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ آپ نے انجیل میں ایک غلطی کو تسلیم کرلیا ہے مگر میں آپ کی انجیل مقدس کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے ایک سو سے زائد غلطیاں نکالی ہیں اگر کبھی موقع آیا تو میں انھیں پیش کروں گا، اس کے برخلاف ہمارے قرآن میں ایک بھی غلطی نہیں، آپ لوگوں کو دین عیسوی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینا چاہئے، پادری فرنچ اس کے جواب میں کیا کہتا؟ اس نے خاموشی ہی میں نجات دیکھی اس لئے چپ رہا، کوئی جواب نہیں دیا، گفتگو جب اس منزل پر پہونچی تو شہر کی مسجد سے عصر کی اذان کانوں میں آئی تو مولانا کیرانوی اور وزیر خاں اٹھ کھڑے ہوئے۔ (المناظرة الكبرىٰ، ڈاکٹر عبد القادر حنبل ص: ۱۵۱ تا ۱۵۷)

امتحان اور جائزہ: مولانا کیرانوی کی یہ گفتگو پادریوں سے اتفاقیہ ہوئی تھی

کیوں کہ آگرہ جاتے ہوئے ان کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پادریوں سے کوئی علمی گفتگو کی جائے گی، ڈاکٹر وزیر خاں نے یہ تجویز رکھی کہ شہر آگرہ کے ذمہ دار پادریوں سے براہ راست ملاقات کر کے ان کے رویہ، اخلاق، ذہن و مزاج ان کے مبلغ علم اور ان کی وسعت مطالعہ کا جائزہ لیا جائے اور اندازہ لگایا جائے کہ وہ کس طرح کے مسائل پیش کرتے ہیں؟ مولانا کیرانوی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ آئندہ اگر ان کا سامنا ہو تو ہم ان کے ذہن و مزاج سے واقف رہیں تا کہ موثر رویہ اختیار کیا جائے بس اسی نیت سے پادریوں کی قیامگاہ کی طرف گئے تھے، آگرہ میں اس وقت پادری فنڈر کے علاوہ پادری کٹی اور پادری فرنچ دونوں اپنے مذہب کے بڑے عالم، محقق اور وسیع المطالعہ تھے، فنڈر اپنی طلاقت لسانی، چرب زبانی اور اپنی پُر جوش تقریروں کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا ورنہ مذہبی علم و تحقیق میں ان دونوں کا مقام بلند تھا، اسی ہمہ دانی کے غرور میں انھوں نے ان حضرات سے مناظرانہ گفتگو شروع کر دی، مولانا کیرانوی کا استحضار علمی حیرتناک تھا، عیسائی لٹریچر کا مطالعہ کتنا وسیع تھا اس گفتگو سے اس کا اندازہ ہوتا ہے بار بار پادریوں کی زبان بند ہوگئی اور وہ مولانا کیرانوی کے جواب میں خاموش رہ گئے۔

خوش فہمی ہوا ہوگئی: پادریوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یہ سیدھا سادہ مولوی ہمارے رموز درونِ خانہ سے اتنی وسیع واقفیت رکھتا ہوگا، اسی غلط فہمی کی وجہ سے انھوں نے نہایت شان بے اعتنائی سے علمی گفتگو چھیڑ دی اور چاہا تھا کہ چند علمی باتوں میں ان کو الجھا کر ان میں مرعوبیت اور احساس کمتری پیدا کر دی جائے، ان کو غلط فہمی یا خوش فہمی یہ تھی کہ ہم اپنے مذہب کی روایات، تفصیلات، انجیل مقدس اور اس کی شروح و تفاسیر اور مذہبی تاریخ سے جتنا واقف ہیں دوسرے لوگ بالخصوص ہندوستان کے مسلمان اس سے کیا واقف ہوں گے، ہندوستان میں عیسائیت کا نام

ونشان نہیں تھا اور نہ علماء اسلام کو عیسائیوں سے بحث ومباحثہ کی کبھی نوبت آئی تھی کہ عیسائی مذہب کا گہرائی سے مطالعہ کرتے اس لئے ہندوستانی جاہل اور ناواقف ہوں گے ان کو چند منٹوں میں زیر کر کے رسوا اور ذلیل کیا جا سکتا ہے، اسی خوش فہمی کی وجہ سے بلا کسی تمہید کے مذہبی گفتگو کا آغاز کر دیا، جبکہ مولانا کیرانوی اس کیلئے بالکل تیار نہ تھے اور نہ اس خیال سے گئے تھے لیکن جب پادریوں نے جال بچھا دی تو مولانا کیرانوی کو مجبوراً اس سے بچاؤ کی تدبیریں اختیار کرنی پڑیں اور جوں جوں گفتگو دراز ہوتی گئی پادریوں کے گلے کا پھندا کستا گیا یہاں تک کہ اب ان کا دم گھٹنے لگا چہرے پر ندامت کی سرخی چھانے لگی مگر یہ احساس ان کو بہت بعد میں ہوا کہ

شکار کرنے کو آئے مگر شکار ہو کے چلے

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۵)

پادری فنڈر سے خط و کتابت

آگرہ کا پہلا سفر اتفاقیہ تھا، دہلی میں ڈاکٹر وزیر خاں نے آپ کو آگرہ چلنے کی دعوت دی تھی جبکہ آپ اپنی ایک کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں دہلی تشریف لے گئے تھے کتاب پریس میں دے کر آپ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آگرہ تشریف لے گئے اور پادری فرنچ اور پادری کٹی سے ملاقات ہوئی لیکن اس مختصر سی ملاقات نے مولانا کیرانوی کی راہ کی مشکلات کو ذہن وفکر میں بہت ہلکا کر دیا، پادریوں سے مجمع عام میں مناظرہ کرنے میں جو متوقع خطرات تھے وہ تو اپنی جگہ رہے لیکن مولانا کیرانوی کی نگاہ میں اب ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی، آگرہ پہونچ کر وہاں کے علماء اور عوام و خواص سے مل کر آپ نے یہ بھی اندازہ لگالیا کہ تبلیغ عیسائیت کا فتنہ ایک خطرناک مستقبل کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے اگر اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھا گیا تو پورے ملک کو بہا لے جائے گا اور خدا کے یہاں ہم مواخذہ سے نہیں بچ سکیں گے کیوں کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی لو اس طرح جھلملاتی نظر آئی کہ جیسے کوئی معمولی جھونکا بھی اس ٹمٹماتی ہوئی شمع کو بجھا سکتا ہے اس تصور نے مولانا کیرانوی کو بے چین کر دیا اور آپ نے آگرہ ہی میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس سیلابِ بلا کو روکنا وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہے اگر میری لاش ہی اس سیلاب کو روک سکتی ہے تو وہ بھی اس راہ میں کام آجائے تو میں اسے اپنی سعادت سمجھوں گا آگرہ کے اس سفر سے حریف کی طاقت کا بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ کن مسائل کو چھیڑ سکتے ہیں، مذہب عیسوی اور انجیل کے سلسلہ

میں ہمارے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات کس طرح اور کن مآخذ سے دیتے ہیں اور پھر اس سلسلہ میں ان کا مبلغ علم کیا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ پادریوں سے بحث ومباحثہ میں انھیں کی کتابوں سے ان پر اعتراضات ہی سب سے مفید طریقہ بحث ہے کیوں کہ ان کو تسلیم کرنے سے وہ کسی حال میں انکار نہیں کر سکتے اسلئے مذہب عیسوی کی قدیم کتابوں، عہد قدیم وجدید کے بارے میں بنیادی معلومات، ان کتابوں کے شارحین ومفسرین کے خیالات واختلافات اور خود عیسائیوں کے فرقوں میں مابہ النزاع مسائل کیا ہیں، ہر فریق دوسرے فریق پر کیا لزامات عائد کرتا ہے اور ان کے اعتراضات کیا ہیں؟ کیوں کہ ایک فریق دوسرے فریق کو گمراہ کہتا ہے تو وہ کیا الزام عائد کرتا ہے پھر توریت وانجیل کے اصل نسخوں کے سلسلہ میں ان کے اسلاف کی کیا رائیں ہیں اور اس کے کن کن جزوں کی صداقت پر اظہار اطمینان نہیں کرتے اور کن اجزاء کو جھوٹ اور الحاقی کہتے ہیں جب تک یہ معلومات وسیع تر مطالعہ سے فراہم نہ کرلی جائیں پادریوں کی زبان کو لگام نہیں دی جاسکتی، مولانا کیرانوی نے آگرہ سے واپسی کے بعد تین مہینے بھرپور عیسائی لٹریچر کے مطالعہ میں صرف کئے اور عیسائیت اور کلیسا کی پوری تاریخ کا اتنا مکمل مطالعہ کیا کہ ان کے بڑے سے بڑے عالم کا بھی مطالعہ شاید اتنا وسیع نہ رہا ہو، اب وہ ہر طرح مطمئن اور پورے اعتماد کے ساتھ عیسائیت کے تیز رَو دھارے میں کود پڑنے کیلئے تیار ہو گئے اور آپ نے عزم بالجزم کرلیا، ہر چہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم، مولانا کیرانوی جنوری میں آگرہ گئے تھے دو تین دنوں کے بعد واپس آگئے تھے اس وقت وہاں کے اکابر علماء اور سر برآوردہ مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ پادریوں سے مجمع عام میں مناظرہ ضروری ہے تاکہ پادریوں کی یکطرفہ تقریروں سے مسلمانوں میں تذبذب اور شک وارتیاب کا جوز ہر پھیل رہا ہے اس کا سد باب ہو جائے اس وقت تو آپ نے ان کو یہی

جواب دیا تھا کہ اس کیلئے پوری تیاری ضروری ہے کیوں کہ پادریوں کی پشت پر پوری حکومت ہے، ہر جگہ کی انتظامیہ ہے اور حکومت کے ہندوستانی ملازمین کا بھی کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں، اس لئے ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کیلئے خود کو تیار کرنا ہوگا تبھی پادریوں سے مجمع عام میں مناظرہ ہوسکتا ہے، دوسری طرف پادری فنڈر اپنی ہمہ دانی کے زعم میں دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوکر برابر مسلمانوں کو چیلنج کر رہا تھا، مولانا کیرانوی ان حالات سے بھی پوری طرح باخبر تھے اسلئے کہ کیرانہ میں تین مہینے کی تیاریوں کے بعد مارچ میں آگرہ جانے کے ارادہ سے دہلی تشریف لے گئے۔

اب آپ کے سامنے کام کا پورا خاکہ تھا آپ نے دہلی پہونچ کر سب سے پہلے مہاراجہ بنارس کے مختار مولوی امیر اللہ سے ملاقات کی جو مولانا کیرانوی کے بہت ہی مخلص دوستوں میں سے تھے اور حکومت میں اثر رکھتے تھے اور خود پادری فنڈر سے بھی ان کا تعارف تھا، آپ نے ان سے مل کر اپنا عندیہ ظاہر کیا کہ میں پادری فنڈر کے چیلنج کو منظور کرنے کیلئے تیار ہو کر آیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ آگرہ چلیں اور پادری فنڈر سے بالمشافہہ گفتگو کر کے مناظرہ کے شرائط، مقام اور تاریخ طے کر لی جائے، مولوی امیر اللہ تیار تھے اور مولانا کیرانوی کے ہمراہ آگرہ پہونچ گئے۔

آگرہ پہونچنے کے بعد دونوں حضرات پادری فنڈر کی قیامگاہ پر گئے وہاں پہونچنے کے بعد معلوم ہوا کہ پادری فنڈر گھر پر نہیں ہیں، دونوں حضرات بے نیل مرام وہاں سے واپس ہو گئے لیکن دل میں چونکہ عزم راسخ تھا اس لئے آپ مایوس نہیں ہوئے اور آگرہ میں ٹھہر گئے، (۱) اور یہ طے کر لیا کہ جب تک پادری فنڈر سے مناظرہ کی حتمی وقطعی تاریخ طے نہیں ہو جاتی یہاں قیام کریں گے، مولوی امیر اللہ صاحب مختار

---

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

مہاراجہ بنارس سرکاری مصروفیتوں کی وجہ سے دہلی لوٹ گئے، اب آپ نے بالمشافہہ بات کرنے کے بجائے مصلحت یہ سمجھی کہ تمام معاملات تحریری طور پر طے کئے جائیں تا کہ سندر ہیں اور وقت ضرورت کام آئیں چنانچہ آپ نے خط وکتابت کا سلسلہ شروع کردیا اس طرح آپ کو مسلسل دو ہفتوں سے زائد وقت اس خط وکتابت میں صرف کرنا پڑا، یہ سارے خطوط تاریخی دستاویز ہیں اس لئے اسی زمانہ میں سید عبد اللہ اکبرآبادی نے دونوں طرف خطوط لے کر ایک رسالہ میں جمع کردیا اور چھپوا کر عام کردیا تھا، خطوط تو اردو میں لکھے گئے تھے لیکن سید عبد اللہ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کرکے ترجمہ شائع کیا کیوں کہ اس دور میں اہل علم کی زبان فارسی تھی اردو میں کم لکھتے پڑھتے تھے ان خطوط کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے مولانا کیرانوی کی سوانح حیات میں ان کا ہونا ضروری محسوس ہوتا ہے اس لئے میں ان خطوط کو اس کی اصل زبان اردو میں نقل کررہا ہوں تا کہ محفوظ ہو جائیں ان خطوط سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ مولانا کیرانوی کو پادری فنڈر کو گھیرنے میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑے اسی سے مولانا کیرانوی کے اخلاص، جوش عمل اور عظمت کردار کا بھی پتہ چلتا ہے، اسی لئے ان خطوط کو مکمل نقل کرنا ہی تاریخی دیانت داری ہے۔

مولانا کیرانوی کا پہلا خط: آپ مولوی امیر اللہ کے ساتھ پادری فنڈر کی قیام گاہ پر گئے تھے تا کہ اس سے بالمشافہہ گفتگو کر کے اس کو مجمع عام میں مناظرہ کرنے پر آمادہ کرسکیں مگر اتفاق سے وہ گھر پر موجود نہیں تھا اور ملاقات نہیں ہوئی جب وہ آگرہ آیا تو آپ نے اس کو خط لکھا،

۲۲/ مارچ ۱۸۵۴ء

میں آپ کے شہر آگرہ میں ایک کام سے آیا تھا اور اس میں مصروف تھا اب میں اس کام سے فارغ ہو گیا ہوں، اب دہلی جانے کا ارادہ ہے۔

میرے دل میں قطعی دلائل کی بنیاد پر یہ بات پیوست ہے کہ توریت اور انجیل دونوں منسوخ ہو چکی ہیں اور ان میں تحریفات بھی ہوگئی ہیں اب سوائے دین اسلام کے کوئی مذہب حق نہیں، میرا یہ یقین اتنا پختہ ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف میرے دل ودماغ میں وہم بھی نہیں گذرتا، میں نے آپ لوگوں کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے کئی کتابوں کے میں نے جوابات بھی لکھے ہیں۔

آپ کو ملت اسلامیہ کی تردید میں زیادہ دلچسپی ہے اور اس کیلئے آپ پوری جدوجہد کرر ہے ہیں، مجھے مخدوم ومحترم امیر اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ کو اپنے علمی کمال کی وجہ سے دوسروں سے علمی مباحثہ جس طرح تحریری طور پر پسند ہے اسی تقریری بحث ومناظرہ سے بھی آپ کو دلچسپی ہے، آپ نے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے درِدولتکدہ پر حاضری دوں اس لئے میں فاضل محترم مولوی امیر اللہ صاحب کی معیت میں حاضر ہوا بھی تھا مگر افسوس کہ آپ سے شرف ملاقات حاصل نہ ہوسکا کیونکہ آپ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے یہ میری بدقسمتی تھی کہ آپ کے گھر سے ناکام واپس ہوا۔

میری خواہش ہے کہ مذکورہ مسائل پر کچھ لوگوں کی موجودگی میں آپ کی تقریر سنوں اور اس سے استفادہ کروں، حاضرین میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے اہل علم شامل ہوں اور میں اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کروں تاکہ حاضرین آپ کے افادات کی قدروقیمت کو سمجھ سکیں آپ نے اپنی کتاب کے آغاز میں غیر مبہم لفظوں میں تحریر فرمایا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان متنازع فیہ مسائل میں نسخ وتحریف سب سے اہم مسئلہ ہیں اور سب سے بڑا اختلاف دونوں میں اسی مسئلہ پر ہے، آپ نے لکھا

ہے کہ سب سے پہلے اسی مسئلہ پر گفتگو ضروری ہے، راقم الحروف بھی آپ کی رائے سے سو فیصد متفق ہے اور اس کی تائید کرتا ہے اور بڑی خوشدلی کیساتھ اس بات پر تیار ہے کہ پہلے انھیں دونوں مسئلوں پر گفتگو کی جائے ، ان دونوں مسئلوں پر سیر حاصل گفتگو کے بعد پھر اور دوسرے مسائل پر گفتگو ہو جو فریقین متفقہ طور پر آپس میں طے کرلیں ، اگر جناب عالی کو میری یہ درخواست منظور ہے تو از راہ کرم ہمارے اور آپ کے درمیان بحث و مباحثہ کیلئے کوئی بھی تاریخ اور مقام متعین فرمادیں اور مجھے مطلع فرماویں کہ میں آگرہ میں قیام پذیر رہوں اور وقت پر حاضر ہو جاؤں اور اس سے فارغ ہو کر دہلی واپس جاؤں، اس لئے کہ اس شہر میں میرا اور کوئی دوسرا کام نہیں ہے، میں امید کرتا ہوں کہ منظوری یا نامنظوری سے مطلع فرمائیں گے۔

میں نے دہلی میں اپنی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی امید ہے کہ آپ کو مل گئی ہوگی اور میرا غالب گمان ہے کہ میرا دوسرا رسالہ ''احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث'' بھی آپ کو مل گیا ہوگا، میری تیسری کتاب ''اعجاز عیسوی'' جس کی ترتیب سے میں انھیں دنوں فارغ ہوا ہوں، عنقریب آپ کی خدمت میں پیش کروں گا اس کتاب میں میں نے آپ کی کتاب ''میزان الحق'' کے باب اول کی تیسری فصل کو مکمل کرکے اس کے ایک ایک جملہ کا جواب دیا ہے، اس کے بعد انشاء اللہ ایک اور کتاب ''ازالۃ الشکوک'' بھی جلد ہی آپ کو پہونچے گی جس میں کراچی کے نئے عیسائی ہونے والے ایک ہندوستانی پادری کے سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں، عرصہ ہوا کتاب مرتب ہو چکی ہے لیکن آگرہ آجانے کی وجہ سے اس کی طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے میں جوں ہی یہاں سے

دہلی لوٹوں گا وہ کتاب طبع ہو جائے گی۔

میرے ایک دوست نے آپ کی کتاب ''حل الاشکال'' کا جواب ''الاستشہاد'' کے نام سے لکھا ہے وہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا ،آپ کی کتاب ''میزان الحق'' کے جواب میں میں نے ایک کتاب ''معدل اعوجاج المیزان'' کے نام سے لکھی ہے وہ عنقریب طبع ہو جائے گی اور آپ کے پاس پہونچے گی ،**ھدانا اللہ عبادہ اجمعین الیٰ معرفۃ الحق ووفقنا للسلوک علی الطریق المستقیم وخلصنا من التعقب والامور المضرۃ للآخرۃ آمین** (۱)

رحمت اللہ

مولانا کیرانوی کا یہ خط بہت طویل نظر آ رہا ہے جبکہ یہ موقع مختصر خط کا تھا لیکن یہ آپ کی دانشمندی اور انسانی نفسیات سے آگاہی کا بہت بڑا ثبوت ہے اس لئے یہ طویل خط ہی ضروری تھا، پادری فنڈر انتہائی مغرور، لفاظ، چرب زبان، انانیت پسند اور تعلّی آمیز گفتگو کا رسیا اور اپنے علمی تفوق وکمال کا مظاہرہ کرنے والا اور اپنی کتاب کو الہام کا رتبہ دینے والا متکبر انسان تھا چونکہ اس کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اس لئے اس کے غرور و پندار کا پارہ بہت اونچا چڑھا ہوا تھا، ضرورت تھی اس کو نارمل سطح پر لایا جائے اس لئے مولانا کیرانوی نے اپنے پہلے خط میں اپنی متعدد کتابوں کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ علماء اسلام آپ کے علمی مقام ومرتبہ اور آپ کے فرضی الہام کے دعوے کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں اور آپ کی ساری لن ترانیوں کے منہ میں لگام دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، خود مکتوب نگار نے مسلسل آپ کے مزعومات کے خلاف کتابیں

---

(۱) فریقین کے خطوط کا مجموعہ ''مراسلات مذہبی'' کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوا تھا، ہم نے یہ خطوط ''المناظرۃ الکبریٰ'' مولفہ ڈاکٹر عبدالقادر حنبل سے لیا ہے، اسیر ادروی

لکھ کرآپ کی علمی قابلیت سے پردہ اٹھادیا ہے۔

یہ نفسیاتی حربہ تھا جس کا مولانا کیرانوی نے بروقت استعمال کر کے حریف کے طائرفکر کی بلند پروازی کو محدود کرنے کیلئے اس کے پروں کو کترنے کا آغاز کیا ہے اور بتادیا کہ آپ ایک کتاب لکھ کرالہام کی غلط فہمی میں پڑ گئے، ہم نے آپ کے فرضی الہام کی قلعی کھولنے کے لئے مدلل کتابیں لکھ دی ہیں، یہ لندن نہیں ہندوستان ہے عیسائیت کواندھی عقیدت کی نگاہ سے نہیں یہاں ایک باطل مذہب کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اوراس کیلئے ان کے پاس ناقابل تردید دلائل ہیں، ظاہر ہے کہ ان حالات میں مولانا کیرانوی کے خط کودراز ہی ہونا موزوں ترین تھا، مولانا کیرانوی کا خط پادری فنڈر کومل گیا اوراس نے دوسرے ہی دن آپ کے خط کا جواب دیا اس نے اپنے خط میں مولانا کیرانوی سے صورت حال بتائی، اس کا خط یہ ہے۔

۲۳/مارچ ۱۸۵۴ء

آپ کا مکتوب گرامی ملا، حالات معلوم ہوئے، مجھے یہ معلوم کر کے افسوس وہا کہ آپ میرے گھر پرتشریف لائے اور مجھ سے ملاقات نہ ہوسکی مجبوری یہ تھی کہ میں گھر پرنہیں تھا اورآپ کی تشریف آوری کی مجھے پہلے سے اطلاع نہیں تھی، میں نے جناب امیر اللہ صاحب سے آپ کی تشریف آوری کے لئے نہیں لکھا تھا، البتہ اتنی بات ضرور ہوئی تھی کہ اگر مجمع عام میں مناظرہ کی ضرورت ہے تو ہماری ملاقات ہونی ضروری ہے، آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ مسلمانوں اورعیسائیوں کے عام اجتماع میں مباحثہ چاہتے ہیں، میرے نزدیک اگر چہ یہ کوئی مفید کام نہیں ہے لیکن میں آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، البتہ میں دوتین اہم ترین افسران سے اس سلسلہ میں مشورہ کر کے آپ کو تاریخ اور مقام سے مطلع کروں گا، پھراس کے

بعد مجلس مناظرہ منعقد ہوگی ، بہتر یہ ہوگا کہ مجلس مناظرہ میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے ، اول یہ کہ موضوع مناظرہ، جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے نسخ و تحریف ہو، دوسرے یہ کہ ان مسائل پر بھی بحث ہو جن کو طرفین منتخب کریں، تیسرے یہ کہ دوران مناظرہ کوئی غیر متعلق مسئلہ ہرگز نہ چھیڑا جائے ، چوتھے یہ کہ مجلس مناظرہ میں ایک ثالث یا حکم ہونا چاہیے تا کہ مجلس مناظرہ کو با قاعدگی کے ساتھ چلائے۔

پی۔فنڈر

پادری فنڈر کا خط پا کر مولانا کیرانوی کو خوشی ہوئی کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی ،اور پادری فنڈر مناظرہ کے لئے تیار ہو گیا اور جب مجلس مناظرہ کا انعقاد طے ہو گیا تو آپ نے چند پیش بندیاں ضروری سمجھیں کیونکہ پادری فنڈر کی پشت پر حاکمان وقت ہوں گے اور وہ اپنے حاکمانہ اقتدار کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں اور مسلمان اس درجہ احساس کمتری میں مبتلا کیا جاچکا ہے کہ انگریز حکام کی بیجا مداخلت کے خلاف طاقتور آواز میں احتجاج کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا ،عیسائیت کے مقابلہ میں آنے والے اہل علم پر حاکمانہ رعب ڈال کر خاموش بھی کر سکتے ہیں اور پھر اس کے بعد افواہ پھیلا دی جائے گی کہ مسلمان لا جواب ہو کر مجلس مناظرہ سے فرار اختیار کر گیا، یہ اسلام اور مسلمانوں کی بڑی رسوائی کی بات ہوگی، اسلئے آپ نے فوراً دوسرا خط پادری فنڈر کے نام تحریر فرمایا۔

مولانا کیرانوی کا دوسرا خط: مولانا کیرانوی نے فنڈر کا خط ملنے کے دوسرے دن جواب تحریر فرمایا۔

۲۴ رمارچ ۱۸۵۴ء

آپ کا گرامی نامہ ملا، مجمع عام میں مناظرہ کرنے پر آپ نے آمادگی ظاہر

فرمائی اس کا شکریہ، خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلاح ومشورہ کے بعد دن، تاریخ، وقت اور مقام سے مطلع فرمائیں گے، آپ نے چار امور کی پابندی کیلئے تحریر فرمایا ہے، جس میں پہلی بات یہ کہ پہلے نسخ وتحریف کے مسئلہ پر گفتگو ہو، آپ کی رائے کے مطابق مجھے بسر وچشم منظور ہے، تیسری بات آپ نے یہ تحریر فرمائی کہ موضوع مناظرہ سے ہٹ کر کسی دوسرے مسئلہ پر گفتگو نہ ہو، یہ رائے بھی اصول مناظرہ کے مطابق ہے اور مجھے منظور ہے، نمبر ۲ پر جو شرط آپ نے تحریر فرمائی ہے کہ طرفین کی رضامندی سے کسی دوسرے مسئلہ پر گفتگو ہوسکتی ہے یہ جملہ مبہم ہے، اس کی وضاحت فرمائیں تو کرم ہوگا تاکہ اس کی منظوری سے بھی آپ کو مطلع کروں۔

چوتھی بات آپ نے ایک حکم اور ثالث کی تحریر کی ہے شاید اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بڑا انگریز افسر حکم اور ثالث بنایا جائے، میں اس شہر آگرہ میں مسافر ہوں یہاں کے اکابر سے میں قطعاً ناواقف ہوں اس لئے میں کسی ثالث یا حکم کے بارے میں اپنی رضامندی کس طرح ظاہر کرسکتا ہوں، اگر کسی مسلمان کو ثالث بنایا جائے تو میرا خیال ہے کہ آپ اس کو پسند نہیں کریں گے جبکہ یہ مناظرہ نازک ترین اور اہم ترین مسائل پر ہو رہا ہے اس لئے ثالث چاہے مسلمان ہو یا عیسائی، کوئی بھی شک وشبہہ سے بالاتر نہیں ہوسکتا، عوام کے دلوں میں بدگمانی ہوگی، اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس شرط کو ختم کردیا جائے تو بہتر ہوگا اور پھر ثالث اور حکم کا ہونا غیر ضروری بھی ہے کیونکہ مجلس مناظرہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے اہل علم ہوں گے، تہذیب یافتہ ہوں گے اس لئے کسی بدنظمی کا امکان نہیں ہے۔

راقم الحروف چونکہ انگریزی سے ناواقف ہے دونوں فریق کی کتابوں کے

حوالے، ان کی عبارتیں پیش کرنے کی ضرورت ہوگی ان میں کچھ کتابیں انگریزی میں بھی ہیں اسلئے میں اپنے معاون کے طور پر ڈاکٹر وزیر خاں کو رکھنا چاہتا ہوں، آپ اپنے لئے بھی کسی کو معاون منتخب کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ دوران مناظرہ کسی دوسرے کو دخل اندازی کی اجازت نہ ہوگی سوائے ان چار افراد کے کوئی بھی گفتگو نہیں کرسکتا، میری مراد اس سے آپ اور آپ کے معاون اور راقم الحروف اور میرے معاون ڈاکٹر وزیر خاں۔

رحمت اللہ کیرانوی

پادری فنڈر کا جواب: مولانا کیرانوی کے خط کے جواب میں دوسرے ہی دن پادری فنڈر نے جو خط لکھا اس میں آپ کی تجویزوں کو منظور کر کے اپنی خود اعتمادی کا بھرپور مظاہرہ کیا شاید اس لئے کہ ابتک اس کی کسی بات کی تردید کسی نے نہیں کی اور آج تک اس کے چیلنج کو منظور کرنے کی کسی نے جرأت نہیں دکھائی، پادریوں کا سرخیل ہونے کے ناطے اس کو خود اعتمادی کا مظاہرہ کرنا ہی چاہئے تھا، اس نے لکھا:

۲۵/مارچ ۱۸۵۴ء

میرے خط کے جواب میں آپ کا گرامی نامہ ملا، حالات سے آگاہی ہوئی، میری بھی خواہش یہی ہے کہ دونوں طرف سے دو دو آدمی ہوں، آپ کی تجویز مجھے منظور ہے اور یہ بھی منظور ہے کہ کوئی حکم اور ثالث نہ ہو، ڈاکٹر وزیر خاں کا آپ کے شریک کار ہونے پر بھی میں راضی ہوں، میرے معاون پادری فرنچ ہوں گے لیکن وہ آج ہی تبدیلی آب و ہوا کے لئے علی گڈھ جا رہے ہیں ان کی واپسی دو ہفتے بعد ہوگی اس لئے مجلس مناظرہ ان کی آمد تک ملتوی رہے گی، ان کے آتے ہی تاریخ مقرر کر دی جائے گی۔

اس طرح کے مناظروں کی مجلسوں میں عام طور پر لوگوں کو شریک ہونے کی خواہش ہوتی ہے اس لئے اس مجلس مناظرہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے بہت سے افراد شریک ہوں گے بہت سے انگریز افسران بھی شریک مجلس ہوں گے، شہر آگرہ کے معززین بھی آسکتے ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ مجلس مناظرہ میں وہ کسی طرح کی دخل اندازی نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ کوئی اچھی بات ان کے ذہن میں آئے تو وہ اس کا اظہار کردیں اس کی ممانعت نہیں ہونی چاہئے، البتہ مباحثہ میں دخیل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، گفتگو میں دونوں فریق کے دو دو آدمیوں ہی کو بولنے کی اجازت ہوگی،

پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا تیسرا خط: پادری فنڈر کا خط اطمینان بخش ضرور تھا لیکن مولانا کیرانوی نے اپنے خط میں پادری فنڈر کی جس شرط کی وضاحت چاہی تھی پادری فنڈر نے اپنے خط میں اس کا ذکر تک نہیں کیا جبکہ اس شرط کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور بعض دشواریاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں اگر اس شرط کے حدود متعین ہوتے تو ذہنی خلجان دور ہوجاتا اس لئے مولانا کیرانوی نے اپنے خط میں پھر اس کی یاددہانی فرمائی، آپ نے پادری فنڈر کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

۲۶/مارچ ۱۸۵۴ء

میرے خط کے جواب میں آپ کا مکتوب گرامی ملا، آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ چوتھی شرط (ثالث ہونا) کے کالعدم کرنے پر راضی ہیں اور آپ نے اس کو پسند بھی کرلیا کہ جانبین سے دو دو آدمی ہوں، ڈاکٹر وزیر خاں کا میرا شریک ہونا بھی آپ کو منظور ہے، آپ نے پادری فرنچ کو اپنا شریک بنایا ہے اور دو ہفتوں کی مہلت چاہی ہے کہ پادری فرنچ علی گڈھ

جا رہے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ میں اس شہر میں مسافر ہوں اور یہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکتا ہوں۔

میں نے اپنے خط میں آپ کی طرف سے پیش کردہ شرط ثانی کی وضاحت چاہی تھی لیکن جواب خط میں اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں لکھا گیا ہے، آپ کی عنایتوں کے پیش نظر آپ سے تین امور کی استدعا کرتا ہوں امید کہ منظور فرمائیں گے۔

۱۔آپ کے حکم کے مطابق میں نے دو ہفتوں تک مجلس مناظرہ کے التواء کو منظور کرلیا ہے آئندہ مزید مہلت نہ لی جائے اور نہ تاخیر کی جائے۔

۲۔آپ کی عائد کردہ دوسری شرط کی وضاحت تاکہ میں قبول یا عدم قبول کی رائے دے سکوں۔

۳۔اس دو ہفتہ کی مدت میں مقام مناظرہ کی تعیین فرمادیں کہ مناظرہ کس جگہ ہوگا؟ کم ازکم تین چار دن پہلے مجھے قطعی طور پر معلوم ہونا چاہئے،

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ رحمت اللہ کیرانوی

پادری فنڈر کا جواب: مولانا کیرانوی کے مندرجہ بالا خط کے جواب میں جواب طلب امور کی وضاحت کردی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی نیت میں فتور کوئی نہیں تھا، الفاظ اتنے مختصر اور مجمل لکھے تھے کہ اس کی وجہ سے ذہن میں خلجان تھا، مناظرہ اور وہ بھی ایسے خطرناک ماحول میں یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کی وضاحت کرالینی ضروری سمجھی، پادری فنڈر نے مولانا کیرانوی کے خط کے جواب میں لکھا:

۲۷/مارچ ۱۸۵۴ء

مکتوب گرامی ملا حالات معلوم ہوئے، پادری فرنچ کی دو ہفتے میں حاضری ہوجائے گی، دو ہفتہ سے زیادہ مدت دراز نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں

فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، مجلس مناظرہ کا انعقاد اس کٹرہ میں ہوگا جس میں پہلے بھی ایک مدرسہ تھا، مجلس مناظرہ کا وقت صبح ساڑھے چھ بجے سے آٹھ بجے تک ہوگا اس سے زیادہ انگریز افسران نہیں ٹھہر سکتے ۔ فی الحال مناظرہ کی تاریخ طے کرنے سے معذوری ہے پادری فرنچ کی واپسی کے بعد قطعی تاریخ سے مطلع کروں گا۔

دوسری شرط کی وضاحت کے سلسلہ میں عرض ہے کہ (جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے) نسخ اور تحریف کے مسئلہ پر مباحثہ تمام ہونے کے بعد فریقین جن مسائل پر بحث کے لئے متفق ہوں گے انھیں پر مباحثہ ہوگا، میں نے اپنے خط میں اسی طرف اشارہ کیا تھا، میں نے لکھا تھا کہ پہلے نسخ وتحریف کے مسئلہ پر گفتگو ہوگی پھر ایسے مسئلہ پر ہوگی جس کو فریقین پسند کریں ،میری خواہش ہے کہ ان دونوں کے بعد اثبات نبوت محمدی پر گفتگو ہو، آپ نبوت محمدی پر دلائل پیش کریں۔ پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا چوتھا خط: مولانا کیرانوی کی مراد برآئی اور دل مطمئن ہوا، البتہ مناظرہ کا وقت ایک تو نامناسب تھا اور کم بھی تھا، ہر فریق جب فریق مخالف کا جواب دے گا تو دلائل پیش کرے گا، کتابوں کے حوالے پیش کرے گا، کتابیں کھول کر دکھائے گا، سوال کی خامیوں پر روشنی ڈالے گا اور اس کو روکا نہیں جاسکتا، ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت تو ہوا کی طرح اُڑ جائے گا، اسلئے آپ وقت بدلنا بھی چاہتے تھے اور ان میں اضافہ بھی کرنا چاہتے تھے تاکہ مسائل پر سیر حاصل گفتگو کا موقعہ ملے اس لئے پادری فنڈر کے خط کا جواب لکھا:

۲۸ / مارچ ۱۸۵۴ء

آپ کا خط موصول ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ مناظرہ کا التواء دو ہفتے سے

زائد نہیں ہوگا اور مقام مناظرہ وہ کٹرہ ہوگا جس میں مدرسہ تھا، مناظرہ کا وقت صبح ساڑھے چھ بجے سے آٹھ بجے تک ہوگا، مجھے اس اطلاع سے بے حد خوشی ہوئی اور میں پوری صدق دلی سے اس کو تسلیم کرتا ہوں، مناظرہ کا وقت صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہوگا، مجھے دو وجہوں سے پسند نہیں۔

ا۔ظاہر ہے کہ آپ حضرات ایک دن تشریف لائیں گے اور وقت صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہے، جلسہ گاہ میں آنے کے بعد لوگوں کے آنے کا انتظار ہوگا جس میں آدھا گھنٹہ گذر جائے گا، صرف ایک گھنٹہ باقی بچے گا اتنے کم وقت میں ایک ہی مسئلہ پر فیصلہ کن بحث نہیں ہو سکتی جبکہ ہم کو تین اہم ترین مسئلوں پر فیصلہ کن اور سیر حاصل گفتگو کرنی ہے جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے۔

۲۔دوسرے یہ کہ میرے معاون ڈاکٹر وزیر خاں کو صبح کے وقت سرکاری کام کی وجہ سے فرصت نہیں ہوگی میں اگر چہ ان کا محتاج نہیں ہوں اور نہ مجھے ان کی اعانت کی ضرورت ہے کہ ان کے بغیر میں مناظرہ میں شریک ہی نہ ہوں ، میں یہاں پردیسی ہوں شہر کے لوگوں سے تعارف نہیں کہ میں کسی ایسے شخص کو ساتھ لے لوں جو انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہو کیونکہ حوالے کے وقت اصل کتاب دیکھ کر اعتماد کیا جا سکے اس کیلئے انگریزی جاننا ضروری ہے بس اسی شدید ضرورت کی وجہ سے بھی ان کو اپنا شریک بنا رہا ہوں، آپ کے پاس ہمت بلند بھی ہے اور تمام پادریوں میں آپ کو شرف امتیاز بھی حاصل ہے اس لئے میں آپ سے التماس کرتا ہوں ہوں کہ آپ درج ذیل دو باتوں کو تسلیم کریں۔

ا۔وقت میں اضافہ کیجئے اس کو برداشت کیجئے کہ سامعین زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکیں گے اور نہ آخر مجلس تک جمے رہیں گے، جس کا جب جی چاہے اٹھ کر

چلا جائے، البتہ آپ حضرات مجلس مناظرہ سے اس وقت تک نہ اُٹھیں جب تک فیصلہ کن گفتگو نہ ہو جائے اس صورت میں بہت سے عیسائی، مسلمان اور ہندو مجلس مناظرہ میں آخر تک موجود رہیں گے انشاء اللہ اگر معزز انگریز افسران چلے جاتے ہیں تو ان کو جانے دیجئے اگر آپ لوگ ایک دن اتنی مشقت نہیں برداشت کر سکے تو روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت مقرر کر لیجئے اور جب تک تمام مسائل پر مباحثہ نہ ہو جائے مناظرہ کا سلسلہ جاری رہے تا کہ فریقین کے سامنے حق ظاہر و باہر ہو جائے

۲۔ یا تو مناظرہ اتوار کے دن دس بجے کے بعد رکھئے کیونکہ وہ فرصت کا دن ہے اور ان تمام لوگوں کو فرصت ہوگی جو انگریزی حکومت سے وابستہ ہیں اور آپ لوگوں کو بھی دس بجے کے بعد مقررہ عبادت سے فرصت ہو چکی ہوگی، ڈاکٹر وزیر خاں کو بھی خستہ خانہ کے بند ہونے کی وجہ سے فرصت ہوگی اور تمام انگریز افسران بھی خالی ہوں گے اور شہر کے لوگ بھی کھانے پینے سے فارغ ہو چکے ہوں گے، اور اگر اتوار کا دن رکھنے میں آپ کو کوئی دشواری ہو تو پھر کوئی اور دن مقرر کر لیجئے مگر وقت دس بجے کا ہوگا۔

رحمت اللہ کیرانوی

گفتگو جاری رہی: پادری فنڈر کو مولانا کیرانوی کی ان تجویزوں میں سے کوئی تجویز پسند نہیں آئی، مولانا کیرانوی کے ذہن میں ہندوستانی باشندوں کا ذہن ومزاج تھا اور پادری فنڈر کو معزز انگریزوں کی رعایت محبوب خاطر تھی ان کی شان وشوکت، رعب داب، آرام وآسائش کو ملحوظ خاطر رکھنا اس کیلئے ضروری تھا کیونکہ انھیں کے زیر سایہ اس کی ساری لن ترانیاں تھیں اس لئے ان سے صرف نظر کر کے پادری فنڈر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا، اس لئے اس نے مولانا کیرانوی کے خط کے جواب

میں لکھا:

۲۸؍مارچ ۱۸۵۴ء

آپ کا مکتوب گرامی ملا، میں نے اپنے خط میں مناظرہ کا وقت صبح ساڑھے چھ بجے سے آٹھ بجے تک لکھا تا کہ مناظرہ ڈیڑھ گھنٹہ چلے ان دو باتوں کو تسلیم کرنے میں آپ کو عذر ہے، میرے انداز تحریر سے آپ نے یہ خیال فرمالیا کہ میں مجلس مناظرہ میں صرف ایک دن حاضر ہوں گا، آپ کا خیال صحیح نہیں، میں مجلس مناظرہ میں اس وقت تک حاضر ہوتا رہوں گا جب تک متنازع فیہ مسائل پر فیصلہ کن بحث نہ ہو جائے اور جب تک مناظرہ چلتا رہے گا میں روزانہ حاضری دیتا رہوں گا لیکن مناظرہ صبح ہی اور ڈیڑھ گھنٹہ ہی روزانہ چلے گا اس کے خلاف نہیں ہوگا کیونکہ معزز انگریزوں کیلئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وقت مناسب نہیں ہے آپ نے اتوار کے دن مجلس مناظرہ منعقد کرنے کا جو مشورہ دیا ہے وہ بھی ممکن نہیں، اور یہ بھی دشوار ہے کہ روزانہ پابندی سے مناظرہ ہوتا رہے، صرف یہ ہوسکتا ہے کہ ہفتہ میں دو تین دن مناظرہ اور بقیہ دن خالی ہوں، پادری فرنچ کی سفر سے واپسی کے بعد آپ کو مناظرہ کی قطعی تاریخ سے مطلع کر دوں گا۔

پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا پانچواں خط: خط و کتابت طول کھینچتی جارہی تھی کوئی اطمینان بخش لائحۂ عمل اور خاکہ مرتب نہیں ہورہا تھا اس لئے مولانا کیرانوی کو الجھن ہورہی تھی سب سے بڑی پریشانی وقت کی تبدیلی اور اس میں اضافہ کیلئے پادری فنڈر کسی طرح تیار نہیں ہورہا تھا ہر دم اور ہر خط میں معزز انگریزوں کی بات چھیڑتا رہتا تھا کہ صبح کے ٹھنڈے وقت میں ان کی حاضری ہوسکتی ہے کیونکہ وہ معزز رؤسا میں سے

ہیں، ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ روکنا بھی ان کی شان کے خلاف ہے اور ان کو تکلیف بھی ہوگی، مولانا کیرانوی کے کان اس بات کو سنتے سنتے پک گئے، آپ نے جھنجھلا کر پادری فنڈر کو تحریر فرمایا:

۳۰ / جمادی الآخر ۱۲۷۰ھ (۳۰ / مارچ ۱۸۵۴ء)

آپ کا مکتوب گرامی ملا، خط پڑھ کر مجھے انتہائی حیرت ہوئی کہ آپ نہ وقت بدلنے پر راضی ہیں اور نہ وقت میں اضافہ کرنے کیلئے تیار ہیں اور نہ اتوار کو مجلس مناظرہ منعقد کرنے پر راضی ہیں اور نہ روزانہ مسلسل حاضری کی پابندی قبول فرماتے ہیں بلکہ ہفتہ میں صرف دو یا تین مجلسوں میں حاضر ہونے کی بات کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تقریری مناظرہ سے فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں، اسلئے نہ تو وقت بدلتے ہیں اور نہ اس میں اضافہ کرتے ہیں، آپ خود غور فرمائیں کہ میں مسافر ہوں مجھے یہاں کے قیام میں مشکلات ہیں اس کے باوجود آپ نے دو ہفتہ تک مناظرہ کو موخر کردیا کہ جب تک پادری فرنچ واپس نہیں ہوں گے مناظرہ نہیں ہوگا، مناظرہ کا وقت تبدیل کرنے پر آپ کسی طرح راضی نہیں جبکہ میرے معاون ڈاکٹر وزیر خاں کو سرکاری ملازمت خستہ خانہ میں حاضری کی وجہ سے فرصت نہیں ہوگی اور وہ حاضر نہ ہوسکیں گے اور یہ عذر کہ معزز انگریز افسران کیلئے کوئی دوسرا وقت مناسب نہیں نہایت مہمل عذر ہے، مان لیجئے کہ وہ مناظرہ میں حاضر نہیں ہوسکیں گے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ بے شمار عیسائی اور مسلمان مجلس مناظرہ میں موجود رہیں گے، یہ مناظرہ معزز انگریزوں کی موجودگی پر منحصر نہیں ہے اگر آپ کی رائے میں ان کی حاضری ضروری ہے تو غروب آفتاب کے بعد وہ معزز رؤسا انگریز، عام عیسائی اور مسلمان بھی خالی

رہیں گے اور کوئی مصروفیت نہیں رہے گی، اسی وقت مناظرہ رکھا جائے، اگر
اس شہر کے کسی قابل اعتماد شخص سے بھی واقف ہوتا اور وہ انگریزی جانتا ہوتو
ڈاکٹر وزیر خاں کے بجائے اسی شخص کو میں اپنا معاون بنالیتا، ڈاکٹر وزیر خاں
کی شرکت میرے لئے ضروری نہیں، میں تقریری مناظرہ کواسی لئے ضروری
سمجھتا ہوں کہ تحریری مناظرہ کے مقابلہ میں تقریری مناظرہ میں حق و باطل
بہت جلد واضح ہو جائے گا، اور ظاہر ہو جائے گا، اس میں وقت کم صرف ہوگا
اور میں اپنی مسافرت کی وجہ سے کم سے کم وقت میں فیصلہ کن مناظرہ کرنا
چاہتا ہوں، آپ بضد ہیں کہ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مجلس مناظرہ منعقد ہوگی
اور وہ بھی صرف ڈیڑھ گھنٹہ، اس سے زائد نہیں چلے گی ایسی صورت میں
میرے لئے اس میں کیا دلچسپی ہوگی اور نہ سامعین کو لطف آئے گا اور نہ اتنے
مختصر وقت میں کوئی فیصلہ کن بات ہی ہو سکے گی نا مکمل بات ہوگی، دوسرے
دن پھر اسی کا اعادہ ہوگا اس کیلئے تو ایک مدت درکار ہے، میں مسافرت میں
اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکتا، اسلئے میری درخواست ہے کہ طلوع شمس
سے دس بجے تک کے وقت کی پابندی چھوڑ دیجئے کوئی دوسرا وقت مقرر کیجئے
جو بھی آپ کے لئے مناسب ہو چاہے دن ہو یا رات، مجھے کسی میں بھی عذر
نہیں، مگر روزانہ تسلسل کے ساتھ مناظرہ کا جاری رہنا ضروری ہوگا جب تک
مختلف فیہ مسائل کا تصفیہ نہ ہو جائے تا کہ چند دنوں میں مناظرہ پایہ تکمیل کو
پہونچ جائے، ہوسکتا ہے اس طریقہ کار میں زحمت ہو پھر بھی آپ کے حسن
اخلاق سے مجھے امید ہے کہ آپ اس کو منظور فرمائیں گے اور بھی مسیحی
پیشواؤں سے مجھے اسی حسن اخلاق کی توقع ہے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے
میری درخواست منظور نہیں کی جائے گی تو آپ سمجھ لیں کہ یہ میرا آخری خط

ہوگا میں دوبارہ نہیں لکھوں گا، مجھے کل جمعہ کی نماز سے قبل اپنی رائے سے مطلع کردیجئے یا زیادہ سے زیادہ سنیچر تک مجھے ضرور آپ کی رائے معلوم ہوجانی چاہئے، میں فضول اور لغو کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا،

رحمت اللہ کیرانوی

باتوں میں کچھ تلخی آئی: مولانا کیرانوی کا لب ولہجہ اس خط میں قدرے تلخ ہے، ظاہر ہے کہ پادری فنڈر ایک عرصہ سے علماء اسلام کو چیلنج پر چیلنج دیتا چلا آرہا ہے اور آج جب ایک شخص اس کے گھر پر پہونچ کر اس کا چیلنج قبول کر کے اس کو عوام کی عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ بہانہ بازی سے کام لے رہا ہے شرط پر شرط پابندی پر پابندی عائد کررہا ہے اس کو تو پہلی فرصت میں اس دعوت مبارزت کو قبول کر کے یہ ثابت کردینا چاہئے تھا کہ میرا چیلنج حقیقی تھا نری گیدڑ بھبکی نہیں تھی مگر مولانا کیرانوی کا لب ولہجہ اس کو برا لگا، اس کے حاکمانہ غرور سے بھرے ہوئے دماغ کو ٹھیس لگی اس نے اپنے خط میں اس کی شکایت کی، وہ لکھتا ہے:

۳۰ / مارچ ۱۸۵۴ء

مکتوب گرامی ملا، کاشف مافیہ ہوا، آپ نے میرے لئے فرار کا لفظ استعمال کیا ہے جو آپ جیسے مہذب اور شائستہ شخص کے شایان شان نہیں، میں یہی لفظ آپ کیلئے بھی استعمال کرسکتا ہوں، آپ میری باتیں قبول کرنے میں آنا کانی کررہے ہیں اور جو شرائط میں نے لکھی ہیں ان کو تسلیم نہیں کرتے مگر میں یہ لفظ نہیں اختیار کروں گا اور نہ اس کو لکھنا پسند کروں گا۔

آپ نے تعیین وقت کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ دس بجے کے بعد کا کوئی وقت مقرر کیا جائے تو میں اس سلسلہ میں ایک دو معزز انگریزوں سے مشورہ کر کے آپ کو مطلع کروں گا، میں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ نسخ

وتحریف کے مسئلہ پر مباحثہ کے بعد آپ نبوت محمدی پر دلائل دیں گے اور اسی موضوع پر مباحثہ ہوگا مگر آپ نے اپنے خط میں نفیاً یا اثباتاً اس سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا اگر آپ اس تیار پر ہیں تو ازراہ کرم اپنے خط میں تحریر فرمادیں،

پی۔فنڈر

ایک خط کے بعد دوسرا خط: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے خط کا جواب ابھی نہیں دیا تھا کہ اس نے خط لکھنے کے بعد اپنے مشیر کاروں سے بعض معاملوں پر گفتگو کر کے ضروری سمجھا کہ ان باتوں سے مولانا کیرانوی کو ان کے جواب دینے سے پہلے مطلع کر دے، اس نے دوسرے دن صبح کو دوسرا خط لکھا،

۳۱/مارچ ۱۸۵۴ء

میں نے کل آپ کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ وقت کے سلسلہ میں دو تین حضرات سے مشورہ کر کے آپ کو مطلع کروں گا، آج میں نے ان سے مشورہ کیا تو ان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے وقت کیلئے تیار نہیں ہوا، اسلئے وہی ساڑھے چھ بجے سے آٹھ بجے تک صبح کا وقت ہوگا، آپ کا عذر تھا کہ آپ کے معاون ڈاکٹر وزیر خاں سرکاری مصروفیت کی وجہ سے اس وقت حاضر نہ ہوسکیں گے، میں نے ان کے افسر بالا مسٹر ماری سے کہہ کر ان کو فرصت دلادی ہے کہ جب تک مناظرہ چلتا رہے گا، وہ سرکاری ڈیوٹی پر نہ جائیں، ان کی رخصت ہوگی، مجھے امید ہے کہ اب آپ کو کوئی عذر نہ ہوگا، محض اسی اطلاع کیلئے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں، میں اپنے کل والے خط اور اس خط کے جواب کا منتظر ہوں۔

پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا چھٹا خط: چونکہ پادری فنڈر نے عجلت سے کام لے کر

مولانا کیرانوی کی شکایتوں کو دور کر دیا اب مولانا کیرانوی کو کوئی اعتراض نہیں رہا، اس لئے اب وقت کی تبدیلی کے بارے میں گفتگو بھی فضول سمجھی اور پادری فنڈر کی ہر بات کو تسلیم کرلیا، البتہ اس نے مناظرہ کا ایک موضوع نبوت محمدی کا اثبات رکھا تھا، مولانا کیرانوی کو اس موضوع سے انکار نہیں تھا لیکن آپ چاہتے تھے کہ عیسائیت کے بنیادی عقائد پر گفتگو ہو جائے تب یہ موضوع ہو کیونکہ مسلمان تین وجوہ سے عیسائیت کی تردید کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ شریعت محمدیہ ادیان سابقہ کی ناسخ ہے، دین موسوی اور دین عیسوی سب منسوخ ہو چکے ہیں، دوسری بات یہ کہ توریت وانجیل میں تحریفات کر کے دونوں آسمانی کتابوں کی صداقت کو داغدار بنا دیا گیا ہے یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون خدا کا کلام ہے اور کون بندوں کے ہاتھ کا کرشمہ ہے، اسلئے دونوں کتابیں اب ناقابل اعتبار ہو گئیں، تیسری بات یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد عربی ﷺ تک نبوت کا جو سلسلہ ہے ان تمام پیغمبروں کا بنیادی عقیدہ توحید ہے اور عیسائیت تثلیث کی قائل ہے، اسلئے عیسائیت ایک باطل مذہب ہے، مولانا کیرانوی یہ چاہتے تھے کہ ان تینوں مسئلوں پر اگر مدلل بحث ہو جاتی تو عیسائیت کی ساری بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے اور عوام اس یقین کے ساتھ مناظرہ گاہ سے واپس ہوں گے کہ عیسائیت ایک باطل مذہب ہے اس لئے آپ نے نبوت محمدی کے اثبات سے پہلے تثلیث کے مسئلہ پر گفتگو مناسب سمجھا اور یہی بات آپ نے پادر فنڈر کے خط کے جواب میں تحریر فرمائی:

۲ رجب ۱۲۷۰ھ (یکم اپریل ۱۸۵۴ء)

آپ کے دو گرامی نامے موصول ہوئے، ان سے معلوم ہوا کہ آپ نسخ وتحریف کے مسئلہ پر مباحثہ کے بعد نبوت محمدی پر مباحثہ چاہتے ہیں اور وقت کی تبدیلی آپ کو پسند نہیں اسی لئے ڈاکٹر وزیر خاں کیلئے آپ نے ڈاکٹر ماری سے اجازت طلب فرمائی، میں نسخ وتحریف کے مسئلوں پر بحث کے بعد

تثلیث کے مسئلہ پر گفتگو کو بہتر سمجھتا ہوں پھر اس کے بعد نبوت محمدی پر مباحثہ ہو کیونکہ تثلیث اور نبوت محمدی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت نزاعی مسئلے ہیں، اہل اسلام تثلیث کا انکار کرتے ہیں اور نبوت محمدی کا اثبات کرتے ہیں اور اس کے برعکس عیسائی تثلیث کو مانتے ہیں اور نبوت محمدی سے انکار کرتے ہیں، آپ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے کہ تثلیث کا انکار خود نبوت محمدی کے بطلان کی دلیل ہے، آپ کے خیال کے مطابق تثلیث پر ابطال نبوت محمدی کا دارومدار ہے۔

اگر وقت کی تبدیلی آپ کو منظور نہیں تو میں بخوشی اسی وقت کو منظور کرتا ہوں کیونکہ ڈاکٹر وزیر خاں کی حاضری کا مسئلہ تھا آپ نے افسر بالا سے کہہ کر اور اجازت لے کر حل کر دیا ہے، میں انشاء اللہ وقت مقررہ پر حاضر ہو جاؤں گا، میں نے ۳۰؍ مارچ کے خط میں لکھا تھا کہ سوائے اتوار کے روزانہ آپ کی حاضری ضروری ہے آپ کی طرف سے کوئی مجبوری ظاہر نہیں کی گئی، اسلئے اتوار کی غیر حاضری پر مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

رحمت اللہ کیرانوی

مناظرانہ داؤ پیچ: اب تک پادری فنڈر کی طرف سے مناظرہ کی تاریخ مقرر نہیں ہو سکی ہے، جبکہ مسلسل روزانہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے کوئی نہ کوئی پیچیدگی یا اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے لیکن مولانا کیرانوی برابر ضبط و تحمل سے کام لے رہے ہیں، اس راہ کی ساری مشکلات تن تنہا دور کرتے چلے جا رہے ہیں، ان خطوط سے آپ کے تدبر، دور اندیشی، مناظرانہ صلاحیت و استعداد اور مستقل مزاجی کا اندازہ ہوتا ہے، چونکہ دل میں عزم راسخ قائم ہو چکا ہے کہ پادری فنڈر کی زبان بند کرنے کیلئے ہر قسم کی مشکلات اور دشواریوں سے پنجہ آزمائی کرنی ہے، اسلئے سب کچھ ہنسی خوشی برداشت

کرتے ہیں، اب سفینہ ساحل کے قریب آرہا ہے اسلئے ناخدا کی شکایت سے اپنی زبان روک لی ہے، پادری فنڈر کی ہر تجویز کی حتی الامکان تائید کرتے چلے جارہے ہیں ، دوسری طرف پادری فنڈر کو بھی یقین ہو چکا ہے کہ یہ شخص عزم راسخ اور بہت مضبوط ارادے کا مالک ہے اس کے پائے ثبات میں کہیں بھی اور کبھی بھی ادنیٰ سی تھرتھراہٹ نظر نہیں آتی ، اسلئے وہ بھی مولانا کیرانوی کی اب ہر تجویز کو منظور کر لینے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے، اسلئے مولانا کیرانوی کو لکھا:

۳/اپریل ۱۸۵۴ء

میرے دونوں خطوں کے جواب میں آپ کا مکتوب گرامی ملا، آپ نے بلاوجہ نبوت محمدی کے اثبات کو تثلیث پر بحث کے بعد موخر کر دیا جبکہ میں نے تثلیث پر بحث سے پہلے اثبات نبوت محمدی کو ضروری قرار دیا تھا، میں نے آپ کی تجویز مان لی تھی کہ نسخ وتحریف پر سب سے پہلے بحث ہوگی تو آپ کو بھی میری تجویز مان لینی چاہئے تھی مگر پھر بھی میں آپ کی تجویز منظور کرتا ہوں کہ نبوت محمدی کے اثبات سے پہلے تثلیث پر بحث ہو جائے بشرطیکہ آپ اثبات نبوت محمدی کے بغیر مناظرہ ختم نہ کریں، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کی روزانہ حاضری ضروری ہے، میں نے اپنے ۳۰/ مارچ کے خط میں لکھا تھا کہ میری اور انگریز معززین کی روزانہ مجلس مناظرہ میں حاضری ممکن نہیں ہے، وہاں صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ ہر ہفتہ میں کچھ دن مقرر کر دیئے جائیں گے جن میں ہماری حاضری ہوگی اور یہ بھی پادری فرنچ کی سفر سے واپسی کے بعد ہی طے کیا جا سکے گا، میرا خیال ہے کہ پہلے ہفتہ میں دو جلسوں سے زیادہ نہیں ہو سکے گا کیوں کہ اس ہفتہ میں "یوم صلیب" ہے، ہم دوسرے کاموں میں مصروف ہوں گے، البتہ اس کے بعد کے

ہفتوں میں میرا غالب گمان ہے کہ ہر ہفتہ میں تین یا چار دن مقرر کر دیئے جائیں گے۔

پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا ساتواں خط: پادری فنڈر کے اس خط کے بعد مولانا کیرانوی نے صرف اس کے خط کی وصولیابی کی رسید کے طور پر خط لکھا اور اس کے تحریر کردہ سارے پروگرام کو حرف بہ حرف تسلیم کر لیا، آپ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا:

۵ رجب ۱۲۷۰ھ (۴ راپریل ۱۸۵۴ء)

آپ کا گرامی نامہ ملا، تفصیلات معلوم ہوئیں، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''اثبات نبوت محمدی'' پر تثلیث کی بحث اس شرط پر مقدم کرنا منظور ہے کہ آپ تثلیث پر بحث کے بعد اثبات نبوت محمدی پر بحث کیلئے مکمل طور پر تیار رہیں، جب تک یہ بحث پایہ تکمیل کو نہ پہونچ جائے۔

آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ پہلے ہفتہ میں دو دنوں سے زیادہ حاضر نہیں ہو سکتے کیوں کہ اس ہفتہ میں آپ کے خیال کے مطابق ''یوم صلیب'' ہے اور اس کے بعد ہفتوں میں ہر ہفتہ میں تین چار ''جلسے'' رکھے جائیں گے، مجھے آپ کی یہ سب باتیں منظور ہیں اور تثلیث پر بحث کے بعد اثبات نبوت محمدی میری ذمہ داری ہوگی، یہ بھی مجھے تسلیم ہے، جب آپ کی طرف سے کوئی عذر نہیں ہے تو میری جانب سے بھی کوئی عذر نہیں۔

چاروں متنازع فیہ مسائل کے تصفیہ کیلئے ایک مدت درکار ہے اور میں دیار غیر میں پڑا مسافر ہوں پہلے ہفتہ میں دو جلسوں سے زیادہ نہ ہونے کا عذر صحیح ہے البتہ دوسرے ہفتوں میں اگرچہ جلسہ روزانہ نہیں ہے پھر بھی یہ طے فرمالیں کہ ہر ہفتہ میں قطعی طور پر چار اجلاس ہوتے رہیں گے۔

رحمت اللہ کیرانوی

ایک غیر متعلق سوال: تمام خط وکتابت کا حاصل یہ ہوا کہ ہر طرح کی ردوقدح کے بعد مناظرہ کا ہونا طے پا گیا، مقام مناظرہ، موضوع مناظرہ، اور ہفتہ میں جلسوں کی تعداد طے ہوگئی صرف ابھی تک تاریخ مناظرہ طے نہیں ہوسکی ہے، وہ پادری فرنچ کی غیر موجودگی کی وجہ سے معرض التوا میں پڑی ہوئی ہے اب اس سلسلہ میں کوئی بات مختلف فیہ نہیں رہ گئی کہ پادری فنڈر نے بالکل ایک غیر متعلق مسئلہ چھیڑ دیا ، ہوسکتا ہے کہ اس کی نیت کچھ رہی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا مقصد یہ رہا ہو کہ اس مسئلہ کو چھیڑ کر پہلے ہی الجھا دیا جائے تاکہ ذہن منتشر ہوجائے یا یہ مسئلہ اتنا طول کھینچے کی مناظرہ ہی ملتوی ہوجائے اور تقریر مناظرے کے بجائے تحریری سوال وجواب کا سلسلہ چل پڑے اور مجمع عام میں مباحثہ ومناظرہ کی نوبت نہ آئے، کیوں کہ اس میں رسوائی کا اندیشہ ہے، مولانا کیرانوی نے شاید یہی محسوس کیا اس لئے آپ نے اس غیر متعلق سوال کا کوئی جواب نہیں دیا، پادری فنڈر نے اپنے خط میں مولانا کیرانوی کو لکھا

۱۵/اپریل ۱۸۵۴ء

آپ کی تالیفات میں سے ایک کتاب ''ازالۃ الاوہام'' آج میں مطالعہ کررہا تھا تو اس کے صفحہ ۵۱ کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: ما کتب القسیس فتدرنی حل الاشکال من انہ لم تظھر عبادۃ الاصنام من نبی فمن اعجب الافادات ، راقم الحروف کو بالکل یاد نہیں کہ میں نے یہ عبارت لکھی ہے، آپ نے میری کتاب کا صفحہ نمبر تحریر نہیں فرمایا ہے کہ میں اس کو دیکھ سکوں، بڑا کرم ہوگا کہ آپ میری کتاب کا صفحہ نمبر ضرور تحریر فرمادیں جہاں میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔

پی۔فنڈر

مولانا کیرانوی کا آٹھواں خط: مولانا کیرانوی نے اس غیر متعلق

سوال کو پسند نہیں کیا اور قبل از مرگ واویلا سمجھا، اس لئے آپ نے جواب دینے سے صاف انکار کر دیا اور لکھا:

۷؍رجب ۱۲۷۰ھ (۶؍اپریل ۱۸۵۴ء)

آپ کا گرامی نامہ ملا، کاشف مافیہ ہوا، مناظرہ میں چار مسئلوں پر مباحثہ طے ہو چکا ہے جو مختلف فیہ مسائل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، میری خواہش ہے کہ جب تک ان مسائل پر مکمل طور سے فیصلہ کن بحث نہ ہو جائے کسی دوسرے مسئلہ کو ہرگز نہ چھیڑا جائے، دونوں فریق کو اس کی پابندی ضروری ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تقریری مناظرہ کے وقت زیر بحث مسئلہ سے متعلق اپنے حریف کی کسی کتاب میں کوئی بات پاتا ہے تو اس کو پوچھ سکتا ہے اور دوسرے فریق کو لازمی طور اس کا جواب دینا بھی ضروری ہوگا، اور اگر آپ تقریراً یا تحریراً کسی غیر متعلق مسئلہ کو پوچھنا ہی چاہتے ہیں تو مناظرہ ختم ہونے کے بعد پوچھ سکتے ہیں، جب تک مناظرہ متعینہ مسائل پر ہو جائے غیر متعلق سوال و جواب کی اجازت نہیں ہوگی، اس کے بعد آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔

رحمت اللہ کیرانوی

مناظرہ کی تاریخ طے ہوگئی: پادری فنڈر نے اپنے نویں خط میں مناظرہ کی قطعی تاریخ کی اطلاع دی، ڈیڑھ درجن کے قریب خطوط کے تبادلے کے بعد وہ گھڑی آئی کہ دونوں فریق ایک قطعی تاریخ پر متفق ہو گئے اور مولانا کیرانوی کی کوشش بارآور ہوئی، تاریخ کی اطلاع دینے کے ساتھ پادری فنڈر نے اپنے غیر متعلق سوال کے بارے میں صفائی دی اور اس کے خیال کے مطابق جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی اس کو دور کرنے کی بھی کوشش کی، اس نے مولانا کیرانوی کے نام اپنے خط میں لکھا:

۷/اپریل ۱۸۵۴ء

گذشتہ رات پادری فرنچ آگئے، یہ طے کرلیا گیا کہ آئندہ دو دن مسلسل سوموار اور منگل کو یعنی ۱۰/۱۱/اپریل کو طے شدہ وقت پر مقام مجوزہ میں مجلس مناظرہ منعقد ہوگی پھر اس کے بعد ہفتہ میں راقم الحروف کو فرصت نہیں ہوگی جیسا کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو لکھا تھا، پھر دوسرے ہفتہ میں مجلس مناظرہ منعقد ہوگی اطلاعاً عرض ہے، مناظرہ بالترتیب انھیں مسائل پر ہوگا جو طے شدہ ہیں، نسخ، تحریف، الوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلوں پر آپ سوالات پیش کریں گے اور راقم الحروف آپ کے سوالات کا جواب دے گا، پھر راقم الحروف نبوت محمدی پر اپنے اعتراضات پیش کرے گا اور آپ جواب دیں گے۔

میں نے اس سے پہلے والے خط میں آپ سے ''حل الاشکال'' کے اس صفحہ کی نشاندہی چاہی تھی، جس کا حوالہ آپ نے اپنی کتاب میں دیا ہے، میرا اس سوال سے اور کوئی مقصد نہیں تھا مگر آپ نے اس کا جواب دوسرے انداز سے دیا، بات صرف اتنی تھی کہ میں آپ کی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' کا مطالعہ کررہا تھا اس میں میرے ایک جملے کا حوالہ تھا، میں نے بہت غور کیا لیکن مجھے یاد نہیں آیا کہ میں نے کہاں یہ جملہ لکھا ہے، اسلئے بلا تکلف آپ سے پوچھ دیا تاکہ میں اپنی کتاب حل الاشکال میں دیکھ لوں کہ میں نے کیا لکھا ہے، میں اس سے خلط مبحث نہیں کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے کچھ اور سمجھا بہر حال میں ہر طرح خوش ہوں، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ دوران مناظرہ میری تصانیف سے جن مسائل کے متعلق سوال کرنا چاہیں سوال کرسکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ کا

تعلق زیر بحث مسئلہ سے ضرور ہو، غیر متعلق مسئلہ نہ ہو جیسا کہ آپ نے خود ہی اس کی وضاحت کردی ہے۔
پی۔فنڈر

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے: پادری فنڈر کا خط پا کر مولانا کیرانوی نے اطمینان کی سانس لی اور ان کی دلی مراد برآئی، اب آپ کا ذہن بالکل صاف تھا سب گلے شکوے جاتے رہے اور پوری بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ تاریخ مقررہ پر اپنی حاضری کی اطلاع دی، اس خط میں اور کوئی دوسری بات آپ نے نہیں تحریر فرمائی، دو ہفتوں تک آپ جتنی الجھنوں اور وسوسوں میں گرفتار تھے اور تضییع اوقات کا جو دل میں ملال تھا وہ سب دور ہو گیا، بات وہی ہوئی۔

سفینہ اپنا کنارے جب آ لگا غالب — خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

آپ نے پادری فنڈر کو ایک مختصر سا خط تحریر فرمایا جس میں آپ نے منظوری کی اطلاع دی:

۹ر رجب ۱۲۷۰ھ (۸/اپریل ۱۸۵۴ء)

مکتوب گرامی ملا، اس سے معلوم ہوا کہ مناظرہ دو دن مسلسل سوموار اور منگل یعنی ۱۰/۱۱ اپریل کو اپنے وقت اور متعینہ مقام پر ہو گا، میں دونوں دن ٹھیک وقت پر حاضر ہو جاؤں گا اور مناظرہ چاروں مسئلوں پر اسی ترتیب کے ساتھ ہو گا جو ہمارے اور آپ کے درمیان پہلے سے طے شدہ ہے۔(۱)

رحمت اللہ کیرانوی

---

(۱) جملہ خطوط ''المناظرۃ الکبریٰ'' مرتبہ ڈاکٹر عبدالقادر حنبل سے لئے گئے ہیں جو عربی زبان میں ہے، ہم نے اس کو اردو میں منتقل کیا ہے، از ص: ۱۵۹ تا ۱۸۹

باب (۶)

مناظرہ کا ماحول اور فضا

ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں ہونے والے بیشمار عیسائیوں اور پادریوں سے ہونے والے مناظروں کو جاننے اور سننے والے اور ان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے ان مناظروں کے ماحول اور فضا کو مدنظر رکھ کر مطالعہ نہیں کریں گے تو علماء اسلام کے جرأتمندانہ اقدامات کی صحیح قدرو قیمت سے کبھی واقف نہیں ہوسکیں گے، ابتدائی دور اور بعد کے دور میں ہونے والے مناظروں میں زمین آسمان کا فرق ہے، ماحول اور فضا دونوں کا جداگانہ تھا، بعد کے دور میں ہونے والے مناظروں میں ہر مناظر کی پشت پر اس کے حمایتیوں کا ایک لشکر جرار رہتا تھا اگر فریق مخالف کی طرف سے لب ولہجہ میں ذرا بھی سختی اور طاقت کے غرور کی جھلک نظر آئی تو مناظر تو شاید اس کو نظر انداز کردے لیکن اس کے حمایتی فریق مخالف کا منہ نوچ لیتے، اس پشت پناہی کی وجہ سے مناظرہ بہت آسان ہوگیا تھا، خود عیسائیوں سے اٹھارہویں صدی کے آخر میں جو معرکۃ الآرا مناظرے ہوئے ان مناظروں میں مسلمانوں کا جوش وخروش دیدنی تھا کیوں کہ اب حکومت کمپنی کی نہیں بلکہ ملکہ وکٹوریہ کی تھی یا برطانیہ کی حکومت پادریوں کی سرپرستی سے دست بردار ہوچکی تھی، اب عیسائی مشنری کے دل ودماغ سے حکومت کا غرور نکل چکا تھا اس لئے اب وہ عام ہندوستانیوں کی سطح پر آچکے تھے اگر بحث ومناظرہ میں وہ کوئی احمقانہ بات کرتے

تھے تو سامعین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور بلا جھجک ان پر طنز کرتے تھے جیسا کہ شاہجہانپور کے میلہ خدا شناسی میں حضرت نانوتوی اور پادریوں کے مناظرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا رہا۔

مولانا کیرانوی جس دور میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیلئے کھڑے ہوئے اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی جابر و قاہر حکومت تھی اور عیسائیت کی تبلیغ میں جبر و تشدد کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی، پادریوں کی حمایت میں ذمہ داران حکومت بڑے بڑے عہدوں پر فائز انگریز اور ضلع کے تمام حکام تھے جس طرح کسی انگریز حاکم کے سامنے کسی ہندوستانی کی جرأت نہیں تھی کہ کوئی ایسی بات کرے جو اس کی شایان شان نہ ہو، بالکل اسی طرح پادریوں کا بھی رعب و دبدبہ تھا کسی کو جرأت نہیں تھی کہ ان کی شان میں کوئی گستاخانہ جملہ استعمال کرے یا بالمشافہہ گفتگو میں کوئی تیز و تند لب و لہجہ اختیار کرے اور پھر مولانا کیرانوی کا حریف تو یورپ کا مایہ ناز اسقف اعظم، ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کا سب سے بڑا نمائندہ اور ذمہ دار تھا جس کی شہرت یورپ سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھی، اس کی صلاحیت و استعداد، اس کی علمی قابلیت اور اس کے علم و کمال کا پورے یورپ میں ڈنکا بج رہا تھا، حکومت کا بڑا سے بڑا عہدے دار پادری فنڈر کا ادب و احترام کرتا تھا اور اس کو ہر ممکن تعاون دینے کیلئے ہمہ وقت تیار تھا، اسی وجہ سے ہندوستان میں بلا استثناء ہر شخص کو یقین تھا کہ پادری فنڈر کی زبان میں کمپنی کا ظالم و جابر حکومت بول رہی ہے، پادری فنڈر کو چیلنج کرنا گویا کمپنی کی حکموت کو چیلنج کرنا ہے، جس کی حکومت نے ہندوستان کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو یرغمال بنا رکھا تھا اور لال قلعہ کے پنجرہ میں بند کر کے رکھا تھا، لال قلعہ سے باہر اس کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی، ایسی حکومت کو چیلنج کرنا کیا کچھ آسان تھا، اس کیلئے فولاد کا جگر اور سنگ خارا کا کلیجہ چاہیئے تھا اتنے بڑے ہندوستان میں جہاں ایسے مشاہیر علماء تھے جن کی علم و فن

میں مہارت ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھی، جن کے فضل وکمال کا پورے ملک میں شہرہ تھا ،جن کی دینداری، اسلام دوستی ان کے ایمان واخلاص میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں تھی وہ تمام علماء تبلیغ عیسائیت میں کمپنی کی حکومت کے جبر وقہر کو دیکھ رہے تھے، لاکھوں لاکھ ہندوستانی عیسائی بنائے جاچکے تھے، کئی ایک مسلمان اہل علم نے عیسائیت قبول کرلی تھی اور باقاعدہ پادری بن کر عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے اور یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ یہ کالے پادری اسلام کے خلاف زہر اگل رہے تھے، یہ سارے حالات علماء ہند کے سامنے موجود تھے، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن آدھی صدی بیت جانے کے باوجود ایک آواز بھی عیسائیت کی اس جبری تبلیغ کے خلاف سنائی نہیں دیتی تھی سوائے ان چند رسالوں کے جو ہندوستانی کالے پادریوں کی کاتبوں کے جواب میں لکھے گئے اور کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی، خاکم بدہن کیا ان علماء کے دلوں میں ایمان نہیں تھا؟ اسلام سے محبت نہیں تھی؟ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے عشق نہیں تھا؟ یقیناً تھا، وہ سچے اور پکے مسلمان تھے، وہ تنہائیوں میں اسلام کی مظلومیت پر آنسو بہاتے تھے، خون کے آنسو روتے تھے، یہ صورت حال ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی لیکن خوف وہراس کا وہ عالم تھا کہ دل سینوں میں تھرتھرا رہا تھا، زبان منہ میں لڑکھڑا رہی تھی، آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی وہ محسوس کرر ہے تھے کہ تبلیغ عیسائیت حکومت کے منصوبہ بند پروگرام کے مطابق ہورہی ہے ان کو یقین تھا کہ اگر حکومت کو ذرا بھی شبہہ ہوگیا کہ کوئی شخص حکومت کے منصوبے کو سبوتاژ کرنے والا ہے یا اس کو ناکام کرنے کی سازش کررہا ہے تو تختہ دار پر کسی نہ کسی بہانے پہونچا دیا جائے گا، صورت حال یہ تھی کہ رخصت پر عمل کرنے والے بہت تھے، عزیمت کا کوئی آہنی پیکر نظر نہیں آرہا تھا، وہ ذات تنہا مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تھی، جس مناظرہ کی شہرت ہندوستان سے لے کر لندن تک تھی، ہندوستان کی پوری حکومت اور

ہندوستان کے عام باشندوں کی نگاہیں جس مناظرہ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں، اس مناظرہ میں سامعین کی تعداد صرف پانچ سو تھی جس میں ایک سو کے قریب تو انگریز افسران، یورپین پادری اور مقامی عیسائی اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد تھے، مختصر تعداد ان ہندوؤں کی تھی جو بالعموم سرکاری ملازم تھے، مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی کہ ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا تھا اور اخبار نویسوں نے گن بھی لیا تھا، کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے؟ تاریخ کے ایسی نازک ترین موڑ پر ہونے والے مناظرہ میں لاکھوں نہ سہی تو دس بیس ہزار بے چین و مضطرب مسلمانوں کا اجتماع ہونا ہی چاہئے تھا لیکن اس دور میں اس مناظرہ کی جو رپورٹیں شائع ہوئیں ان میں نام بنام حاضرین کو شمار کرایا گیا ہے، یہ تعداد دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے، خود آگرہ شہر میں مسلمانوں کی تعداد کیا کم تھی، لیکن چند علماء، ائمہ مساجد، چند ممتاز اور سر بر آوردہ افراد کے اور کسی کا نام حاضرین میں نہیں ملتا، کیا عوام کو اس سے دلچسپی نہیں تھی، کیا تماشائی کی حیثیت سے بھی وہ شریک نہیں ہوسکتے تھے؟ کیا اسلام کی عیسائیت کے مقابلہ میں فتح سے عام مسلمانوں کو خوشی نہیں ہوتی؟ یہ سب کچھ تھا لیکن انگریزی حکومت کی وہ دہشت دل و دماغ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ لوگوں نے سمجھا کہ مجلس مناظرہ میں جانا مقتل میں جانا ہے، حاضرین کی فہرست میں نام لکھا جانا گویا اپنے قتل کے محضر پر دستخط کرنا ہے، مولانا کیرانوی اس سے پہلے بھی آگرہ جاچکے تھے وہاں کے اہل علم سے مل چکے تھے، اور اب کی بار تو وہ دو ہفتوں سے آگرہ میں مقیم تھے لیکن مولانا کیرانوی کے ہمراہ مناظرہ گاہ میں جانے والے صرف چند افراد تھے، (۱)

مناظرہ گاہ کا نظم سرکاری افسران کی نگرانی میں تھا، سیکورٹی کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام تھا کیوں کہ افسران بالا اور معزز انگریزوں کی حفاظت کا مسئلہ بہت اہم اور

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

ضروری تھا، حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اپنی سرکاری وردیوں میں موجود تھے، مسلح باڈی گارڈان کو گھیرے ہوئے تھے، جلسہ گاہ بھی ایک ہندوستانی عیسائی عبدالمسیح کا احاطہ بند کٹرہ تھا، صدر گیٹ پر مسلح پولیس تعینات تھی، اس صورت حال نے اس علاقہ کی فضا کچھ ایسی بنادی تھی کہ عام آدمیوں کا ادھر سے گذرنا ہی مشکل تھا خوف وہراس کا ماحول بالقصد بنایا گیا تھا تاکہ زیادہ لوگ نہ آسکیں، جن چند مسلمانوں نے اس مناظرہ میں شرکت کا عزم بالجزم کررکھا تھا وہ ان کی قوت ایمانی اور صلابت دینی کا ثمرہ تھا، وہ خطرات کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس میں شریک ہوئے، ایسے ماحول اور ایسی فضا میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اسلام کی آبرو بچانے کیلئے جو قدم اٹھایا تھا وہ درحقیقت ایک مومن صادق اور راسخ الایمان مرد مجاہد کا قدم تھا، اسی سے مولانا کیرانوی کی قوت ایمانی عزم راسخ اور اخلاص کی عظمت وصلابت دینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ نے گردوپیش پر نظر ڈال کر یہ نہیں دیکھا کہ میرے دائیں بائیں کون ہے؟ وہ تو یہ سمجھ کر آگے بڑھے کہ ایک شیر ببر کے جبڑے میں ہاتھ ڈال کر اُس کے خون آشام دانتوں کو توڑ کر اس کے آہنی پنجوں کو مروڑ کر اس کو بے کار کرنا ہے چاہے اس کیلئے مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے، انھوں نے خطرات کا تصور بھی نہیں کیا، یہ آپ کا جہادِ اکبر تھا، **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر** آپ اسی افضل جہاد کا اجروثواب حاصل کرنے کیلئے میدان کارزار میں اترے تھے، ایسے شخص کو خطرات کی کیا پرواہوگی جو سوچ لے کہ "یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن برآید" مومن باطل کے مقابلہ میں انجام سے ہمیشہ بے پرواہ ہوتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

مولانا کیرانوی کی مضبوط قوت ارادی جہاں تحفظ اسلام کے بے پناہ

جذبے کی وجہ سے ناقابل تسخیر تھی وہیں اس کے استحکام کا راز یہ تھا کہ مولانا کیرانوی پچھلے کئی برسوں سے عیسائی لٹریچر کا بہت گہرا اور بہت باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کر چکے تھے، عہد قدیم عہد جدید کے بہت سے ایڈیشنوں کی معلومات حاصل کر لی تھی ، عیسائیوں کے بنیادی عقائد، ان کے مذہبی رسالوں اور کتابوں کے شارحین اور ان کے اختلافات ، عیسائیت کے دو بڑے فرقوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے مابین مختلف فیہ مسائل اور جو ایک دوسرے پر اعتراضات کرتے ہیں ان سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے اور موجودہ عیسائیت کے ہر کمزور پہلو پر ان کی نظر تھی، مناظرہ سے پہلے چار ضخیم کتابیں رد عیسائیت اور پادریوں کی کتابوں کے جواب میں لکھ چکے تھے، اپنے دلائل پر آپ کو اتنا اعتماد تھا کہ اکثر کتابیں خود پادری فنڈر کو بھیج چکے تھے، بہت سے امور ایسے تھے کہ جن پر پادریوں کی نگاہ نہیں تھی، مولانا کیرانوی نے ان کو ذہن میں رکھ لیا تھا کہ وہ مجلس مناظرہ میں اس کا انکشاف کریں گے تو یقین ہے کہ حریف حیرت زدہ ہو کر رہ جائے گا، نسخ، تحریف اور تثلیث کے مسئلوں پر عقلی و نقلی دلائل کا ایک انبار آپ کے ذہن میں موجود تھا، اس لئے پادری فنڈر سے مقابلہ کیلئے جاتے ہوئے پورے اعتماد سے ان کا قدم اٹھ رہا تھا، تین ماہ قبل پادری فرنچ اور پادری کٹی سے کئی مسئلوں پر گفتگو ہو چکی تھی اور ان کا مبلغ علم معلوم کر چکے تھے، مولانا کیرانوی محسوس کر رہے تھے کہ ان پادریوں کا مطالعہ اپنے مذہب، اپنی مذہبی کتابوں اور ان کی شرحوں کا بالکل سرسری اور غیر تحقیقی ہے، حتیٰ کہ ان کو اپنی مذہبی تاریخ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہے، ان اسباب کی وجہ سے آپ کو مکمل طمانیت قلب حاصل تھی اور پورے اعتماد کے ساتھ آپ وقت مقررہ پر مناظرہ گاہ میں پہونچ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۷)

مناظرہ کا پہلا اجلاس

پادری فنڈر کی مقرر کردہ تاریخ کے مطابق مناظرہ کا پہلا اجلاس مورخہ ۱۱؍رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰؍اپریل ۱۸۵۴ء بروز دوشنبہ منعقد ہوا، دو ہفتوں سے مناظرہ کے سلسلہ میں شہر آگرہ میں گفتگو چل رہی تھی، ہر شخص بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا لیکن اتنی شہرت کے باوجود مجلس مناظرہ میں حاضرین کی تعداد کل ۵۰۰؍ سو کے قریب تھی، مولانا کیرانوی وقت مقررہ پر ڈاکٹر وزیر خاں کو لے کر کٹرہ عبدالمسیح پہونچ گئے، شہر کے معززین میں مفتی ریاض الدین صاحب، مولانا قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ، اخبار نویسوں میں سید عبد اللہ اکبرآبادی، سید وزیر الدین، خادم علی مالک و مدیر مطلع الاخبار اور محمد سراج الحق، کچھ معزز مسلمان وہ تھے جو سرکاری ملازم تھے جیسے مولوی مفیض احمد، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ مختار مہاراجہ بنارس وغیرہ، عام مسلمانوں میں سے کچھ دیندار مسلمان تھے، انگریز افسران ممتاز ترین اور سربرآوردہ حکام تھے، یورپین پادریوں کی ایک پوری ٹیم تھی، فوجی افسران بھی تھے اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیدار بھی، ہندوؤں میں سے کچھ معزز افراد تھے لیکن ان میں اکثر انگریزی حکومت کے ملازم تھے، وہ سب خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے کسی میں بھی لب کشائی کی ہمت نہ تھی نہ ان کو ضرورت ہی تھی، البتہ ایک دو علماء اسلام ضرور ایسے تھے کہ جب بولنے کا موقعہ آیا تو انھوں نے پوری جرأت ایمانی سے گفتگو کی، وقت مقررہ پر جب دونوں فریق اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے تو سب سے

پہلے پادری فنڈر نے کھڑے ہوکر اس جلسہ کی غرض وغایت چند لفظوں میں بیان کی، اس نے کہا:

''حاضرین کرام! یہ مباحثہ فاضل محترم رحمت اللہ صاحب کی استدعا پر منعقد ہورہا ہے، میں نے ان کی درخواست منظور کرلی اگرچہ میری نگاہ میں اس مباحثہ ومناظرہ کی کوئی بڑی افادیت نہیں ہے لیکن صرف اس خیال سے میں نے اس کو منظور کرلیا ہے کہ ایک اچھا موقع ہوگا کہ عام مسلمانوں کے سامنے مذہب عیسوی کے حق ہونے کے دلائل پوری وضاحت سے پیش کرسکوں گا، آج اس وقت کی نشست میں ''نسخ'' کے مسئلہ پر مباحثہ ہوگا، اس کے علاوہ تحریف، اُلوہیت مسیح، تثلیث، نبوت محمدی اور قرآن کا برحق ہونا، مناظرہ کے موضوعات ہیں، ابتدائی چاروں میں مولانا رحمت اللہ اپنے سوالات اور اعتراضات پیش کریں گے اور بندہ ان کے جوابات دے گا، بعد کے دونوں مسئلے یعنی نبوت محمدی اور حقیت قرآن میں بندہ اپنے سوالات پیش کرے گا اور فاضل محترم مولانا رحمت اللہ اس کے جوابات دیں گے۔

(المناظرۃ الکبریٰ، ص:۲۰۱-۲۰۲)

یہ کہہ کر پادری فنڈر اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور پھر مناظرہ کا آغاز ہوگیا۔

اس نشست میں گفتگو ''نسخ'' کے مسئلہ پر تھی، پادری فنڈر کہتا ہے کہ کلام الٰہی میں نسخ ممتنع اور محال ہے کوئی کتاب الٰہی دوسری کتاب الٰہی کی ناسخ نہیں ہے، مسلمان ایک محدود معنیٰ میں نسخ کے قائل ہیں، اسی لئے مذہب عیسوی کو اب قابل عمل نہیں مانتے ہیں، مولانا کیرانوی کو ثابت کرنا ہے کہ نسخ ممتنع نہیں ممکن ہے بلکہ عملی طور پر نسخ مانا جاتا ہے، مولانا کیرانوی نے کھڑے ہوتے ہی سب سے پہلے پادری فنڈر کی مشہور کتاب ''میزان الحق'' کے حوالے سے گفتگو شروع کی جس کو عام عیسائی الہامی کتاب

سمجھتے ہیں، آپ نے چاہا کہ میزان الحق کے الہامی ہونے کی قلعی کھل جائے اور نسخ کے موضوع سے انحراف بھی نہ ہو، اس لئے آپ نے فرمایا:

فاضل محترم نے اپنی کتاب میزان الحق مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے صفحہ ۱۷ پر یہ عبارت لکھی ہے" قرآن اور قرآن کے مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ توریت زبور کے نازل ہونے سے منسوخ ہوئی اور انجیل کے نازل ہونے سے توریت وزبور دونوں منسوخ ہوگئیں اور انجیل قرآن کے نزول کے بعد خود منسوخ ہوگئی"

اسی کتاب کے ایک صفحہ پر مصنف لکھتے ہیں کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور انجیل دونوں کی ناسخ ہے، مسلمانوں کا یہ دعویٰ اس کی اصل نہیں ہے، یہ غلط اور جھوٹا دعویٰ ہے"

مولانا کیرانوی نے میزان الحق کی دونوں عبارتوں کو پیش کر کے فرمایا کہ پادری صاحب نے جوبات قرآن اور قرآن کے مفسرین کی طرف منسوب کر کے کہی ہے وہ نہ قرآن میں ہے اور نہ قرآن کے کسی مفسر نے لکھا ہے بلکہ اس کے برعکس کہا گیا ہے، میں سردست دو تفسیروں کا حوالہ دیتا ہوں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تفسیر فتح العزیز میں سورہ بقرہ کی آیت ۸۷ **ولقد اٰتینا موسی الکتاب** کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے نبی آئے، جیسے یوشع، الیاس، الیسع، شموئیل داؤد، سلیمان اشعیاء، ارلیاء، یونس، عزیر، حزقیل، زکریا، یحییٰ **علیہم السلام** جن کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے، یہ سارے انبیاء موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، چونکہ یہودیوں میں بار بار معاصی میں ارتکاب بڑھ جاتا تھا اور شریعت پر عمل آوری ترک کردیتے تھے اس لئے شریعت موسوی پر عمل کرانے کیلئے بار بار نبی بھیجے جاتے رہے، پھر یہودی علماء تحریفات کرتے رہتے تھے اس لئے نبی کی ضرورت پڑتی تھی، دوسری

کتاب تفسیر حسینی میں سورہ نساء کی آیت ۱۶۳ او اتینا داؤد زبوراً کی تفسیر کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ ہم نے داؤد کو زبور دی، وہ حمد و ثنا پر مشتمل ہے اس میں احکام نہیں ہیں اور داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔

مولانا کیرانوی نے ان دونوں تفسیروں کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ ہمارے مفسرین نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں کتاب فلاں کی ناسخ ہے، آپ نے مزید فرمایا کہ اسی طرح ہماری دوسری اسلامی کتابوں میں موجود ہے، یہ سارے حوالے پادری فنڈر کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں کہ قرآن اور قرآن کے مفسرین توریت زبور اور انجیل کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب میں ایک غلط دعویٰ کیا ہے وہ اس کا جواب دیں، پادری فنڈر نے جواب کے بجائے مولانا کیرانوی سے سوال کر دیا کہ آپ لوگ انجیل کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں یا نہیں؟ پہلے اس کا جواب دیجئے۔

مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے جواب میں فرمایا کہ ہم انجیل کے منسوخ ہونے کے اس معنیٰ میں قائل ہیں جو ہماری اصطلاح میں ہے اس معنیٰ میں نہیں جو آپ سمجھتے ہیں لیکن یہاں انجیل کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے کی بات نہیں کی جارہی ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ آپ نے جو قرآن اور مفسرین کی طرف منسوب کر کے ایک بالکل غلط بات کیوں کہی؟ یہ تو بہت بڑا فریب ہے، ایک جگہ نہیں دو جگہ یہ الزام آپ نے کیوں لگایا، اس کے جواب میں پادری فنڈر نے کہا کہ بعض مسلمانوں سے بحث کا اتفاق ہوا تو میں نے ان سے سنا کہ وہ انجیل کو منسوخ کہتے ہیں یہ سن کر میں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

مولانا کیرانوی نے اس سطحی جواب پر فرمایا، یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ ایک مسلمان سے بات سن لی اور اس کو قرآن اور تفسیروں کی طرف منسوب کر دیا بہر

حال آپ نے غلط لکھا ہے اور جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔

پادری فنڈر نے کہا، ہاں، یہ تو غلط ہے۔ (المناظرۃ الکبریٰ، ص:۲۰۱)

اس مجمع عام میں جس کے بیشتر شرکاء پادری فنڈر کے علم وکمال پر پورا یقین رکھتے تھے اور اس کی کتاب میزان الحق کو الہام سے لکھی ہوئی کتاب سمجھتے تھے، پادری فنڈر سے مولانا کیرانوی نے اس غلطی کا اعتراف کرایا اور اقبال جرم کرا کے اس کے دماغ کو عرش سے فرش پر اتار دیا، اب حاضرین میں تمام عیسائی اور مسلمانوں نے مان لیا کہ پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق الہامی نہیں بلکہ اس میں رطب ویابس بھی ہے، یہ مولانا کیرانوی کی پہلی کامیابی ہے، اس کے بعد مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے اس سوال کا جواب دیا کہ جو اس نے انجیل کے بارے میں پوچھا تھا کہ آپ لوگ انجیل کو منسوخ مانتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کو نسخ کا معنی ومفہوم بھی معلوم ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں اہل اسلام کی اصطلاح کیا ہے؟ شاید اس کی خبر نہ ہوگی، پھر آپ نے پوری تفصیل سے سمجھایا کہ ہم احکام میں نسخ مانتے ہیں یعنی پہلے خدا نے ایک حکم دیا اس پر عمل ہو رہا تھا پھر خدا نے اس کی جگہ دوسرا حکم دیا، اب پہلے حکم پر عمل نہیں ہوگا دوسرے حکم پر ہوگا، معالم التنزیل جس کو تفسیر بغوی کہا جاتا ہے اس میں ہے کہ نسخ اوامر ونواہی میں ہوتا ہے، اخبار میں نہیں یعنی احکام نسخ میں ہوتا ہے اخبار وقصص میں نسخ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ہم ان باتوں میں نسخ نہیں مانتے جو عقلی اور قطعی ہیں جیسے خدا موجود ہے اور نہ محسوسات میں نسخ ہوتا ہے جیسے دن روشن ہے، رات تاریک ہے، اوامر ونواہی کے نسخ کے سلسلہ میں بھی تفصیل ہے مثلاً کوئی امر واجب العمل ہے جیسے ایمان باللہ یا کوئی نہی ممتنع ہے اس طرح کے امر ونہی میں بھی نسخ نہیں واقع ہوتا، امر ونہی میں بھی دو شکلیں ہیں، ایک قسم ایسے امر کی ہے جس کو امر موبّد، ہمیشہ باقی رہنے والا حکم کہا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے: لاتقبلوا لهم

شھادۃً ابداً یہ بھی محل نسخ نہیں ہے، دوسری قسم امر غیر موبد ہے، یعنی اس کی کوئی مدت نہیں بیان کی گئی ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک امر غیر موبد موقت غیر معین حکم دیا گیا ہے لیکن اس حکم کے بقا کا وقت بتادیا گیا ہے جیسے فاعفوا واصفحوا حتیٰ یاتی امر اللہ کہ جب تک خدا کا حکم نہ آجائے تب تک ان کو معاف کرتے رہو اور ان سے درگذر کرتے رہو اور جب حکم الٰہی آجائے گا یہ حکم ختم ہوجائے گا، یہ حکم بھی محل نسخ نہیں ہے، دوسرا حکم غیر موبد وہ حکم ہے کہ اس کا وقت مقرر نہیں ہے بلکہ علم الٰہی میں ہے وہی جانتا ہے کہ یہ حکم کس مدت تک رہے گا اور جب اس حکم کے ختم ہونے کا وقت آئے گا تو خدا کی طرف سے اس کی جگہ دوسرا حکم آجائے گا جو پہلے حکم کے خلاف ہوگا گویا علم الٰہی میں اس کا وقت مقرر تھا دوسرا حکم آنے کے بعد ہم کو اس حکم کی انتہا معلوم ہوئی یہ دوسرا حکم پہلے حکم میں تغیر کرنا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتاتا ہے کہ پہلے حکم کا وقت ختم ہوگیا مثلاً سرکاری دفتروں میں موسم گرما میں یہ حکم ہوتا ہے کہ تمام دفاتر سویرے ۶ر بجے کھلیں گے حسب دستور دس بجے نہیں، تمام دفتر والے اس حکم پر عمل کرتے ہیں اور جب موسم گرما ختم ہوجائے گا تو ازخود یہ حکم ختم ہوجائیگا کیوں کہ حکم دینے والے کی منشاء یہی تھی، اسی طرح اہل اسلام کے نزدیک نسخ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے والے حکم شرعی کا اب وقت ختم ہوگیا اور اب اس کی جگہ دوسرا حکم شرعی ہوگا۔

اس موقعہ پر پادری فنڈر نے سوال کیا کہ انجیل کا کون سا حکم اس اصطلاح کے مطابق آپ منسوخ مانتے ہیں؟ مولانا کیرانوی نے برجستہ فرمایا کہ مثلاً حرمت طلاق وغیرہ پادری فنڈر نے کہا کہ کیا اس معنی کے لحاظ سے مکمل انجیل آپ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے؟ مولانا کیرانوی نے فرمایا نہیں، مثلاً انجیل مرقس بارہویں باب میں کہا گیا ہے، اے بنی اسرائیل! ہمارا معبود خدا ہے اور خدا ایک ہے، اس سے دل و جان سے محبت کرو، اسی طرح کہا گیا ہے کہ اپنے پڑوسی سے اسی طرح محبت کرو جس

طرح اپنی ذات سے محبت کرتے ہو، ہم مانتے ہیں کہ انجیل کے یہ دونوں حکم منسوخ نہیں ہیں۔

پادری فنڈر نے اس موقعہ پر کہا کہ انجیل کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے اور انجیل منسوخ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ لُوقا کی انجیل کے اکیسویں باب کی آیت ۳۳ میں خود عیسیٰ مسیح کا قول ہے کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں لیکن میری بات نہیں ٹل سکتی، معلوم ہوا کہ انجیل دائمی اور ابدی ہے وہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔

اس کے جواب میں ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول عام نہیں خاص ہے جو ایک خبر یا پیشنگوئی سے متعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشنگوئی کی تھی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے، ان کے متبعین بہت ظلم و زیادتی کریں گے، ہیکل سلیمانی تہس نہس کریں گے، یروشلم کو تباہ و برباد کریں گے، اسی پیشنگوئی کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ یہ میری بات قطعی اور یقینی ہے ایسا ہو کر رہے گا ظاہر ہے کہ اس کلام کا تعلق انجیل کی منسوخی یا عدم منسوخی سے قطعاً نہیں ہے اس جملہ سے انجیل کے نہ منسوخ ہونے کا دعویٰ بالکل غلط ہے، کیونکہ اس سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں، پادری فنڈر نے پھر بھی کہا کہ یہ قول خاص نہیں عام ہے، تب ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ انجیل کے مفسرین میں رُوجر، دوالی، ڈینیٹ نے ایک آیت کی تفسیر کے ذیل میں جو لکھا ہے وہ آپ کے دعویٰ کی تغلیط کرتا ہے، ان مفسرین نے کہا ہے کہ پادری بیرس کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ نے کہا کہ میں نے جس بات کی خبر دی ہے وہ ہو کر رہے گی اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے، اسی طرح ڈین استاہین ہوب اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ زمین و آسمان اگر چہ نا قابل زوال ہیں لیکن وہ بھی ٹل سکتے ہیں لیکن میں نے جس ہونے والے واقعہ کی خبر دی ہے وہ نہیں ٹل سکتی وہ واقعہ ہو کر رہے گا، ان دونوں تفسیروں سے ثابت ہوتا ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول اسی خبر کے ساتھ خاص تھا، عام نہیں تھا، ڈاکٹر وزیر خاں کی اس وضاحت دلیل اور حوالے کے باوجود پادری فنڈر نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور کہتا رہا کہ یہ عام ہے خاص نہیں، اور دلیل کوئی نہیں، یہ صورت حال دیکھ کر ڈاکٹر وزیر خاں نے جھنجھلاہٹ کے لہجہ میں کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ہم تو آپ کے سامنے آپ ہی کے گھر کے دو گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرتے ہیں اور آپ بلا دلیل وشہادت کے ایک غلط بات پر اصرار کرر ہے ہیں، اگر آپ کے پاس دلیل ہوتو دلیل دیجئے محض زبانی دعویٰ سے کام چلنے والا نہیں، آپ صاف کہتے کیوں نہیں کہ میرے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں، کوئی شاہد نہیں۔

ڈاکٹر وزیر خاں کے اس تلخ لب ولہجہ کے بعد پادری فنڈر خاموش ہو گیا اور چپ سادھ لی، ڈاکٹر صاحب کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ حقیقت یہی تھی کہ اس کا علم وکمال جواب دے گیا تھا اس کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل، کوئی شاہد نہیں تھا مگر چونکہ وہ نسخ کا قائل نہیں تھا اس لئے اس نے روئے سخن بدل کر ایک اور کمزور اور بے جان دلیل کا سہارا لیا، اس نے کہا کہ:

> ''پیٹرس نے اپنی کتاب کے پہلے باب کی آیت ۲۳ میں لکھا ہے کہ تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے، سبزہ اور گھاس نہیں کہ فنا ہو جاؤ، بلکہ تم ان میں سے ہو جو فنا نہیں ہوتا اللہ کا کلمہ زندہ اور ابد تک باقی رہنے والا ہے''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا کلمہ ابد تک باقی رہنے والا ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوسکتا پادری فنڈر کی اس دلیل کے جواب میں مولانا کیرانوی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ کتاب اشعیاء کے چالیسویں باب آیت نمبر ۸ میں بالکل یہی بات وہی الفاظ ہیں جو آپ نے پیٹرس کے نقل کئے ہیں اور آپ کی کتاب میزان الحق کے صفحہ ۸۹ پر ہے، الفاظ یہ ہیں:

''سبزہ سوکھ گیا، پھول اور کلیاں شاخوں سے گر گئیں اور ہمارے پروردگار کا کلمہ ابد تک ہمیشہ رہنے والا ہے''

پطرس اور اشعیاء دونوں کے جملے اور الفاظ بالکل ایک ہیں اگر پطرس کے جملے سے آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انجیل میں نسخ نہیں ہوسکتا وہ ہمیشہ باقی رہنی والی ہے تو کتاب اشعیاء سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ توریت میں بھی کوئی نسخ نہیں ہوسکتا اس کے سارے اوامر ونواہی باقی رہنے والے ہیں جیسا کہ آپ کے مذہب عیسوی میں توریت کے سیکڑوں اوامر ونواہی کو بدل دیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لوگ تورات کو منسوخ مانتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ کلام الٰہی میں نسخ نہیں ہوتا۔

اس کے جواب میں پادری فنڈر نے کہا کہ ہاں ہم تورات کو منسوخ مانتے ہیں لیکن یہاں تورات کی بات نہیں انجیل کی بات ہے، مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر سے فوراً سوال کیا کہ آپ نے پطرس کا قول اسلئے پیش کیا ہے کہ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انجیل قابل نسخ نہیں اور ٹھیک یہی جملہ اشعیاء کی کتاب میں ہے تو وہاں توریت کو کیوں قابل نسخ مانتے ہیں؟ یا تو توریت وانجیل دونوں کو قابل نسخ تسلیم کریں یا دونوں کو ناقابل نسخ مانیں، ایک جملے کے دو معانی اور دو مرادیں بیک وقت کیسے صحیح ہوسکتی ہیں جب توریت قابل نسخ ہے تو انجیل بھی اسی جملہ کی روشنی میں منسوخ ہوسکتی ہے، آپ نے توریت کو منسوخ مان کر خود ہی ثابت کردیا کہ انجیل بھی منسوخ ہوسکتی ہے۔

پادری فنڈر نے پطرس کا قول پیش کرکے خود ہی اپنی راہ میں مشکلات پیدا کرلیں اب وہ اس سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگا، اس نے بہت سوچ کر کہا کہ ہم نے پطرس کا قول تو بطور سند کے پیش کیا ہے، انجیل کو ہم ناقابل نسخ عیسیٰ مسیح کے قول کی وجہ سے مانتے ہیں۔

مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ انجیل کی تفسیر کرنے والوں کے اقوال سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول انجیل کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ایک پیشگوئی کی خبر دی تھی اس کے یقینی ہونے کے بارے میں یہ جملہ استعمال کیا تھا، انجیل کیلئے نہیں، اس لئے یہ انجیل کے عدم نسخ کی دلیل نہیں بن سکتا، اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی طرح کا ایک قول توریت کے بارے میں ہے، متیٰ انجیل کے پانچویں باب کی آیت ۸ میں ہے، میں برحق ہوں اور حق بات کہتا ہوں، میری بات ٹل نہیں سکتی چاہے آسمان وزمین ٹل جائیں اور ایک حرف ایک نقطہ توریت کا ٹل نہیں سکتا حتیٰ کہ اس کی تکمیل ہو جائے، عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جملہ یہاں بھی ہے تو آپ توریت کو کیوں قابل نسخ مانتے ہیں اور اس کے بہت سے احکام کو بدل ڈالا، عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی قول ایک جگہ اس کا معنیٰ کچھ لیتے ہیں دوسری جگہ اس کا معنیٰ کچھ اور لیتے ہیں یہ عجیب حیرتناک بات ہے، اس کے جواب میں پادری فنڈر نے صرف اتنی بات کہی کہ ہماری گفتگو توریت کے سلسلے میں نہیں ہے، اب ڈاکٹر وزیر خاں بولے کہ آپ کی گفتگو توریت کے بارے میں کیوں نہیں ہے، ہمارے نزدیک تو توریت وانجیل دونوں برابر ہیں آپ اپنا لکھا ہوا کیوں بھول جاتے ہیں، آپ ہی نے اپنی کتاب میزان الحق کے پہلے باب کی دوسری فصل میں لکھا ہے کہ:

''انجیل اور کتب عہد عتیق کسی زمانے میں منسوخ نہیں ہوئیں''

پادری فنڈر نے کہا کہ ہاں میں نے یہ لکھا ہے لیکن اس وقت ہماری مولانا کیرانوی سے گفتگو صرف انجیل کے بارے میں ہے توریت کے بارے گفتگو نہیں ہے ، پادری فنڈر کی یہ بات انتہائی ہٹ دھرمی کی تھی اور صرف حاکمانہ رعب کی وجہ سے علماء اسلام نے برداشت کر لیا۔

اب ڈاکٹر وزیر خان نے عملی طور پر خود انجیل میں نسخ ثابت کرتے ہوئے کہا کہ

توریت کے بہت سے احکام کو حواریوں نے بدل دیا تھا لیکن ان احکام میں اب چار احکام باقی رہ گئے ہیں ان میں بتوں کا چڑھاوا، خون، گلا گھونٹنے کی اور زنا کی حرمت ہے، اب مذکورہ بالا چاروں حکموں میں صرف زنا کی حرمت باقی رہ گئی ہے تینوں حکم منسوخ کردیئے گئے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انجیل میں نسخ عملی طور پر ہوتا رہا ہے، پادری فنڈر نے ان امور کے سلسلہ میں کہا کہ اس میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے کچھ لوگ ان کو منسوخ مانتے ہیں اور کچھ لوگ اس کو منسوخ نہیں مانتے، پادری فنڈر کے اس اعتراف پر کہ کچھ علماء اس کو منسوخ مانتے ہیں مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ آپ کے کچھ علماء بھی انجیل میں نسخ مانتے ہیں آپ کی وضاحت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوگیا کہ عیسائی علماء میں بھی انجیل میں نسخ کے قائل ہیں، مولانا کیرانوی نے عملی نسخ کے ثبوت میں ایک اور حوالہ پیش کیا آپ نے فرمایا کہ انجیل متّیٰ کے دسویں باب میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ میں بنی اسرئیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی میری دعوت صرف بنی اسرائیل تک محدود رہے گی اس کے برخلاف انجیل مرقس کے سولہویں باب کی آیت ۱۵ میں ہے کہ مسیح نے حواریوں سے کہا کہ سارے عالم میں جاؤ اور انجیل کی تعلیمات کو عام مخلوق تک پہونچاؤ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا پہلا قول منسوخ ہے دوسرا قول اس کا ناسخ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے عہد سے انجیل میں نسخ جاری رہا ہے۔

اس کے جواب میں پادری فنڈر نے کہا کہ یہ نسخ تو خود مسیح نے کیا ہے، اس پر مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ اس سے اتنا تو قطعی طور پر ثابت ہی ہوگیا کہ انجیل میں نسخ ممتنع نہیں بلکہ ممکن ہے چاہے وہ نسخ کسی کے ذریعہ ہوا ہو اور کسی وجہ سے ہوا ہو، بہر حال انجیل میں ایک حکم نے دوسرے حکم کو منسوخ کیا ہے اس لئے ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ انجیل قابل نسخ ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ عیسیٰ مسیح کو نسخ کی قدرت حاصل تھی

اس لئے وہ نسخ کر سکتے ہیں،تو آپ کے مسیح کے باپ کوتو مسیح سے بھی زیادہ قدرت حاصل ہے، خود مسیح نے اس کا اقرار کیا ہے انجیل یوحنا کے چودھویں باب کی اٹھائیسویں آیت میں عیسیٰ مسیح کا قول اس طرح ہے:

''میرا باپ مجھ سے عظیم تر ہے''

اسی لئے اہل اسلام کہتے ہیں کہ مسیح کے باپ چونکہ مسیح سے زیادہ قدرت والے ہیں اور عظیم تر ہیں، انھوں نے قرآن کو نازل کر کے انجیل کو منسوخ کر دیا، جب بیٹے کو اختیار ہے تو باپ کو اس سے کہیں زیادہ اختیار حاصل ہے، مسلمان کبھی نہیں کہتے کہ محمد عربی ﷺ نے انجیل کو منسوخ کر دیا، انجیل میں نسخ نہ ہونے کی دلیل میں عیسیٰ مسیح کا مذکورہ قول پیش کرنا قطعاً باطل اور لغو ہے کیوں کہ انجیل کے مفسرین نے غیر مبہم لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ وہ ایک خاص خبر کے سلسلے میں تھا، انجیل کیلئے نہیں تھا اور پھر انجیل میں نسخ نہ ماننے کی شکل میں اور بھی خدشات ہیں اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے سامنے پیش کروں۔

پادری فنڈر نے کہا، ضرور پیش کیجئے۔

مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ آپ نے اپنی کتاب میزان الحق میں پہلے باب کی دوسری فصل میں تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کے نزول سے توریت اور انجیل کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا دو وجوہ سے باطل ہے کیونکہ نسخ ماننے کی صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں

ایک تو یہ کہ توریت دے کر اللہ تعالیٰ نے ایک اچھے کام کا ارادہ کیا لیکن وہ میسر نہ ہوا تو اس سے افضل زبور دیا، زبور کے بعد بھی خدا کا مقصد پورا نہیں ہوا تو ان دونوں کو منسوخ کر کے انجیل دیدیا اور پھر دینے کے بعد کام نہیں بنا، مقصد خداوندی پورا نہیں ہوا تو اس نے قرآن عطا کر دیا، اگر یہ بات مان لی جائے عیاذاً باللہ تو خدا کی حکمت

وقدرت سب باطل ہوجاتی ہیں اور اس کی حیثیت اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی عام انسانی بادشاہ کی، جس کی عقل کمزور ہے، سوجھ بوجھ بھی بہتر نہیں ہے، یہ انسانوں میں بھی عیب کی بات ہے تو اللہ کی ذات تو اس سے بہت بلند و بالا ہے۔

دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت وقدرت سے اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے بندوں کو ناقص چیزیں دی جو منزل مقصود تک پہونچانے والی نہیں تھیں، توریت، زبور، انجیل سب ناقص چیزوں کی فہرست میں آجائیں گی کہ ان سے مقصد الٰہی حاصل نہیں ہوا اور یہ تصور بھی خدا جو صفات کاملہ سے متصف ہے اس کی ذات کے بارے میں کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا اور نہ ہی کوئی اس طرح کی بات سوچ سکتا ہے کہ خدا نے ناقص چیزوں کا انتخاب کیا۔

مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کی کتاب سے اس کے اعتراضات کو بیان کر کے فرمایا کہ آپ نے جو دو خرابیوں کے الزامات عائد کئے ہیں وہ الزامات اہل اسلام پر تو عائد نہیں ہوتے البتہ عیسائیوں پر یہ دونوں الزامات ضرور عائد ہوتے ہیں مسلمانوں کے نزدیک نسخ کا جو اصطلاحی مفہوم ہے اس کے لحاظ سے مسلمانوں پر ان دو الزاموں میں سے کوئی لازم نہیں آتا اور نہ ان پر صادق آتا ہے البتہ آپ کے پیشروؤں نے جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ سے عیسائی اس قبیح عقیدہ کے ماننے والے ضرور ثابت ہوتے ہیں، مسلمان تو ان خیالات سے کھلم کھلا برأت کا اظہار کرتے ہیں، آپ کے اسلاف میں ایک بڑے عالم بولس مین ہیں، انھوں نے رسالہ عبرانیہ کے ساتویں باب کی اٹھارہویں آیت یہ نقل کی ہے:

”وصیۃ سابقہ یعنی توریت کے باطل ہونے کی وجہ اس کا ضعف اور عدم نافعیت ہے“

پھر اسی رسالہ کے آٹھویں باب میں ہے کہ اگر توریت بے عیب رہتی تو انجیل

کے آنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور پھر جب انجیل کو جدید کہا گیا ہے تو توریت پرانی اور قدیم ہوگئی جو چیز پرانی اور قدیم ہوگئی اور فرسودہ ہوگئی وہ اضمحلال کے قریب ہوجاتی ہے، ان دونوں قولوں میں بولس نے یہی کہا ہے کہ توریت ضعیف بھی ہے، وہ نافع بھی نہیں ہے، اس میں عیب بھی ہے اور اضمحلال کے قریب ہے مسلمان تو نعوذ باللہ یہ بات کہہ ہی نہیں سکتا، اس پر پادری فنڈر نے چپ سادھ لی اور اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

مناظرہ کا پہلا اجلاس نسخ کی بحثوں سے گونجتا رہا، بحث کے آخر میں ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ عام طور سے سارے پادری نسخ سے انکار کرتے ہیں اور خاص طور سے فاضل محترم پادری فنڈر صاحب نے تو اپنی کتاب میں نسخ کو ممتنع اور امر محال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ہم نے آپ ہی کی کتابوں سے اور انجیل کی تفسیروں سے ثابت کردیا کہ نسخ ممتنع اور محال نہیں بلکہ ممکن ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہم نے تو وقوعی طور پر نسخ کی نشاندہی بھی کردی اور آپ لوگوں نے اسی جلسہ میں نسخ کا اقرار واعتراف بھی کرلیا ہے، پادری فنڈر صاحب نے غیر مبہم لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ توریت منسوخ ہے جبکہ ان کا دعویٰ تھا کہ کلام الٰہی میں نسخ ممکن ہی نہیں ہے، اسی طرح ہم نے ثبوت اور دلائل کے ساتھ ثابت کردیا ہے کہ انجیل میں نسخ ہوا ہے چاہے وہ نسخ خود مسیح نے کیا ہو، چاہے حواریوں نے کیا ہو، آپ لوگوں نے بھی اس کو تسلیم کرلیا اور تمام حاضرین کے سامنے آپ نے اعتراف کیا ہے، اب تک آپ حضرات عوام کے سامنے جو دعویٰ کرتے رہے اور پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب میزان الحق میں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا وہ غلط ثابت ہوگیا اور اپنی غلطی کو تمام حاضرین کے سامنے انھوں نے تسلیم بھی کیا ہے، جب توریت منسوخ ہوگئی، انجیل کے احکام میں نسخ ہوا تو اہل اسلام جو دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کے نزول کے بعد انجیل کے احکام منسوخ

ہو گئے تو آپ کو اس کا بھی اقرار کر لینا چاہئے کیوں کہ آپ لوگ اب نسخ کے ممتنع اور محال ہونے کے عقیدے سے عملاً رجوع کر چکے ہیں، قرآن کے نزول سے انجیل کے منسوخ ہونے کے ہمارے پاس ناقابل تردید دلائل ہیں، جو ابھی ہم نے آپ کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، ان دلائل سے مجبور ہو کر انجام کار اس کو بھی تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ قرآن نے انجیل کو منسوخ کر دیا۔ (المناظرۃ الکبریٰ، ڈاکٹر عبد القادر حنبل ص:۲۲۲_۲۲۸)

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۸)

تحریف کے مسئلہ پر مباحثہ

جب متعدد شواہد و دلائل سے پادریوں کے علی الرغم کلام الٰہی میں نسخ کو ثابت کر دیا اور اپنے حریف پادری فنڈر اور پادری فرنچ سے حاضرین کے سامنے اعتراف کرالیا، اس کے بعد مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ ہم نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور قطعی دلائل سے ثابت کر دیا کہ آپ کا نظریہ یا عقیدہ غلط، مہمل اور لغو ہے، اسلئے ہم نسخ پر بحث اب یہیں تام کرتے ہیں اور دوسرے موضوع "تحریف" پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

سب سے پہلے میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کس طرح کی تحریف کا ثبوت چاہتے ہیں تا کہ ہم اسی قسم کی تحریفات کے دلائل وشواہد آپ کے سامنے پیش کریں، جب پادریوں کی طرف سے اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا گیا تو آپ نے ان سے دوسرا سوال کیا کہ اگر میری پہلی بات کا جواب نہیں دیتے تو مہربانی کر کے یہ بتادیں کہ آپ توریت اور انجیل کو مکمل الہامی کتاب اور حرفاً حرفاً کلام الٰہی مانتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس کے جواب میں پادری فنڈر نے کہا کہ ہم حرف ولفظ کے تغیر وتبدل کو کاتب کا سہو مانتے ہیں، مولانا کیرانوی نے کہا کہ کاتب کے سہو کو چھوڑیئے، آپ غیر مبہم لفظوں میں بتایئے کہ جملے، فقرے جن سے ایک معینہ معنی سمجھا جاتا ہے انجیل یا تورات کے ہر فقرے اور ہر جملہ کو آپ کلام الٰہی مانتے ہیں یا نہیں؟ پادری فنڈر نے اس کے جواب میں کہا کہ لفظوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، اتنی کرید کے باوجود پادری فنڈر نے اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کیا، اس کا واضح مطلب

یہ ہے کہ یا تو وہ ڈر رہا ہے کہ جونہی میں نے کسی بات کا اقرار کیا کہ جال میں پھنسا، جیسے ڈرا ہوا شکار پتہ بھی کھڑکتا ہے تو سرپٹ بھاگتا ہے پادری فنڈر کا حال ٹھیک اسی طرح کا تھا، اس نے دیکھ لیا کہ پون گھنٹہ کی بحث میں ہم نے اپنی کتابوں کے جتنے حوالے دیئے اس سے کئی گنا زیادہ حوالے انھوں نے دیدیئے اس کو اب یہ یقین ہو چکا تھا کہ ہمارے مذہب کی جتنی معلومات ہم کو حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ یہ حضرات اس سے واقف ہیں، یہی وجہ تھی کہ کئی بار لاجواب ہو کر عوام کے سامنے اور انگریز افسران کی موجودگی میں اس کو رُسوا ہونا پڑا تھا، جو علامہ زماں اب تک بنا رہا مولانا کیرانوی کے سامنے وہ طفل مکتب بنتا جارہا تھا، اس لئے وہ تحریف کے سلسلہ میں کوئی مثبت جواب نہیں دیتا اور توریت وانجیل کے کلام الٰہی ہونے میں اپنے عقیدے کا صاف لفظوں میں اظہار نہیں کرتا ہے، دوسری بات یہ کہ ہر مذہب والے کو اپنا مذہبی عقیدہ غیر مبہم طور معلوم ہوتا ہے چاہے وہ صحیح ہو یا غلط، لیکن عقیدہ متعین اور صاف ہوتا ہے، پادری فنڈر کو بھی توریت وانجیل کے مکمل کلام الٰہی ہونے کے عقیدے کا اظہار کرنا چاہئے تھا لیکن اس نے نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خود چور ہے، زبانی دعویٰ ضرور کرتے ہیں لیکن دل سے ان کتابوں کو مکمل کلام الٰہی نہیں مانتے ہیں جیسا کہ دلائل سے ثابت ہوا، وہ اپنی کتابوں میں کتر بیونت سے خوب واقف ہیں اسلئے ان میں جرأت اظہار نہیں تھی، **صاحب البیت ادریٰ بما فیه** لیکن اپنے حریف کے سامنے اس کا اقرار واعتراف کر کے زندگی بھر کی رسوائی کیلئے وہ تیار نہیں تھے، اسلئے پادری فنڈر نے آخر تک توریت وانجیل کے کلام الٰہی ہونے کے سلسلہ میں اپنے غیر مبہم عقیدہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ یہ بتایا کہ ہم کس طرح کے ثبوت سے تحریف کو تسلیم کریں گے۔

مولانا کیرانوی نے جب دیکھ لیا کہ یہ بدکا ہوا ہرن خوف زدہ ہے، ایک قدم اس

کی طرف بڑھیے تو وہ قلانچیں بھرنے لگتا ہے تو آپ نے چمکارنے والی پالیسی بدل دی، اور بلاتاخیر آپ نے توریت وانجیل میں تحریفات کے دلائل وشواہد کا سلسلہ شروع کردیا، آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے مشہور مورخ یوسی بیس نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جب جسٹن شہید کا طریفون یہودی سے مناظرہ ہوا تھا تو اس نے دعویٰ کیا تھا کہ توریت میں متعدد بشارات کی آیتیں تھیں ان آیتوں کو یہودیوں نے توریت سے نکال دیا ہے اور آج توریت میں یہ آیتیں نہیں ہیں۔

آپ لوگوں کے دوسرے عالم والسٹن نے اپنی کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ مجھے بالکل شک نہیں ہے کہ جسٹن نے یہودیوں پر بہت سی آیتوں کے نکال دینے کا جو الزام لگایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، یہ عبارتیں جسٹن اور ارینیوس کے زمانہ میں توریت کے عبرانی نسخے میں اور ترجمہ سبعینیہ میں موجود تھیں اور کتاب مقدس توریت کا جزء تھیں اور آج وہ عبارتیں موجودہ نسخوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، خاص طور پر وہ عبارت جس کی جسٹن نے نشاندہی کی ہے وہ کتاب ارمیاہ میں تھی، سبر جبیس نے جسٹن کے حاشیہ پر لکھا ہے اور ڈاکٹر کریب نے آرنیوس کے حاشیہ میں لکھا ہے، مشہور مفسر انجیل ہورن نے اپنی تفسیر کی چوتھی جلد کے صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے (مطبوعہ ۱۸۲۲ء) کہ طریفون یہودی سے مباحثہ کے وقت عزرا (یہودیوں کے نزدیک ایک مٹی کا نام ہے) کا قول جسٹن نے نقل کیا تھا وہ آج توریت میں نہیں ہے، اس کی نشاندہی کرتے ہوئے وانی تبکر لکھتا ہے کہ غالباً وہ قول کتاب عزرا کے چھٹے باب کی اکیسویں اور بائیسویں آیت کے درمیان تھا، ڈاکٹر ای کلارک بھی جسٹن کی تصدیق کرتا ہے۔

اب تمام ثبوتوں اور شہادتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ یہودیوں نے بہت سی آیتوں کو توریت سے حذف کردیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جسٹن سچا ہے یا جھوٹا؟ جس نے یہودیوں پر توریت میں تحریف کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور

الزام لگایا ہے اگر آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جسٹن سچا ہے تو ہمارا مدعا ثابت ہو جاتا ہے کہ توریت میں تحریفات ہوئی ہیں، پھر ہمیں کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے، اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ جسٹن جھوٹا ہے، اس نے یہودیوں پر غلط الزام لگایا ہے تو آپ لوگوں کیلئے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ آپ کے اسلاف جن کی بڑی عظمت وشہرت تھی وہ جھوٹے تھے، جس مذہب کے بڑے علماء جھوٹے ہوں تو ہمیں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے۔

پادری فنڈر سخت کشمکش میں مبتلا ہو گیا نہ جھوٹا کہہ سکتا ہے نہ سچا اس نے صرف اتنا کہا کہ جسٹن بھی ایک آدمی تھے، ان سے بھول چوک ہوگئی، پادری فنڈر کے اس کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہوجاتی، یہ تو بہت بے غیرتی کا جواب ہے، مولانا کیرانوی نے کہا کہ آپ کے اس جواب سے تو آپ کے وہ تمام قدیم علماء اور اسلاف جنھوں نے جسٹن کی تائید اور تصویب وتصدیق کی ہے وہ سب جھوٹے، فریبی اور جعلساز ثابت ہوجاتے ہیں، ایک صراحتاً جھوٹی بات ہے اور سب وہی جھوٹ پسند کرتے ہیں ،انھیں جھوٹوں پر آپ کی مذہبی روایات کا دارومدار ہے، اور آپ اس کے باوجود اپنے مذہب کو حق اور سچا سمجھتے ہیں، جسٹن پر بھول چوک کا الزام لگا کر آپ کی ذمہ داری ختم نہیں ہوجاتی صرف دعویٰ کر دینے سے یہاں کام چلنے والا نہیں، آپ کو اس کا ثبوت پیش کرنا چاہئے کہ اصل حقیقت کیا ہے اگر آپ کے کچھ قدیم علماء نے جسٹن کے خلاف کچھ کہا ہے تو آپ ثبوت میں پیش کیجئے ،صرف آپ کے کہہ دینے سے ہم جسٹن کے بارے میں مان لیں کہ اس سے بھول چوک ہوگئی، ہم کیسے مان لیں، سچی بات تو یہ ہے پادری فنڈر کو اس تاریخی واقعہ کی خبر ہی نہیں تھی لفاظی اور چرب زبانی اور چیز ہے، اس کے پاس اس صداقت سے انکار کا کوئی راستہ نہیں تھا، تحریف کا یہ ناقابل تردید ثبوت تھا جس کا پادری فنڈر اور پادری فرنچ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

تحریف کا دوسرا ثبوت: مولانا کیرانوی نے کتاب مقدس میں تحریف کی دوسری شہادت پیش کی، آپ نے فرمایا کہ ہنری اور اسکاٹ کی تفسیروں کو جمع کرنے والوں نے صراحت کے ساتھ جلد اول میں لکھا ہے کہ اگستائن اکابر کی عمروں کے بارے میں یہودیوں کو الزام دیتا تھا وہ کہتا ہے کہ یہودیوں نے تورات کے عبرانی نسخے میں تحریف کر دی ہے اور جمہور علماء بھی وہی بات کہتے ہیں جو اگستائن کہتا ہے اور متفقہ طور پر سب کہتے ہیں کہ یہ تحریفات ۱۳۰ء میں ہوئی ہیں۔

اس ثبوت کے جواب میں پادری فنڈر نے پھر وہی بے حیائی کا جواب دیا کہ ہنری اور اسکاٹ کی تحریروں کا کوئی وزن نہیں، دونوں صرف مفسر ہیں، مفسرین کی تعداد تو سیکڑوں ہے۔

مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کو جواب دیا کہ جناب محترم! یہ صرف دو آدمیوں کی رائیں نہیں ہیں بلکہ تمام قدیم علماء کی رایوں کی ترجمانی ہے وہ خود اپنی رائے نہیں پیش کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سارے مفسرین نا قابل اعتبار ہیں؟ آپ دو کو جھٹلا کر اپنے بہت سے اسلاف کی تکذیب کرتے ہیں، سوچ کر جواب دیجئے۔

عیسیٰ مسیح کی بات: پادری فنڈر نے کہا کہ ہم دوسروں کے مقابلہ میں عیسیٰ مسیح کی بات کو اپنی شہادت میں پیش کرتے ہیں، عیسیٰ مسیح کی بات کہیں زیادہ مضبوط شہادت ہے، یہ کہہ کر پادری فنڈر نے انجیل سے دو آیتوں کے ترجمے پیش کئے جس میں کہا گیا کہ اگر تم موسیٰ کی تصدیق کرتے تھے تو گویا تم میری تصدیق کرتے تھے کیوں کہ وہ میری کتاب ہے، اس طرح کے مفہوم کی ایک اور آیت اس نے پیش کی۔

پہلے خدا کی کتاب ثابت کرو: پادری فنڈر کی بات ختم ہوتے ہی ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ یہ انتہائی حیرتناک بات ہے کہ آپ ایسی کتاب سے ہمارے

خلاف دلیل پیش کرتے ہیں جس کا خدا کلام ہونا ہی ثابت نہیں ، ہمارا دعویٰ ہے کہ انجیل میں بہت سی تحریفات، کمی بیشی ، ردوبدل کردیا گیا ہے، پتہ نہیں چلتا کہ کون خدا کا کلام ہے اور کون انسانی کلام ہے، پہلے ثابت کیجئے کہ انجیل مکمل کلام الٰہی ہے، تب اس کے بعد اس سے دلیل پیش کیجئے، ہمارے نزدیک آپ کی دلیل میں کوئی وزن نہیں

دوسری بات یہ کہ آپ نے جو بات کہی ہے اس سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ مسیح کے زمانہ میں وہ کتاب موجود تھی اور بس، اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوتا، یہ صرف میرا ہی خیال نہیں بلکہ خود بیلی نے جس کا ذکر آپ نے اپنی کتاب حل الاشکال مطبوعہ لندن ۱۸۵۰ء کی قسم ثالث کے چھٹے باب میں کیا ہے کہ مسیح کی شہادت سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں موجود تھی لیکن یہ کہ اس کا جملہ جملہ، لفظ لفظ خدا کا کلام ہے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ، کیوں کہ الفاظ کا تواتر ثابت نہیں ہے۔

پردہ اُٹھ گیا: پادری فنڈر کے سامنے جب اس کی دلیل کی کمزوری ثابت ہوگئی تو حسب عادت اس نے پھر وہی کہا کہ اس مقام پر ہم بیلی کی بات تسلیم نہیں کریں گے۔

معلوم نہیں کیوں فنڈر جب لاجواب ہوجاتا ہے اور اس کی علمیت جواب دے دیتی ہے تو وہ جھٹ سے کہہ دیتا ہے کہ ہم فلاں کو تسلیم نہیں کرتے ، درجنوں موقعوں پر اس نے اپنے قدیم علماء کی تشریحات سے انکار کرکے ان کو ناقابل اعتبار کہہ دیا ہے، سوال یہ ہے کہ پادری فنڈر کی اس کے اسلاف اور قدیم علماء کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے، ضرورت پڑتی ہے تو انھیں قدیم علماء کے اقوال کو سند میں پیش کرتا ہے اور جب حلق میں کانٹا پھنس جاتا ہے تو ان کی عظمت واحترام سے انکار کرنے لگتا ہے اور علمی جواب کا اس کے پاس قحط پڑجاتا ہے، شاید اس کو یہ نہیں معلوم کہ صداقت دہکتا ہوا

انگارہ ہے، جعلسازی کی کتنی ہی دبیز پردوں سے اس کو چھپایا جائے گا وہ انگارہ ان پردوں کبھی نہ کبھی جلا کر خاکستر کردے گا اور صداقت ظاہر ہو جائے گی، پادری فنڈر برسوں سے لن ترانیاں ہانکتا رہا کیوں کہ کوئی فولادی ہاتھ ان پردوں کو اٹھانے والا ابھی سامنے نہیں آیا تھا اور جب وہ آہنی ہاتھ تہ در تہ پردوں کو ایک ایک کرکے اٹھا رہا ہے تو وہ بے نقاب نہیں، ننگا ہوا جا رہا ہے، آج اس کے پُرفریب دعوے سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے، اس کی ساری طلاقت لسانی جواب دے رہی ہے، اس کی فرضی ہمہ دانی کا دعویٰ خاک ہوتا جا رہا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اور مولانا کیرانوی کے عالمانہ سوالوں کا کوئی علمی جواب اس کو نہیں سوجھتا ہے۔

بیلی نہیں آپ: مولانا کیرانوی نے کہا کہ آپ بیلی کے قول کو تسلیم نہیں کرتے تو ہم آپ کے قول کو تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ بیلی بہرحال آپ کے مذہب کا آپ سے بڑا عالم ہے اس لئے بیلی صحیح کہتا ہے اور آپ کی بات سو فیصد غلط اور نا قابل اعتبار۔

ڈاکٹر وزیر خاں نے توریت کے محرف ہونے پر جب دوسری دلیل پیش کی تو پادری فنڈر نے کہا کہ توریت کے بارے میں ہم نے عیسیٰ مسیح کی شہادت پیش کردی ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، اب توریت پر گفتگو کا کچھ حاصل نہیں، مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے جواب میں کہا کہ ہماری گفتگو عہد قدیم اور عہد جدید یعنی توریت وانجیل دونوں کے مجموعے پر ہے، اس کے کسی جزء پر نہیں، اور آپ نے انجیل کی شہادت پیش کی جبکہ ہم انجیل کو قابل اعتبار ہی نہیں سمجھتے، پہلے اس کو کلام الٰہی ثابت کیجئے اور ہر قسم کی تحریفات سے مبرّا اور پاک ہونے کو نا قابل تردید دلائل سے ثابت کرلیجئے تب انجیل کو دلیل میں پیش کیجئے۔

پادری فنڈر نے پھر اپنی بات دہرائی اور کہا کہ توریت کے بارے میں ہم نے

عیسیٰ مسیح کی شہادت پیش کردی، آپ انجیل کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ خود انجیل میں تحریف ثابت کردیجئے۔

انجیل میں تحریف: ڈاکٹر وزیر خاں نے اس کے جواب میں کہا کہ اگرچہ آپ کی بات صحیح نہیں ہے لیکن اگر آپ ہم ہی سے تحریف کا ثبوت چاہتے ہیں تو لیجئے ثبوت حاضر ہے، یہ کہہ کر ڈاکٹر وزیر خاں نے انجیل ہاتھ میں اٹھالی اور انجیل متّیٰ سے پہلے باب کی سترہویں آیت پڑھ کر سنائی، آیت یہ ہے، ابراہیم سے داؤد تک چودہ نسلیں ہیں، آیت پڑھ کر آپ نے پادری فنڈر کو مخاطب کر کے کہا، آپ بتائیں کہ دوسرے طبقہ کے آٹھویں شخص کا کیا نام ہے؟ پادری فنڈر نے کہا کہ ہم کو اس سے کچھ مطلب نہیں، آپ تو ہم کو یہ بتائیے کہ کیا یہ عبارت انجیل کے تمام نسخوں میں اسی طرح پائی جاتی ہے، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ اس وقت انجیل کے جتنے متداول نسخے ہیں سب میں یہ عبارت ہے، ہمیں یہ نہیں معلوم کہ قدیم نسخوں میں یہ عبارت تھی یا نہیں، لیکن بہر حال یہ غلط ہے، پادری فنڈر نے کہا، غلط ہونا الگ چیز ہے اور تحریف ہونا دوسری چیز ہے، آپ تحریف ثابت کیجئے، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ اگر انجیل الہامی کتاب ہے تو الہامی کتاب میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ الہام میں غلطی نہیں ہوتی اور جب یہ غلط ہے تو ظاہر ہے کہ کسی شخص نے صحیح کی جگہ غلط بات لکھ دی، اسلئے تحریف از خود ثابت ہو جاتی ہے اور اگر آپ انجیل کو الہامی کتاب نہیں مانتے تو پھر آپ کے مذہب کی بنیاد ہی باقی نہیں رہی۔

اصل راز کیا تھا؟: اس میں اصل راز یہ تھا کہ دوسرے طبقہ کے اس آخری شخص کا نام ہے جس کے بارے میں خدا کی طرف سے کہا گیا کہ اس کو داؤد کی کرسی نہیں ملے گی اور اس کی نسل سے مسیح ہیں، مسیح کو نبوت نہیں مل سکتی، اس لئے یہودی مسیح کو نبی نہیں مانتے تھے، نصرانیوں کے علماء نے دیکھا کہ نسب نامہ میں یہ نام رہتا ہے تو

مسیح کا نبی ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا، اس لئے انھوں نے اس نام کی جگہ دوسرا نام لکھ دیا یعنی صحیح نام کی جگہ غلط نام لکھا، ڈاکٹر وزیر خاں پادری فنڈر سے یہی اقرار کرانا چاہتے تھے کہ تم لوگوں نے خود انجیل میں تحریف کی ہے شاید پادری فنڈر اس راز سے واقف تھا اسلئے بات بدلتا رہا اور اصل حقیقت سامنے نہیں آنے دی۔

پادری فنڈر کا مطالبہ: اب پادری فنڈر نے مطالبہ کیا کہ آپ ایسی عبارت پیش کیجئے جو پہلے نسخوں میں تھی اور آج کے نسخوں میں نہیں ہے، یا آج کے نسخوں میں جو عبارت ہے پہلے کے نسخوں میں نہیں تھی ہم اس کو تحریف مانتے ہیں اور کہتے ہیں، اس کے بغیر تحریف کا ثبوت ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں۔

ثبوت حاضر ہے: ڈاکٹر وزیر خاں نے فوراً کہا، ثبوت حاضر ہے، پھر انھوں نے ایسے حوالجات پیش کرنے کا آغاز کیا۔

سب سے پہلے آپ نے یوحنا کے رسالہ ادبی کے پانچویں باب کی آیت نمبر ۷ اور آیت نمبر ۸ پیش کی جس سے تثلیث کا عقیدہ ثابت کیا گیا ہے، اس کو پیش کر کے آپ نے کہا کہ انجیل کے درجنوں مفسرین غیر مبہم لفظوں میں لکھا ہے کہ یہ قدیم نسخے میں نہیں ہیں، یہ موجودہ انجیل میں اضافہ ہے، اس کے بعد آپ نے پے در پے چھ سات مقامات کی اور آیتیں ایسی پیش کیں جو آج کل کے متداول انجیل کے نسخوں میں پائی جاتی ہیں جبکہ قدیم نسخہ میں اس کا کہیں وجود نہیں، خود انجیل کی تفسیر لکھنے والے مفسرین نے صاف لفظوں میں لکھا ہے۔

ہوش اُڑ گئے: ڈاکٹر وزیر خاں نے سات یا آٹھ مقامات کی آیتیں ایسی پیش کیں جن کے جعلی ہونے کا خود مسیحی مصنفین نے اقرار کیا ہے، اتنے مستحکم اور ناقابل تردید ثبوت سے انھوں نے انجیل میں تحریف ثابت کی کہ پادری فنڈر کے ہوش اُڑ گئے اس نے کہا کہ ہم کو تسلیم ہے کہ یہاں تحریف ہوئی ہے، پادری فنڈر کے اس

اعتراف نے مناظرہ کی فضا بدل دی، مسلمانوں میں جوش وخروش پیدا ہوگیا اور انھوں نے اپنی مسرت کا برملا اظہار بھی کیا اور بلا استثنا سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، پادریوں کے ساتھ عیسائی حاضرین نے بھی اس کو محسوس کیا حتیٰ کہ انگریز افسران جو اردو نہیں سمجھتے تھے وہ حیرت زدہ تھے کہ یہ یک بیک کیا ہوگیا، اب جلسہ گاہ کا ماحول بدل گیا انگریزوں میں سب سے بڑا افسر جو اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا مناظرہ سن رہا تھا مگر سمجھ نہیں رہا تھا اس سے ملی ہوئی کرسی پر پادری فرنچ بیٹھا ہوا تھا جو پادری فنڈر کا معاون تھا چونکہ بحث اردو میں ہورہی تھی وہ انگریز افسر مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی اردو نہیں سمجھتا تھا، مسلمانوں کا جوش وخروش دیکھ کر اس نے حیرت سے پادری فرنچ کو مخاطب کر کے انگریزی میں پوچھا کہ کیا بات ہوگئی، یہ کیسا اظہار مسرت ہے؟ تو پادری فرنچ نے اس کو انگریزی میں سمجھایا کہ یہ لوگ ہورن اور دوسرے مفسرین کی کتابوں سے سات آٹھ جگہ کے ایسے حوالے ڈھونڈ کر لائے ہیں جن میں تحریف کا اقرار کیا گیا ہے۔

پادری فرنچ نے حاکم صدر دیوانی کو حقیقت حال بتا کر ڈاکٹر وزیر خاں سے اردو میں کہا کہ پادری فنڈر تسلیم کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے۔

نوٹ کیجئے: پادری فرنچ کی یہ بات سن کر مولانا قمرالاسلام امام جامع مسجد آگرہ نے ذرا بلند آواز سے ''مطلع الاخبار'' کے مالک ومدیر خادم علی سے کہا کہ ایڈیٹر صاحب نوٹ کر لیجئے کہ پادری فنڈر نے سات آٹھ مقامات میں تحریف کا حاضرین کے سامنے اقرار واعتراف کرلیا ہے اور کل آپ کے اخبار میں اس کو شائع ہوجانا چاہئے، مولانا قمرالاسلام صاحب کی بات سن کر پادری فنڈر نے کہا ہاں ہاں لکھ لیجئے، اور مزید کہا کہ اگر سات آٹھ مقامات پر کتاب مقدس میں تحریف ہوگئی تو اس سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا، عبارتوں کا اختلاف سہو کاتب کی وجہ سے ہوگیا ہے۔

ایک لاکھ پچاس ہزار جگہ تحریف: پادری فنڈر کے جواب میں ڈاکٹر

وزیر خاں نے کہا کہ یہ تحریف ہے تحریف، صرف عبارتوں کا اختلاف نہیں، اگر ہم عبارتوں کا اختلاف بتائیں تو ذہنی توازن برقرار رکھنا مشکل ہو جائے، اختلاف عبارت کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے آپ کے بعض علماء کے نزدیک تو ایک لاکھ پچاس ہزار ہے اور بعض علماء کے نزدیک تیس ہزار ہے، اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ چاہیں تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف عبارت مانیں یا تیس ہزار، دونوں تعداد بیڑا غرق کرنے کے لئے کافی ہے۔

پادری فنڈر کے بجائے اس کے معاون پادری فرنچ نے اب کی بار اعتراف کیا کہ محقق علماء کے نزدیک عبارتوں کا اختلاف چالیس ہزار ہے، پادری فنڈر اور پادری فرنچ اب دونوں اقبالی مجرم بن گئے، سوچنے کی بات ہے کہ ایک الہامی کتاب جس پر پورے ایک مذہب کی بنیاد ہے اتنے اختلافات، اتنا ہیر پھیر؟ یہ انتہائی حیرتناک انکشاف ہے یعنی انجیل کا ہر ہر لفظ علماء نصاریٰ کی جعلسازیوں کی وجہ سے داغدار ہو چکا ہے پھر بھی ایسی کتاب کو خدا کی کتاب کہتے ہیں، ہائے بیچارے پادری رو پیٹ کر بیٹھ نہ جائیں تو کیا کریں، ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

بدحواسی کے عالم میں: پادری فنڈر کی بدحواسی یا حواس باختگی کا عالم یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا تھا کہ آپ ہی انصاف کریں کہ چند جگہوں پر تحریفات ہو جانے سے کتاب مقدس پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، پھر وہ خاص طور پر مفتی ریاض الحق صاحب کو مخاطب کر کے ان سے بار بار کہتا رہا کہ آپ ہی انصاف کیجئے، شاید اس کو توقع تھی کہ انگریز حکام کی موجودگی میں میرے لئے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو جائے اور معاملہ کو رفع دفع کر دیں لیکن اب مرعوبیت ختم ہو چکی تھی، اہل اسلام کی فتح نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے تھے اس لئے پادری فنڈر کی مرضی کے برعکس مفتی ریاض الدین صاحب نے پادری فنڈر سے کہا کہ کسی دستاویز میں اگر ایک

جگہ جعل اور فریب ثابت ہو جائے تو پوری دستاویز نا قابل اعتبار ہو جاتی ہے، جب آپ نے ایک جگہ کے بجائے سات آٹھ مقامات پر تحریف کا خود اقرار کر لیا ہے تو اس دستاویز پر کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

لو، وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے: جعلسازی ایک قانونی مسئلہ ہے اور یہاں حکام موجود ہیں، ان سے پوچھ لیا جائے کہ جعلی دستاویز پیش کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ مفتی صاحب نے خاص طور سے حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ قانون سے زیادہ واقف ہیں ان سے پوچھ لیا جائے، مسٹر اسمتھ نے کہا کہ یہ پادری فنڈر ہی سے پوچھنے کی بات ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ انجیل ہر طرح کی تحریفات سے پاک ہے اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور خود ہی تحریف کا اقرار بھی کرتا ہے۔

ہر جرم قبول: ماحول ایسا بن گیا کہ پادری فنڈر کی حمایت میں ایک متنفس بھی بولنے والا نہیں تھا، ذلت وندامت سے اس کی آواز بند ہوئی جارہی تھی، کہ مفتی صاحب نے نہلے پہ دہلا رکھ دیا، اس سے پوچھا کہ عبارتوں کا جب آپ کے یہاں تسلیم شدہ ہے تو دو مختلف عبارتوں میں سے کسی ایک عبارت کو کس طرح آپ متعین کریں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور یہ خدا کا کلام نہیں ہے آپ کے پاس کوئی کسوٹی نہیں ہے کہ پورے یقین کے ساتھ ایک کو خدا کا کلام کہیں اور دوسرے کو انسانی کلام کہہ کر رد کر دیں، اس طرح دونوں عبارتیں مشکوک ہو گئیں نہ اس کے الہامی ہونے کا یقین ہے اور نہ اس کے الہامی ہونے پر اعتماد، پادری فنڈر نے اس کو بھی مان لیا کہ ہم قطعی طور پر کسی ایک کو خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کے خدا کا کلام ہونے پر کوئی مضبوط دلیل ہی پیش کر سکتے ہیں۔

تب مفتی ریاض الدین صاحب نے کہا کہ اہل اسلام کا یہی دعویٰ ہے کہ یہ

انجیل جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یا توریت جو متداول ہے وہ حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً خدا کا کلام ہو اس کی آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں، آپ کے اقرار نے مسلمانوں کے اس دعویٰ کو ثابت کردیا کہ جو وہ کہتے ہیں اس میں وہ حق بجانب ہیں۔

الٹی میٹم: پادری فنڈر کی اب تاب ضبط جواب دے گئی، ایسی رسوائی، ایسی ذلت جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا پہلے ہی دن کے مناظرہ میں نقطہ عروج تک پہونچ گئی اس نے کہا کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے مباحثہ ختم کیا جاتا ہے، اب کل گفتگو ہوگی۔

مولانا کیرانوی نے آخر میں کھڑے ہو کر پادری فنڈر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج تو آپ سے آٹھ مقامات پر تحریف کا اقرار کرایا گیا ہے کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریفات کا آپ سے اقرار کرایا جائے گا، دوسری بات یہ کہ کل اگر مباحثہ مقصود ہو تو تین باتوں کی رعایت ضروری ہوگی۔

۱۔ ہم کل آپ کی بعض مذہبی کتابوں کی سند متصل پوچھیں گے، آپ کو بتانا ہوگا،

۲۔ پچاس ساٹھ تحریفات کو بھی تسلیم کرنا ہوگا جس کا بہت سے مسیحی علماء نے اقرار واعتراف کیا ہے یا اقرار نہ کریں تو اس کی ایسی تاویل جو قابل تسلیم ہو پیش کریں، ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہورن یا دوسرے مفسرین کے اقوال طوعاً و کرہاً تسلیم کریں اگرچہ آپ اس کے مقابلہ میں کمتر درجہ میں ہیں بلکہ ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ یا تو آپ ان کو تسلیم کریں یا اس کی تاویل ہی کردیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ قابل قبول ہو۔

۳۔ تیسری بات یہ بھی یاد رکھئے کہ جب تک پچاس ساٹھ تحریفات کے تسلیم یا تاویل کرنے سے فارغ نہ ہو جائیں توریت اور انجیل کو بطور دلیل ہمارے سامنے پیش نہ کیا جائے کیوں کہ دونوں کتابیں آپ کے اقرار کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہو چکی ہیں، اس کے بعد پادری فنڈر نے کہا کہ میں ان باتوں کو اس شرط کے ساتھ قبول کرتا ہوں

کہ میں کل آپ سے یہ دریافت کروں گا کہ آپ کے نبی کے زمانہ میں کون سی انجیل تھی آپ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔

مولانا کیرانوی نے فرمایا، آپ کی شرط منظور، کل ہم بیان کریں گے، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ اگر منظور فرمائیں تو ہم ابھی بیان کردیں کل کے انتظار کی کیا ضرورت؟ فرمایئے، بیان کروں؟

پادری فنڈر نے کہا، نہیں، وقت بہت ہوگیا، اب کل سنوں گا۔

اسی گفتگو پر پہلے دن کا جلسہ برخاست ہوگیا۔(۱)

(۱) المناظرۃ الکبریٰ، ڈاکٹر عبدالقادر حنبل ص:۲۲۹ تا ۲۴۲

باب (۹)

مناظرہ کا دوسرا دن

دوسرے دن کا مناظرہ ۱۲؍رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۱؍اپریل ۱۸۵۴ء بروز منگل ہوا، کل کا مناظرہ ساڑھے چھ بجے شروع ہوا، اس کو حسب پروگرام آٹھ بجے ختم ہوجانا چاہیئے تھا لیکن بحث ایسے نازک ترین مرحلہ پر آگئی کہ کسی کو وقت کا ہوش ہی نہیں رہا اور جلسہ مزید آدھے گھنٹہ چل کر ختم ہوا، اس طرح دو گھنٹے فریقین میں مباحثہ چلا لیکن اس دو گھنٹے میں علم ومطالعہ کا کتنا شاندار مظاہرہ ہوا، ذہانت، حاضر جوابی، وسعت معلومات کے کیسے کیسے حیرتناک نظارے سامنے آئے کہ حاضرین ششدر رہ گئے اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایک لمحہ کیلئے اصول مناظرہ کے خلاف کوئی دوسری بحث نہیں اٹھی اور نہ کوئی بحث مکرر ہوئی، ضد اور ہٹ دھرمی کا بھی کوئی ناخوشگوار لمحہ نہیں آیا، ہر فریق اتنا ہی بولتا تھا جتنا فریق مخالف کے جواب میں بولنا ضروری تھا فضول باتوں میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسخ وتحریف جیسے پیچیدہ، اہم ترین مسائل پر مباحثہ ومناظرہ فیصلہ کن مرحلہ پر پہونچ گیا، پادری فنڈر کلام الٰہی اور کتب مقدسہ میں نسخ کے ممتنع ہونے کا دعویدار تھا لیکن علماء اسلام نے اتنے دلائل وشواہد پیش کئے اور انھیں کی کتابوں سے پیش کئے کہ پادری فنڈر کو اپنے دعوے پر قائم رہنا ممکن نہ رہا، اسی طرح تحریف کے مسئلہ میں ہوا کہ اس کو صاف لفظوں میں توریت کو محرف ماننے کا اظہار کرنا پڑا اور انجیل میں سات آٹھ جگہ تحریف کا مجمع عام کے رُوبرو اقرار کرنا پڑا یعنی ثابت ہوگیا کہ دونوں مسئلوں میں وہ غلطی پر تھا اور اس کو اپنی غلطی کا برملا

اعتراف کرنا پڑا، عام حاضرین نے بچشم خود دیکھ لیا کہ عیسائیت کے مقابلہ میں اہل اسلام کو شاندار فتح حاصل ہوئی، اور پادری فنڈر کا سارا علمی رعب ھباءً منثوراً ہو گیا ،اس ذلت آمیز شکست پر پادری فنڈر جھنجھلایا ہوا تھا، اس نے خلط مبحث کرنا چاہا لیکن مولانا کیرانوی نے اس کو زیادہ دور تک اس راہ پر چلنے نہیں دیا۔

قرآن غلط مت پڑھئے: اس نے دوسرے دن جلسہ گاہ میں آتے ہیں اپنی مشہور کتاب ''میزان الحق'' اٹھائی اور اس کی لمبی لمبی بحثوں کو پڑھنا شروع کر دیا، اس نے قرآن پاک کے چار پانچ مقامات سے کچھ آیتوں کو پڑھکر اسلام پر اعتراض کرنا چاہا، جوں ہی اس نے ایک آیت پڑھی اور اعراب اور الفاظ کی ادائیگی میں صریح غلطیاں کیں تو اب مناظرہ کا ماحول مرعوب کن نہیں رہ گیا تھا، مسلمانوں کی جرأت بڑھ چکی تھی آج کے جلسہ میں ان کی تعداد بھی بڑھ کر ایک ہزار کے قریب ہو چکی تھی ،پادری فنڈر کی اس غلط خوانی پر قاضی اسد اللہ صاحب جو جلسہ گاہ میں سامعین کی صف میں بیٹھے ہوئے تھے بلند آواز میں کہا پادری صاحب آپ قرآن پاک بالکل غلط پڑھ رہے ہیں آپ کے غلط پڑھنے کی وجہ سے آیتوں کے معانی بدل جاتے ہیں یہ ہمارے یہاں بہت بڑا گناہ ہے آپ مہربانی کر کے آیتوں کو مت پڑھئے صرف اس کے مفہوم وترجمہ سے کام چلایئے

معافی چاہتا ہوں: پادری کے مغرورانہ دماغ کو پہلے ہی مرحلہ پر ٹھیس لگی لیکن ہٹ دھرمی کرتا ہے تو مزید ذلت کا سامنا کرنا پڑیگا کیونکہ سارے مسلمان برہم ہو جائیں گے اور جب انگریز افسران سنیں گے کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب کو بگاڑ کر پڑھتا ہے تو انکے دلوں میں بھی اسکی وقعت ختم ہو جائیگی اس لئے اس نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور کہا، معاف کیجئے گا، یہ میری زبان کا قصور ہے کہ آیتوں کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہیں ہوتے بہر حال اب آیتوں کو نہیں دہراؤں گا، بس اس کے حوالے

دوں گا،

پادری فنڈر کا سوال : اس نے پانچ مقامات کی پانچ چھ آیتوں کی نشاندہی کر کے کہا کہ ان میں اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے، یا اہل کتاب کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے اور کہیں کہیں کتب مقدسہ تورات اور انجیل کا بھی نام لیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ان آیتوں سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں، بعض آیتوں سے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ آپ کے نبی کے زمانے تک توریت اور انجیل میں تحریف نہیں ہوئی تھی، ایک مسلمان مصنف آل حسن نے اپنی کتاب میں تو لکھا ہے کہ توریت میں آپ کے نبی کی جو بشارتیں دی گئی تھیں اس وقت تورات میں موجود تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ توریت میں اس وقت تک کوئی تحریف نہیں ہوئی تھی۔

جواب حاضر ہے: مولانا کیرانوی نے شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ وتفسیر سے آیتوں کا مطلب بیان کر کے بتایا کہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں اس سے عدم تحریف پر استدلال کی کوئی گنجائش نہیں، آل حسن نے اپنی کتاب میں جو لکھا ہے کہ شاید حضور کی آمد سے متعلق جو تورات میں بشارتوں والی آیات تھیں وہ ....انھیں بشارتوں کی موجودگی کو مصنف نے علی السبیل الفرض کے الفاظ سے بیان کیا ہے اس نے کب اقرار واعتراف یا اس کا اثبات کیا ہے کہ بشارتیں موجود تھیں یہ تو حریف کی بات کو غلط مان کر بفرض محال کے انداز پر جو گفتگو کا اسلوب ہے وہی اسلوب یہاں اختیار کیا گیا ہے، یہ تو بہت موٹی بات ہے۔

آپ کے نبی کے زمانے میں کون سی انجیل تھی؟: پادری فنڈر نے کہا کہ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے نبی کے زمانے میں کون سی انجیل تھی؟ مولانا کیرانوی نے کہا کہ کسی ضعیف یا صحیح روایت سے اس کی تعیین ممکن نہیں، اور ہم اس سے ناواقف ہیں چونکہ ہم کو انجیل پڑھنے کا حکم نہیں تھا اس لئے مسلمانوں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں

کی کہ کون سی انجیل ہے، یوحنا کی یا مرقس کی۔

مولانا کیرانوی نے جب اہل اسلام کی ناواقفیت کا اظہار کیا تو اس نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کو رسوا کرنے کا سنہرا موقعہ ہاتھ آ گیا اور انگریز امراء جو کل کے جلسہ میں میری جانب سے بدگمان ہو چکے ہیں ان کا اعتماد بحال کرنے کا اچھا موقعہ مل گیا، اس نے انگریز امراء کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرات ان سے پوچھئے کہ آپ کے نبی کے زمانے میں کون سی انجیل تھی؟

اس موقعہ پر ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ قرآن سے صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سی انجیل حضور ﷺ کے زمانہ میں تھی اس زمانہ میں بہت سی انجیلیں تھیں، ڈاکٹر وزیر خاں نے ایک درجن انجیلوں کا نام پیش کر کے کہا کہ نہیں معلوم کہ وہ ان میں کون تھی، پادری فرنچ نے کچھ اور بحثیں چھیڑ دیں جو موضوع مناظرہ سے خارج تھیں ان بحثوں کا جواب دے کر ڈاکٹر وزیر خاں نے اس کو خاموش کیا، جب یہ بحث دراز ہو گئی تو پادری فنڈر کو احساس ہوا کہ ہم نے اصول مناظرہ کے خلاف موضوع مناظرہ سے ہٹ کر گفتگو شروع کر دی ہے، اس نے کہا کہ یہ بحث موضوع مناظرہ سے خارج ہے اسلئے اس بحث کو بند ہونا چاہئے، میرا صرف ایک سوال ہے کہ آپ کے نبی کے زمانہ میں کون سی انجیل تھی، بس اس کا جواب دیجئے اس نے خاص طور پر مولانا کیرانوی کو مخاطب کر کے یہ بات کہی۔

قرآن نے ہم کو بتایا: مولانا کیرانوی نے غیر مبہم لفظوں میں جواب دیا کہ ہم کو قرآن نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر خدا کا کلام اترا ہے لیکن ہم کو اس سے انکار ہے قرآن کی مراد متداول انجیلوں کا مجموعہ ہے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ اس میں تغیر وتبدل اور تحریف نہیں ہوئی، اسی طرح حواریوں نے جو باتیں لکھی ہیں ہم اس کو بھی انجیل نہیں مانتے ہیں، انجیل صرف وہی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر اتری اور جب کسی روایت

سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال سی تحریر میں مندرج ہوئے، اس لئے ہم کسی ایسے مجموعہ کلام کو انجیل نہیں کہہ سکتے جس کے بارے میں آپ کا کلام اللہ ہونے کا دعویٰ ہے کیوں کہ آپ کے پاس انجیل کی کوئی سند متصل نہیں آپ کی مروجہ چاروں انجیلوں کی حیثیت خبر آحاد کی ہے، صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے کے زمانہ سے لے کر آج تک نقل در نقل ہوتے ہوئے ہمارے زمانے تک نہیں پہونچی ہے۔

الباب ایک نہایت سخت گیر شخص تھا اس کے زمانہ میں انجیل پڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، چوں کہ اس کا فرقہ بہت طاقتور تھا اسلئے اس کے عہد میں شاید ہی کسی نے انجیل لکھی ہو اور یہی فرقہ عرب کے اطراف میں آباد تھا اور بہت تھوڑے سے نسطوری تھے اس لئے عرب میں انجیل بڑی حد تک ناپید تھی۔

اظہار برہمی: اس جواب پر پادری فرنچ نے کہا کہ آپ نے انجیل پر بہت بڑا عیب لگادیا جبکہ الباب نے کسی طرح کی خرابی نہیں کی، انتہائی برہمی کی حالت میں پادری فنڈر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآن کے جلانے کا ذکر کیا، مولانا کیرانوی نے فرمایا جناب محترم! یہ بحث موضوع مناظرہ سے خارج ہے لیکن جب آپ نے چھیڑ دیا ہے تو سنئے۔

مولانا کیرانوی کا اظہار برہمی دیکھ کر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، پادری فنڈر نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ آپ نے انجیل کے بارے میں اعتراض کردیا تھا اس لئے میری زبان سے یہ واقعہ نکل گیا، اس بحث کو چھوڑیئے، اصل موضوع ہی پر گفتگو ہونی چاہئے، مولانا کیرانوی نے کہا کہ ہماری ابتدا ہی سے گفتگو عہد قدیم اور عہد جدید دونوں پر ہے جیسا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان طے شدہ ہے، صرف انجیل پر گفتگو نہیں ہے اسلئے ہم بعض کتابوں کی سند متصل کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں

پادری فنڈر نے کہا کہ نہیں صرف انجیل پر ہی گفتگو کیجئے، مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ جب گفتگو دونوں کے مجموعے پر ہے تو انجیل کی تخصیص لغو ہے، پادری فنڈر اس کے جواب میں خاموش رہا اور کچھ نہیں کہا، اصل راز یہ تھا کہ مولانا کیرانوی انجیل کے کئی اجزا کی سند متصل کا مطالبہ کرر ہے تھے، سند متصل تو کجا، اس کے پاس سند نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی اسلئے اس مسئلہ کے تال دینے ہی میں اس نے عافیت سمجھی، اور پھر تحریف پر بحث چل پڑی۔

علمی بحث کے بجائے تضیع اوقات: چونکہ پادری فنڈر کا ذہن خلجان کا شکار تھا اور منتشر ہو چکا تھا اور اس کے پاس دلائل کا فقدان تھا اس لئے وہ کچھ دیر پُرسکون رہنا چاہتا تھا اس لئے اس نے پادری فرنچ کو سامنے کر دیا، پادری فرنچ اپنے ساتھ ایک طویل وعریض طومار لے کر آیا تھا، اس کو پڑھنا شروع کر دیا، حاضرین کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اس سے زیر بحث مسئلہ پر نفیاً یا اثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا تھا وہ صرف واعظانہ رنگ کی ایک تحریر تھی اس لئے لوگ نہایت بددلی کے ساتھ دل پر جبر کر کے سنتے رہے اور جب وہ تھک کر خاموش ہوا تو ڈاکٹر وزیر خاں نے چاہا کہ کچھ کہیں تو پادری فنڈر نے ان کو روک دیا پھر دوبارہ کھڑا ہونا چاہا تو پھر اس نے رکاوٹ ڈالی اور کچھ کہنے نہیں دیا مجبوراً خاموش رہ گئے اور پادری فرنچ کی ہفوات کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، اس کے خاموش ہونے کے بعد مفتی ریاض الدین صاحب نے کہا کہ سب سے پہلے آپ تحریف کا واضح مطلب اور غیر مبہم لفظوں میں اس کا مفہوم بتائیے تا کہ حاضرین آپ لوگوں کی بحث کو پوری طرح سمجھ سکیں، پادری فنڈر نے کچھ کہنا چاہا تو مفتی صاحب نے اس کو روک دیا اور کہا کہ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کا منصب ہے میرا سوال ان لوگوں سے ہے جو تحریف کے مدعی ہیں، میں ان سے وضاحت کرانا چاہتا ہوں۔

تحریف کا مفہوم و مطلب اور ہماری مراد: اس کے بعد مولانا کیرانوی کھڑے ہوئے اور پادری فنڈر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارے نزدیک تحریف کا معنیٰ اللہ کے کلام میں تبدیلی ہے، چاہے وہ تبدیلی کمی کر کے ہو یا اس میں اضافہ کر کے ہو، یا کسی لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لایا گیا ہو یہ تبدیلی چاہے بد نیتی کی وجہ سے ہو یا نیک نیتی سے، یہ سب تحریف میں شامل ہے اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کتب مقدسہ میں ان تمام شکلوں کی تحریفات پائی جاتی ہیں، یہ ہمارا دعویٰ ہے، پادری صاحب کو اگر اس سے انکار ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں اور کتب مقدسہ کو غیر محرف ثابت کریں، پادری فنڈر نے طوطے کی طرح رٹی ہوئی اپنی پرانی بات پھر دہرائی کہ اس طرح کی تمام تبدیلیاں کاتب کا سہو ہے، نقل والوں کی غلطی ہے، تحریف نہیں ہے۔

سہو کاتب کس کو کہتے ہیں: مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ کتابت کی غلطی اس کو کہا جاتا ہے کہ لکھنے والا لام لکھنا چاہتا ہے مگر میم لکھ دیا، یا میم لکھنا چاہا وہاں اس نے نون لکھ دیا اس کو سہو کاتب کہہ سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اگر کوئی حاشیہ کی عبارت متن میں داخل کر کے اسکو متن کا جز بنادے یا اپنی جانب سے جملے کے جملے بڑھادے یا بیچ عبارت سے پورا پورا جملہ ہی اُڑادے یا ایک لفظ کو بدل کر دوسرا لفظ لکھ دے، کیا یہ سب سہو کاتب میں آپ شمار کریں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ سہو نہیں بالقصد تبدیلی ہے یہی تحریف ہے، مولانا کیرانوی نے تحریف کا مفہوم سمجھاتے ہوئے ''جملے کے جملے'' کا لفظ استعمال کیا تھا تو پادری فنڈر تلملانے لگا، اس نے یہ سمجھا کہ ان کا مقصد جملہ کتب مقدسہ ہے یعنی لفظ جملہ کا معنیٰ تمام سمجھا اس نے بڑی ترش روئی سے کہا کہ جملہ کا لفظ مت استعمال کیجئے آپ ایک آیت یا کئی آیتوں کی کمی بیشی کا لفظ استعمال کیجئے۔

مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کی اس طفلانہ بات پر مسکرا کر فرمایا کہ پادری صاحب ہمارے یہاں ''زیدٌ قائمٌ'' کو جملہ کہا جاتا ہے، یہ تمام اور کل کے معنیٰ میں نہیں

ہے، پھر بھی میں یہ لفظ استعمال نہیں کروں گا تا کہ آپ کو غلط فہمی نہ ہو، بہر حال اگر کوئی شخص اپنی جانب سے ایک آیت یا چند آیتیں بڑھا دے یا بیچ سے ایک آیت یا چند آیتیں حذف کر دے، یا متن میں بطریق تفسیر کچھ اضافہ کر دے کہ وہ متن معلوم ہونے لگے یا ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دے تو کیا ان سب کو آپ سہو کاتب مانیں گے؟ پادری فنڈر نے کہا کہ ہاں یہ تمام شکلیں ہمارے یہاں سہو کاتب میں داخل ہیں، چاہے وہ قصداً ہو یا سہواً ہو، جہالت کی وجہ سے ہو یا غلطی کی وجہ سے ہو، لیکن اس طرح کا سہو پانچ چھ آیتوں میں پایا جاتا ہے، الفاظ میں تغیر وتبدل تو بہت ہے۔

یعنی یہ صرف نزاع لفظی ہے: مولانا کیرانوی نے کہا کہ ان تمام شکلوں میں تغیر وتبدل آپ کے یہاں سہو کاتب میں شامل ہے تو سن لیجئے کہ وہی ہمارے یہاں تحریف کہا جاتا ہے، گویا جو ہم کہتے ہیں وہی آپ بھی کہتے ہیں آپ اپنی اصطلاح میں اس کو سہو کاتب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم اس کو تحریف کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صرف نزاع لفظی ہے اور آپ ہمارے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ سب کو پیاس لگی ہے، ایک ''آب'' مانگتا ہے، دوسرا ''ماءٔ'' کا مطالبہ کرتا اور ''آب'' سے انکار کرتا ہے، تیسرا ''واٹر'' کا مطالبہ کرتا اور دوسروں کی تردید کررہا ہے، ایک ہندوستانی ''پانی'' مانگتا ہے سب ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں اور جب گلاس میں پانی بھر کر لایا گیا تو سب نے کہا کہ ہم یہی چاہتے تھے، بلاوجہ جھگڑ رہے تھے ہماری اور آپ کی مثال بالکل یہی ہے، گویا ہمارے دعوائے تحریف کو مکمل طور پر آپ نے تسلیم کرلیا ہے، بس ہمارے ذمہ یہی ثابت کرنا تھا وہ بحمد اللہ بحسن وخوبی ثابت ہوگیا۔

اس کے بعد مولانا کیرانوی نے بلند آواز سے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا

کہ ہمارے اور پادری صاحب کے درمیان جو نزاع تھی وہ صرف ستّی رہ گئی ہے کیوں کہ ہم انجیل یا کتب مقدسہ میں تحریف کا دعویٰ کرتے تھے پادری صاحب نے اس کو تسلیم کرلیا ہے لیکن اس کو وہ تحریف کے لفظ سے نہیں سہو کاتب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا کیرانوی کا یہ وضاحتی بیان درحقیقت پادری فنڈر کی موجودگی میں اس کی شکست کا اعلان تھا اسلئے اس کے دل کو چوٹ پہونچی مگر اس کا اظہار کیسے کرسکتا تھا، اس نے پھر اپنی پرانی رٹی ہوئی بات دہرائی کہ اس قسم کے سہو سے متن میں کوئی نقصان نہیں پیدا ہوتا ہے، اس پر قاضی القضاۃ مولانا اسداللہ صاحب نے حیرت سے کہا کہ یہ متن کیا ہے؟ جس کو نقصان نہیں پہونچا، پادری فنڈر کو اپنا غصہ اتارنا تھا، قاضی صاحب کی بات پر ناراض ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ میں اس کو بار بار بیان کرچکا ہوں پھر کتنی بار بیان کروں؟ پھر فوراً سنبھل گیا اور سنجیدگی سے کہا کہ وہ اُلوہیت مسیح اور تثلیث کا مسئلہ ہے، مسیح کا ہمارے گناہوں کا کفارہ ہونا، ہمارا شافع ہونا وغیرہ۔

تثلیث کا عقیدہ بھی انھیں تحریفات میں سے ہے: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسا دعویٰ آپ نے کیا ہے ویسا ہی مطری، ہنری اور اسکاٹ کی تفسیروں کو جمع کرنے والوں نے بھی کیا ہے کہ ان غلطیوں سے مقصد اصلی میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے، لیکن یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے اور کوئی بھی عقل والا اس کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ جب تحریف ثابت ہوگئی تو پھر آپ لوگوں کے پاس کون سی دلیل ہے کہ ان غلطیوں کی وجہ سے کوئی تفاوت نہیں ہوا، جب ہر طرح کی تحریف ہوچکی قصداً بھی تحریف ہوئی اور سہواً بھی، اصلاح کی نیت سے بھی تحریف کی گئی اور بدعتیوں اور بدمذہبوں کی بدنیتی سے بھی اور اہل دیانت نے دیانت

داری کے خیال سے بھی تحریف کی ہے تو یہ کیسے مان لیا جائے کہ نویں اور دسویں صدی میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے جس میں تثلیث کا ذکر آیا ہے۔

فضول بحث: پادری فنڈر نے کہا کہ تحریف تو اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جب آپ کوئی بہت پرانا نسخہ برآمد کرلیں جس میں اُلوہیت مسیح کا ذکر نہ ہو اور آج کے متداول نسخوں میں اس کا ذکر ہو، اس نسخہ میں کفارہ مسیح کا ذکر نہ ہو اور آج کے نسخوں میں یہ ذکر پایا جاتا ہو، دونوں کے تقابل سے تحریف ثابت ہو سکتی ہے مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ ہماری صرف اتنی ذمہ داری تھی کہ ہم آپ کی کتاب مقدس کو مشکوک ثابت کردیں وہ خدا کے فضل سے ہم نے ثابت کردیا اور ہمارے اثبات سے پوری کتاب ناقابل اعتبار ہوگئی اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ پرانے نسخے تلاش کرتے پھریں ہم کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ کہیں تحریف ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی ہے تو جہاں تحریف نہیں ہوئی ہے اس کو تحریف سے پاک ہونے کا ثبوت تو آپ کو دینا ہے، ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح بے شمار جگہوں پر تحریف ہوئی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہاں بھی تحریف ہوئی ہو، اس کے علاوہ اور کچھ ہم کو کہنے کی اب ضرورت نہیں رہ گئی۔

پادری لڑ گئے: مولانا کیرانوی نے مزید فرمایا کہ ابھی ایک سوال آپ سے پوچھنا باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ جن کو ہم تحریف کہتے اس کو آپ سہو کاتب کہتے ہیں اور آپ کو وہ تحریفات تسلیم بھی ہیں میں پوچھتا ہوں کہ یہ تحریفات تمام نسخوں میں ہیں یا نہیں؟ پادری فنڈر نے جھٹ سے کہہ دیا کہ اس طرح کی تحریفات تمام نسخوں میں ہیں اس جواب پر پادری فرنچ جھنجھلا گیا اور اس نے پادری فنڈر سے کہا کہ آپ نے یہ بات کیسے کہہ دی؟ پادری فنڈر فوراً چوکنا ہوگیا اور اس نے معذرت کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی بات وہی درست ہے جو پادری فرنچ نے کہی ہے۔

رجوع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں: اس موقعہ پر قاضی القضاۃ مولانا اسد اللہ صاحب نے کہا کہ رجوع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، آپ نے جو پہلی بات کہی ہے وہی ہمارے نزدیک معتبر ہے، بات بدلنے کی ضرورت نہیں، پادری فنڈر نے پھر معذرت کی کہ نہیں نہیں میری زبان سے غلط بات نکل گئی میں نے یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہی تھی ہوسکتا ہے یہ سہو یا تحریف عبرانی نسخہ میں نہ ہو، یونانی نسخہ میں ہو، یا یونانی نسخہ میں نہ ہو عبرانی نسخہ میں ہو، مجھے اس کا علم نہیں۔

بے شرمی کا جواب: مولانا کیرانوی نے کہا کہ اگر ہم بعض ان مقامات کی نشاندہی کر دیں جہاں آپ کے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت قدیم نسخہ میں تھی مگر آج کے نسخہ میں نہیں پائی جاتی ہے یعنی آج کے عبرانی نسخہ میں اس کا وجود نہیں ہے جبکہ عبرانی نسخہ آپ کے نزدیک معتبر مانا جاتا ہے، تب اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

پادری فنڈر نے کہا کہ اس سے متن میں کوئی نقصان نہیں لازم آئے گا، وہی بے شرمی کا پرانا جواب، ڈاکٹر وزیر خاں نے اس جواب پر کہا کہ عبارتیں جب مختلف ہیں تو مقصد اصلی میں کیوں فرق نہیں پڑے گا جبکہ اختلافات بہت زیادہ ہوں، ڈاکٹر وزیر خاں نے ایک مثال دے کر اپنا مقصد سمجھایا کہ مان لیجئے کہ گلستاں جو شیخ سعدی کی مشہور کتاب ہے، اس کے متعدد نسخے آپ کے پاس ہیں اس کے کاتب الگ الگ ہیں بعض نسخے میں کوئی عبارت ہے بعض نسخے میں اس کی جگہ دوسری عبارت ہے، آپ کے پاس کوئی کسوٹی ایسی نہیں ہے کہ آپ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں، ایسی صورت میں کس نسخہ کی عبارت کو شیخ سعدی کی مانیں گے اور کس کو شیخ سعدی کی عبارت نہیں مانیں گے، کیا قطعیت کے ساتھ آپ یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ یہی عبارت شیخ سعدی کی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ جس کو آپ شیخ سعدی کی عبارت کہتے ہیں وہ شیخ سعدی کی نہ ہو بلکہ دوسرے کے الفاظ ہوں، بالکل یہی حال آپ کی انجیل کا ہے، قطعیت کے

ساتھ کسی بھی آیت کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہی کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا، اس طرح پوری انجیل مشکوک ومشتبہ ہوگئی ظاہر ہے کہ اس سے مقصود اصلی میں خلل آئے گا۔

فرار کی راہیں: اب پادری فنڈر نے بات بدل دی، کیونکہ ڈاکٹر وزیر خاں کی بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، اس نے کہا کہ آپ نہایت اختصار کے ساتھ مجھے یہ بتائیے کہ آپ لوگ متن کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ تسلیم کرتے ہیں تب تو اگلے ہفتہ پھر مجلس مناظرہ منعقد ہوگی کیوں کہ موضوع مناظرہ میں کچھ مسائل باقی رہ گئے ہیں ان مسائل میں ہم انجیل ہی سے جواب دیں گے، دلائل دیں گے کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ عقل کلام الٰہی کی محکوم ہے نہ کہ کتاب مقدس عقل کے ماتحت ہے اگر آپ لوگ متن پر مطمئن ہیں تو آپ ہماری کسی دلیل کو تسلیم نہیں کریں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ اس کو عیسیٰ مسیح کا قول ثابت کریں تب آپ کی دلیل قابل قبول ہوگی کیوں کہ آپ کے نزدیک صرف اقوال مسیح ہی انجیل ہیں۔

متن میں بھی غلطی ہوئی: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے جواب میں کہا کہ جب انجیل میں کمی بیشی ثابت ہوچکی ہے اور آپ خود حاضرین کے سامنے تسلیم کرچکے ہیں اور انجیل میں تحریف قطعی اور ناقابل تردید دلائل سے ثابت ہوچکی ہے اسلئے پوری انجیل مشتبہ ہوگئی، اسلئے ہم کسی طرح یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ متن میں غلطی نہیں ہوئی ہے، اسلئے یہ کسی طرح درست نہیں ہوگا کہ آئندہ تثلیث اور نبوت محمدی پر ہونے والی بحث میں ایسی مشکوک ومشتبہ کتاب سے ہمارے خلاف دلیل پیش کریں ،دلیل قطعی اور یقینی ہونی چاہئے، اگر آپ انجیل سے دلیل پیش کریں گے تو وہ ہمارے خلاف حجت نہیں ہوگی اور ہم اس کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کریں گے۔

ہم ان کو کب معتبر مانتے ہیں: پادری فرنچ نے بحث میں دخل دیتے

ہوئے کہا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ نے جتنی تحریفات اور غلطیاں نکال کر پیش کی ہیں وہ سب ہمارے مفسرین کی کتابوں سے پیش کی ہیں، کیا وہ مفسرین آپ کے نزدیک معتبر اور قابل صحت ہیں؟ اگر وہ معتبر ہیں تو انھیں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ چند متعینہ مقامات میں غلطیاں اور تحریفات ہیں بقیہ اور کہیں بھی یہ غلطیاں نہیں پائی جاتیں تو اس کو بھی تسلیم کریں۔

اس کے جواب میں مولانا کیرانوی فرمایا کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ہم ان کو معتبر مانتے ہیں، ہم نے الزاماً ان کے حوالے پیش کئے ہیں کہ وہ آپ کے گھر کے آدمی ہیں وہی آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں، ہم ان کو معتبر کب مانتے ہیں کہ ہم ان کی ہر بات کو صحیح تسلیم کریں اور ان کو معتبر مانیں وہ بھی ہمارے لئے ویسے ہی ناقابل اعتبار ہیں جیسے عام عیسائی کی بات قابل حجت نہیں۔

پھر آپ نے پادری فنڈر کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ جناب نے اپنی کتاب میں ہمارے مفسرین میں قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف کے حوالے دیئے ہیں اور ان کے اقوال پیش کئے ہیں؟ پادری فنڈر نے کہا ہاں میں نے ان کے اقوال پیش کئے ہیں، اس اقرار واعتراف کے بعد مولانا کیرانوی نے بات آگے بڑھائی اور کہا کہ ہمارے ان مفسرین نے جیسے ان باتوں کو لکھا ہے جن کو آپ نے نقل کیا ہے جس کو آپ نے اپنے لئے مفید مطلب سمجھا ہے اسی طرح ان دونوں مفسروں نے بلکہ سارے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد عربی ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی رسالت سے انکار کرنے والا کافر ہے اور قرآن قطعی اور یقینی طور پر حرفاً حرفاً خدا کا کلام ہے اس میں کسی طرح کا شک نہں ہے تو کیا آپ ان دونوں مفسروں کی یہ باتیں بھی تسلیم کریں گے اور ان کو صحیح مانیں گے؟ پادری فنڈر نے کہا کہ نہیں ہم ان دونوں کو نہیں مانیں گے، مولانا کیرانوی نے کہا کہ آپ نے جو مجھے جواب دیا ہے وہی میری طرف سے پادری

فرنچ کی بات کا جواب ہے، ہم آپ حضرات کے علماء کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی باتیں ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی ہیں۔

ان کو ضد یہ ہے کہ ہم درد جگر دیکھیں گے: دیوانے کی رٹ کی طرح پادری فنڈر نے پھر اپنی بات دہرائی کہ آپ مختصر طور پر یہ بتلا دیجئے کہ متن کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں، ڈاکٹر وزیر خاں نے کہا کہ آپ کا سوال تفصیل چاہتا ہے، جب تک ہم ان تفصیلات کو سامنے پیش نہیں کرالیں گے تب تک اس کا جواب نہیں دے سکتے، پادری فنڈر پر ضد سوار تھی اور جھنجلایا ہوا تھا، دو دنوں سے اس کے دل و دماغ پر جو قیامتیں گذر رہی تھیں وہ جلد از جلد ان سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا، آپ ہاں اور نہیں میں جواب دیجئے۔

صاف جواب: مولانا کیرانوی کو پادری فنڈر کے لب ولہجہ سے اندازہ ہو گیا کہ اب وہ مناظرہ سے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہا ہے، اب اس کی تاب ضبط جواب دے چکی ہے، اب آئندہ کسی قیمت پر مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوگا وہ بہانے ڈھونڈ رہا ہے کہ کسی طرح مناظرہ کا یہ سلسلہ بند کر دے، اسی لئے وہ نادان بچے کی طرح ایک بات پر ضد کر رہا ہے، تب آپ نے بھی لہجہ بدل کر بہت کھرے انداز میں کہا "نہیں اور کبھی نہیں"، ہم متن کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے، اسلئے کہ متن جس سے آپ کا مقصد اصلی وابستہ ہے وہ ہمارے نزدیک تحریفات کی وجہ سے مشتبہ اور مشکوک ہو گیا ہے اور آپ لوگوں نے حاضرین کے سامنے سات آٹھ جگہ تحریف کا غیر مبہم لفظوں میں اعتراف بھی کر لیا ہے، آپ کے متن میں بقول آپ کے چالیس ہزار اختلافات ہیں جن کو آپ سہو کاتب کہتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر تحریف ہے، ایسی صورت میں متن کو کوئی عقلمند اور اہل علم کیسے تسلیم کر سکتا ہے، ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم انجیل میں تحریف ثابت کریں خدا کے فضل سے ہم نے ناقابل تردید دلائل سے ثابت کر دی،

متن میں عدم تحریف کا اگر آپ کو دعویٰ ہے تو یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کریں، ہم آپ کا جواب سننے کیلئے اس شہر میں دو مہینے ٹھہر سکتے ہیں ہم یہاں سے جانے والے نہیں اور آپ سے ان تمام مسائل پر مناظرہ کیلئے لمبی سے لمبی مدت تک کیلئے بلا عذر تیار ہیں، لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی یہ کتاب ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی، آپ اس کی کسی آیت سے ہمارے خلاف دلیل نہیں لا سکتے کیونکہ وہ ہمارے نزدیک مشتبہ کتاب ہے، تثلیث اور نبوت محمدی کے دو مسئلے جن پر گفتگو باقی ہے ان کے سلسلے میں آپ کے پاس انجیل کے علاوہ کوئی دلیل ہو تو آپ اس کو پیش کریں گے، اپنی کتاب جس کو آپ انجیل کہتے ہیں اس کی کوئی عبارت ہمارے سامنے بالکل پیش نہیں کریں گے۔

مجلس مناظرہ برخاست ہوگئی: مولوی فیض احمد سر رشتہ دار صدر بورڈ نے اس موقعہ پر پادری فنڈر کی طرف رخ کر کے کہا کہ یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ کتاب میں تحریف بھی ہوئی اور اس سے کوئی خرابی بھی نہیں پیدا ہوئی، یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ یہ تو عقل کے بالکل خلاف بات ہے۔

اسی مرحلہ پر پادری فنڈر نے مجلس مناظرہ برخاست ہونے کا اعلان کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب (۱۰)

مولانا کیرانوی کا تاریخ ساز کارنامہ

یہ مناظرہ تاریخ کے انتہائی خطرناک اور نازک موڑ پر ہوا اور خدا نے مسلمانوں کی آبرو رکھ لی اور صرف دو دنوں کے مباحثہ نے ہوا کا رخ بدل دیا اور پورے ملک میں اہل اسلام نے اطمینان کی سانس لی کیوں کہ حالات اس وقت انتہائی تشویشناک ہو چکے تھے، عیسائی مشنریوں کی یلغار برابر جاری تھی، روزانہ عیسائی ہونے والوں کی خبریں شاہ سرخیوں میں پورے ملک میں شائع ہوتی رہتی تھیں، مسلمانوں میں کچھ پڑھے لکھے اور اسلامی علوم سے واقف ضمیر فروشوں نے اپنا ایمان اپنا ضمیر کمپنی کی حکومت کے ہاتھوں میں چندروزہ عیش کی زندگی کے بدلے میں فروخت کردیا تھا اور اب وہ پادری بن کر عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے ایک درجن کے قریب یہ کالے پادری پورے ملک میں مشہور ہو چکے تھے وہ یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ زہرافشانی میں مصروف تھے اور فضا کو خراب کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اسلام کے خلاف مسلسل رسالے اور کتابیں لکھ کر چھپواتے اور پورے ملک میں تقسیم کرتے تھے، یہ ساری کتابیں اور رسالے اُردو میں ہوتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں تک پہنچائے جاتے تھے، اس دور کے علماء ان کتابوں کو دیکھتے اور عیسائیت قبول کرنے والے مسلمانوں کا ذکر بھی ان کے سامنے آتا رہتا تھا لیکن وہ اس درجہ خائف اور ہراساں تھے کہ اس طوفان کے سامنے کھڑے ہونے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل جب تبلیغ عیسائیت کی مہم اپنے شباب پر تھی ہم کو کوئی نام نہیں ملتا جس نے اس سرخ

آندھی کی طرح آنے والے اس طوفان کا سامنا کرنے کی ہمت ہوا کر ذہنی اور روحانی اذیت نے ان کو زبان کھولنے پر مجبور کردیا اور ایمانی غیرت میں کچھ تموج پیدا ہوا تو زیادہ سے زیادہ اتنا کیا کہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر ان کالے پادریوں نے اسلام پر جو اعتراضات اپنی کتابوں میں کئے تھے ان کے جوابات لکھ کر شائع کردیئے اور بس، انھوں نے سمجھ لیا کہ ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے، شیر کی طرح دہاڑنے والے پادری فنڈر کے مقابلہ میں کوئی فولادی ہاتھ نظر نہیں آتا جو اس کے جبڑے میں ہاتھ ڈال کر اس کی زبان کھینچ لے تاکہ اس کی غراہٹ ختم ہوجائے، وہ صرف مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ذات گرامی تھی جو سر ہتھیلیوں پر رکھ کر اس مورچہ کو فتح کرنے کیلئے تن تنہا نکل پڑے اور اس مورچہ کو فتح کرکے تاریخ میں زندۂ جاوید ہوگئے۔

مدافعت نہیں اقدام: ایسے کئی علماء کرام اپنے رسائل کی حد تک اسلام کی طرف سے مدافعت میں مصروف تھے اور اسلام پر جو اتہامات پادریوں کی طرف سے عائد کئے جاتے تھے ان کی تکذیب کرتے اور صفائی دیتے رہے اور اسلام کی صحیح تعلیمات کو پیش کرتے رہے اس طرح وہ بچاؤ کی کوشش کرتے رہے اور مدافعت کی جنگ میں مصروف تھے جبکہ حالات اتنے خطرناک ہوچکے تھے کہ کہ اب مدافعت کی جنگ کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کرسکتی تھی اب اس کا موقعہ ختم ہوچکا تھا کیوں کہ مدافعت کی جنگ حملہ آور کو شکست نہیں دے سکتی، نہ ان کی ہمت شکنی کرسکتی ہے اور نہ ان کے حملوں کی رفتار پر بندش لگا سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ مدافعانہ کارروائیوں کی وجہ سے حریف کی محنت رائیگاں ہوتی رہے گی اس لئے فطری طور پر حریف کی سرگرمیاں اور بڑھ جائیں گی اور ان کے وار کرنے میں نئی قوت اور نیا جوش پیدا ہوگا، اس لئے مدافعانہ جنگ کبھی مثبت نتیجہ نہیں پیدا کرسکتی، حریف پر اقدام کرنا، آگے بڑھ کر خود ان پر حملہ کرنا ان کو مرعوب کرنا اور ان میں خوف وہراس اور احساس کمتری پیدا کرنا ہی کامیابی کا

راستہ ہے، ہمیشہ سے فتحمندی کی یہی راہ رہی ہے اسی میں فتح اور حریف کی شکست کا راز مضمر ہے، اگر کسی میں اقدام کی جرأت نہیں ہے تو ایک نہ ایک دن اس کو مکمل شکست ہوکر رہے گی اور کوئی طاقت اس کو شکست سے نہیں بچا سکتی، یہ صحیح ہے کہ کچھ علماء کرام اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب لکھتے اور صفائی دیتے اور ان کے واروں سے اسلام کو بچانے کی کوشش میں مصروف تھے جبکہ جنگ خطرناک صورت اختیار کرچکی تھی اب وار بچانے کے بجائے وار کرنے کے لئے آگے بڑھنا ضروری ہو چکا تھا اور یہ کام پورے ملک میں کہیں نہیں ہورہا تھا، اسلئے پورے ہندوستان کا مسلمان احساس کمتری کا شکار ہو چکا تھا اور مایوسیوں کی دلدل میں روز بروز دھنستا جارہا تھا، مولانا کیرانوی نے طریقہ جنگ بدل کر حالات میں انقلاب پیدا کردیا، انھوں نے مدافعت کی جنگ کو از کار رفتہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا، پیشقدمی، اقدام اور آگے بڑھ کر حریف پر وار کرنے کو اولیت دی، اسلام پر وار کرنے والوں کے مقابلے میں عیسائیت پر وار کرنے شروع کردیئے اور پے در پے اتنے حملے کئے کہ حریف وار کرنا بھول گیا اور اپنے بچاؤ کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور اس کو اپنی کمزوری اور بے بسی کا شدید احساس پیدا ہو گیا اور پھر اسلام کی فتح کا آغاز ہو گیا۔

دو دن میں کل ملا کر ساڑھے تین گھنٹے مولانا کیرانوی نے اس جنگ میں صرف کئے اور اتنی زبردست کامیابی حاصل کی کہ ہندوستان کی کروڑوں مسلمانوں کے چہرے فتح کی خوشی سے دمک اٹھے، اور فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی۔

پیش قدمی کی تیاریاں: یہ مولانا کیرانوی کی انتہائی تدبر وفراست کی دلیل ہے کہ پہلے ہی مرحلہ پر یہ یقین حاصل کرلیا کہ طریقہ جنگ بدل کر ہی حریف پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اس کے وار سے خود کو بچایا جاسکتا ہے اور اس کے بازوؤں کو شل کیا جاسکتا ہے اس کی تیاری میں آپ نے کئی برس صرف کئے، توریت وانجیل اور ان

کی تفسیروں کا گہرا مطالعہ کیا، مفسرین وشارحین کے اختلافات کو بہ نظر غائر دیکھا، یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی تاریخ مرتب کرنے والوں کی تہ انیف تلاش کر کے پڑھیں، ان کتابوں سے عیسائیت اور یہودیت کے اندرونی امراض کا پتہ چلایا اور ان کے پوست کندہ حالات معلوم کئے ان کی جعلسازی اور فریب کاریوں کا جائزہ لیا، متداول تورات وانجیل کے نا قابل اعتماد ہونے پر انھیں کے مستند اور مشہور اہل علم کی تشریحات کی روشنی میں ایسے نا قابل تردید دلائل وشواہد فراہم کئے کہ حریف کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہمارے مذہب اور ہمارے مذہب کی تاریخ سے ہم سے کہیں زیادہ واقف ایک مسلمان بھی ہوسکتا ہے اس لئے جب کتابوں کے صفحے کھول کر ان کے اسلاف کی تصریحات دکھائی گئیں تو ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، ان کے سفید چہروں پر ذلت کی سیاہی دوڑ گئی اور کوئی جواب نہیں بن پڑا، وہ حواس باختہ ہو گئے، ان کو اسلام پر اعتراضات تو از بر تھے لیکن عیسائیت پر حملہ آور ہونے والوں کے وار سے بچنے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، جس طرح تھانیدار ہنٹر دکھا کر مجرم سے سارا جرم اگلوالیتا ہے مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر سے اس کے مذہب کی ساری کمزوریوں کا اقرار کرالیا، پادری پہلے ہی مرحلہ میں احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے اور ان پر مرعوبیت طاری ہوگئی اور مرعوبیت حریف کی ساری طاقت وتوانائی کو سلب کر لیتی ہے، پادریوں کی صورت حال نے اس کی تصدیق کردی،

عبرتناک شکست: حاضرین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پادریوں کی طلاقت لسانی جواب دے گئی اور کئی مرحلوں پر ایسے خاموش ہوئے جیسے گونگی بہری کوئی مورتی بیٹھی ہوئی ہے جو نہ سنتی ہے نہ بولتی ہے، مولانا کیرانوی کے جواب میں ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا، ان کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی بندر ایسے لوگوں کے درمیان گھر جائے جن کے ہاتھوں میں پتھر ہیں کہ نہ کسی طرف بھاگنے کا راستہ

پائے نہ ٹھہرا جائے، مولانا کیرانوی کے پیش کردہ شواہد سے توریت وانجیل میں کتر بیونت، تغیر تبدل، کمی بیشی اور جو تحریفات ثابت ہوتی ہیں ان کے مذہب کو نا قابل اعتماد، ان کی مذہبی کتابوں کو نا قابل اعتبار ثابت کرتی ہیں، اگر ان کو تسلیم کرتے ہیں تو عیسائیت کی پوری عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے اور انکار کرتے ہیں تو اپنے مفسرین وشارحین اور مورخین کا جھوٹا فریبی اور جعلساز ثابت کرتے ہیں، ان کی تشریحات کو سچ ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ان کی گاڑی کا سارا پٹرول ہی ختم ہو جاتا ہے اور تبلیغ عیسائیت کی گاڑی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

مولانا کیرانوی نے وسعت مطالعہ سے کام لے کر پادریوں کو اسی خطرناک راہ پر کھڑا کر دیا، یہ صورت حال دوران مناظرہ کئی بار پیدا ہوئی، اس منظر کو دیکھ کر حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے اور انھوں نے یقین کر لیا کہ ان کی چرب زبانی اب جواب دے چکی ہے، مولانا کیرانوی کے وار کو سہ جانا ان کی طاقت سے باہر ہے، وہ اسلام پر اعتراض کرنا اور اس کو باطل مذہب ثابت کرنا جو وہ برسوں سے کر رہے تھے بھول گئے کیوں کہ جو شخص بچاؤ کرنے میں مصروف ہو جائے اس کی ساری توجہ اسی جانب ہو اس پر وار کرنا آسان ہو جاتا ہے، پادری رٹے ہوئے طوطے کی طرح ایک ہی راگ الاپتے رہے لیکن جب خود ان پر وار ہونے لگا تو اس سے بچاؤ کی ان کے پاس کوئی تدبیر نہیں تھی، اسلئے ان کا پورا وجود زخموں سے چور چور ہو گیا وہ لہولہان ہو گئے، اسلئے مولانا کیرانوی نے مسلمانوں کو سبق دیا کہ اقدام ہی زندگی کی توانائیوں کی علامت ہے اور مدافعت اپنے وجود کی بقا کے کیلئے صرف جدوجہد ہے اور جدوجہد کبھی بھی کمزور پڑ سکتی ہے اور پھر دن اس کے وجود کا صفحہ ہستی سے مٹنے کا آخری دن ہوگا، مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کو چیلنج دینے سے پہلے ہی اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا اور خدا نے مولانا موصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی لاج رکھ لی۔(۱)

(۱) المناظرۃ الکبریٰ، ڈاکٹر عبدالقادر حنبل ص: ۲۴۵ تا ۲۶۸

باب (۱۱)

جہاد اکبر اور شاندار فتح

مناظرہ صرف دو دن چلا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مناظرہ کے پہلے ہی دن عیسائیت کو ذلت آمیز شکست ہو چکی تھی، دوسرے دن مناظرہ کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان توریت وانجیل کے نسخ وتحریف کا فیصلہ ہی درحقیقت عیسائیت کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل تھی، مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت دوسرے نبیوں کی لائی شریعتوں کی ناسخ ہے، ہر نبی کی شریعت اس کے دور میں واجب العمل تھی لیکن قرآن کے نزول کے بعد ساری دنیا کو اسی پر عمل کرنا ضروری ہو گیا، مسلمان یہی کہتے تھے کہ اب عیسائیت اور یہودیت منسوخ ہو چکی ہیں اب اس کے احکام کے بجائے اسلام کے اوامر ونواہی پر عمل ضروری ہے اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، پادری اور عیسائی نسخ کے قائل نہیں تھے اسی لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن کو خدا کا کلام ماننے سے انکار کرتے تھے، پادری فنڈر اور اس کے جرگے کے لوگ یہی کہتے تھے کہ خدا کے کلام میں نسخ ہو ہی نہیں سکتا، نہ توریت منسوخ ہوئی اور نہ انجیل لیکن مولانا کیرانوی نے دلائل وشواہد سے ثابت کر دیا کہ عیسائیت نے توریت کو منسوخ کہا، سیکڑوں مسائل جو توریت میں تھے اس کی جگہ دوسرے احکام نافذ کئے گئے، نسخ کے دلائل کا پادریوں سے کوئی جواب نہ بن سکا اور جو شواہد پیش کئے گئے ان کو جھٹلانے کی ان میں ہمت نہیں تھی، دوسری بات جو پادری کہتے تھے کہ انجیل خدا کا کلام ہے دنیا کو اسی پر عمل کر کے نجات مل سکتی ہے،

مسلمان دلائل کی روشنی میں اس کا انکار کرتے تھے کہ آج تمہارے ہاتھوں میں جو انجیل ہے وہ پورا کا پورا خدا کا کلام نہیں ہے اس میں اتنی تبدیلیاں اور تحریفات کردی گئیں کہ آج یہ معلوم کرنا ناممکن ہوگیا کہ اس کتاب میں کون سا خدا کا کلام ہے اور کون سا انسانوں نے اس میں اضافہ کیا ہے۔

مولانا کیرانوی نے سات آٹھ جگہ سے ان کی کتابیں کھول کر دکھادیا کہ ان مقامات میں جو آیتیں ہیں وہ پہلے نسخوں میں نہیں ہیں، فلاں مقام پر فلاں آیت نہیں ہے جو قدیم نسخوں میں تھیں، ان تحریفات وتغیرات کا غیر مبہم لفظوں میں پادریوں نے مجمع عام میں بلند آواز سے اقرار واعتراف کیا اور اس کا باقاعدہ اعلان ہوا، مولانا کیرانوی نے ثابت کردیا کہ یہ تو بڑی بڑی تبدیلیاں ہیں عبارتوں کا اختلاف اور لفظوں کا ہیر پھیر تو چالیس ہزار سے زائد ہے، خود تمہارے علماء کہتے ہیں، اس کا بھی پادری فرنچ اور پادری فنڈر نے کھلے بند اقرار کیا اور عام حاضرین نے اس کو سنا، دونوں اعترافات کے بعد تو ان کے مذہب کی بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے جب ان کی بنیادی کتاب ہی بے اعتبار، مشکوک ومشتبہ ہوگئی تو عیسائیت کی تبلیغ ایک بے معنیٰ اور فضول سی بات ہے اور ایک غلط اور باطل مذہب کی دعوت ہے، انگریزوں کے بڑے افسران نے پادری فنڈر کی شکست کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سب سے بڑے افسر مسٹر اسمتھ نے پادری فنڈر کے خلاف اپنے رویہ کا اظہار کیا، حکومت کے عام افسروں کے دلوں میں پادری فنڈر کی وقعت اور عزت وآبرو پہلے ہی دن کے مناظرہ میں ختم ہوگئی، یہ عیسائیت کے خلاف اسلام کی بڑی اور عظیم الشان فتح تھی اگر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ظالم وجابر حکومت نہ ہوتی تو پادریوں کا راستہ چلنا دشوار ہوجاتا، بچے بچے ان کا مذاق اڑاتے، ان پڑھ، ناخواندہ لوگ بھی ان کو چھیڑ چھیڑ کر مزا لیتے، کیونکہ عام مناظروں میں اس طرح کی کھلی ہوئی شکست بلکہ فریق مخالف اور حریف کا

اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کسی مناظرہ میں نہیں سنا گیا جو پادریوں نے اقبال جرم کیا، یہ ہمارے ملک کی واحد مثال ہے، مولانا کیرانوی کے سامنے پادری فنڈر جس کی شہرت کا ڈنکا یورپ سے لے کر ہندوستان تک بج رہا تھا اس کی شخصیت ربر کا غبارہ ثابت ہوئی، ایک سوئی کے نوک سے اس میں سوراخ کر کے اس کی ساری ہوا نکال دی۔

مناظرہ میں شاندار کامیابی مولانا کیرانوی کے اخلاص اور جرأت ایمانی کا ثمرہ تھی، ان کے سینے میں فولاد کا دل تھا ان کے ایمان کی طاقت اتنی مضبوط تھی کہ حکومت وقت کا جاہ وجلال رعب ودبدبہ ان کی نگاہ میں مچھروں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ نہیں تھا ،اس وقت عالم یہ تھا عام مسلمان مناظرہ گاہ میں جاتے ہوئے تھراتے تھے، تماشائی کی حیثیت سے بھی عوام وخواص کو اس میں شمولیت کی ہمت نہ تھی وہ انگریزوں کے مظالم سے اس قدر سہمے ہوئے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ پادری جس کو چاہیں حکومت کی دارو گیر کا شکار بنادیں، جلسہ گاہ کا ماحول مرعوب کن اور بڑے رعب دبدبہ والا تھا، پادریوں سے ٹکرانے والا یہ سوچ کر ہی ٹکرا سکتا تھا کہ یا تو میں اس راہ میں شہید ہو جاؤں گا یا حق کی آواز ان ظالموں تک پہونچا کر رہوں گا، کسی ظالم وجابر حکومت اور اس کے بد دماغ افسران کے سامنے حق بات کا اعلان کرنا جو ان کی مرضی ومنشا کے خلاف ہو اس کو رسول اللہ ﷺ نے افضل جہاد فرمایا ہے آپ کے الفاظ ہیں، **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر** مولانا کیرانوی سر سے کفن باندھ کر اسی افضل جہاد میں شامل ہوئے تھے اور میدان جنگ میں سر ہتھیلیوں پر رکھ کر اترے تھے، قدرت نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی اور مولانا کیرانوی کے سر پر فتحِ مبین کا تاج زرنگار رکھ دیا گیا، عیسائیت کا بڑھتا ہوا قدم رک گیا، باطل فوج کے پاؤں میں تھرتھری آگئی، پادریوں کی شکست ورسوائی پر انگریزی حکومت دانت پیس کر رہ گئی، کمپنی نے جو خواب

دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، جومنصوبہ بنایا تھا اس کی شکست دریخت اس مناظرہ میں دیکھ لی، پورے ہندوستان کی نگاہیں اس مناظرہ پر لگی ہوئی تھیں اور پادریوں کی شکست کا جب شہرہ ہوا تو احساس مظلومیت وبیکسی کا کہرا بتدریج چھٹنے لگا اور مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی، حکومت کا رویہ بدلا، پادریوں کی رفتار میں سستی آنے لگی، افسران کا لب ولہجہ بدلنے لگا، البتہ تبلیغ عیسائیت کی مہم چلتی رہی اور پادری اپنے اپنے علاقوں میں شکار کی تلاش میں مصروف رہے مگر اب ان کے زہریلے دانت جھڑ چکے تھے، گرم ہواؤں میں اب اعتدال آچکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۱۲)

مناظرہ کے بعد

جس جاہ جلال کے سائے میں اب تک پادری فنڈر قیام پذیر تھا اور عزت واحترام کا جو بلند مقام اس کو حاصل تھا وہ سب اس کی چرب زبانی اور طلاقت لسانی کا ثمرہ تھا، اس کے تعلّی آمیز بیانات، علماء اسلام کو بار بار چیلنج کرنا اور اس کے جواب میں علماء اسلام کا خاموش رہنا، اپنی ہر تقریر میں پوری رعونت کے ساتھ دعوت مبارزت دینا اس کا شیوہ تھا، جس کی وجہ سے کمپنی کی حکومت کے انگریز افسران کی نگاہوں میں اس کی بڑی قدر و قیمت تھی، اسی کے نتیجے میں اس کو تمام سرکاری سہولتیں حاصل تھیں، حکومت سمجھتی تھی کہ تبلیغ عیسائیت کی جدوجہد اور مہم کامیاب ہو کر رہے گی، اس شیر ببر کی ڈکار کے سامنے کوئی اپنے ہوش وحواس بجا نہیں رکھ سکتا، اس کو یہ خوش فہمی تھی کہ پادری فنڈر کی شکل میں اس کو ایک نا قابل تسخیر قلعہ مل گیا ہے، مسلمان اس قلعہ کو کبھی بھی اور کسی قیمت پر فتح نہیں کر سکتے، لیکن دو دنوں کے مناظرہ نے پادری فنڈر کی قلعی کھول دی، مٹی کے کھلونے پر سونے کا جو پانی چڑھا ہوا تھا جس نے اس مٹی کے کھلونے کو زر خالص کی شکل دیدی تھی، وہ سونے کا پانی اتر گیا، سب کو اس کی اصلیت نظر آنے لگی نسخ وتحریف کا مسئلہ اس کی عزت وشہرت کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوا، دوسرے دن کی ذلت آمیز شکست کے بعد اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس بظاہر دبلے پتلے مگر فولادی انسان سے ٹکرانا خود کو لہولہان کرنا ہے، اس سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اسلئے اس نے مناظرہ بند کر دیا جبکہ مناظرہ کے پانچ موضوعات میں سے صرف دو پر مباحثہ ہوا تھا

ابھی تین مسئلے تثلیث والوہیت مسیح، نبوت محمدی اور قرآن کا کلام اللہ ہونا، تینوں پر بحث باقی تھی، لیکن مناظرہ کے ان دودنوں میں جن ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ناقابل فراموش واقعہ بن گیا، اور جو زخم لگا تھا اس کا مندمل ہونا آسان نہیں تھا، ذلت آمیز شکست کا جو داغ لگ چکا تھا اس کو مٹانے یا کم از کم ہلکا کرنے کیلئے مولانا کیرانوی سے مراسلت جاری رکھنی اس کی مجبوری بن گئی، مناظرہ کے فوراً بعد ہی اس نے مولانا کیرانوی کو لکھا:

سہ شنبہ ۱۱ر اپریل ۱۸۵۴ء

آغاز مناظرہ میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا جس میں استدعا کی تھی کہ آپ نے میری کتاب ''حل الاشکال'' سے جو جملہ نقل کیا تھا اس کے صفحہ کی نشاندہی فرمادیں، آپ نے اس جملہ کا کچھ اور ہی مفہوم لیا تھا، جملہ تھا ''کسی نبی سے بتوں کی پرستش کا ظہور نہیں ہوا'' آپ نے صفحہ کی نشاندہی نہیں کی تھی ، راقم الحروف کا خیال ہے کہ میں نے یہ جملہ نہیں لکھا ہے، آپ کی عنایت سے مجھے امید ہے کہ میرے خط کے جواب میں آپ صفحہ نمبر ضرور تحریر فرمائیں گے تاکہ میں جان لوں کہ میں نے کیا لکھا ہے، اب کی بار آپ میری تحریر میں غور کریں گے تو میرا خیال ہے کہ آپ میری مراد اور منشا کے خلاف سمجھ رہے ہیں، میری اس عبارت کے مفہوم سے جو صفحہ ۶۰ پر حل الاشکال میں لکھی ہوئی ہے۔

میں نے مناظرہ کے دوسرے دن بعض آیات قرآنی کا ذکر کیا تھا جس میں انجیل کا ذکر ہے، وہ میزان الحق کے صفحہ ۷ اور ۱۳ پر درج ہیں، آپ نے کہا تھا کہ قرآن میں انجیل کا جو ذکر ہے اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال ہیں، آپ کے حواریوں کے اقوال نہیں، یہ بندہ سوال کرتا ہے کہ آپ نے جو

لکھا ہے کیا مفسرین نے یہی لکھا ہے؟ یا یہ آپ کا ذاتی خیال ہے؟ اگر کسی تفسیر میں ہے تو ازراہ کرم تفسیر کی عبارت تحریر فرمائیں یا کسی اور کتاب میں یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے تو آپ کا احسان ہوگا کہ اس کی نقل مجھے ارسال فرماویں، اگر یہ کام اکبرآباد میں نہیں ہوسکتا تو دہلی واپسی کے بعد وہاں سے نقل کر کے مجھے ارسال فرماویں، کارلائقہ میں بندہ کو یاد فرماتے رہیں، آپ نے اپنے خط مین جن کتابوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے بندہ کے پاس ارسال فرماویں۔

مولانا کیرانوی کا جواب: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کے خط کا جواب تیسرے دن ۱۳ اپریل ۱۸۵۴ء کو دیا، مولانا کیرانوی کو اس کے خط کے الفاظ اور اس کی بدنیتی کے رویہ سے جو دلی اذیت پہونچی تھی اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

> آپ کے خط سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے پیش نظر صرف مجھے ذہنی اور دلی تکلیف پہونچانی ہے، آپ نے بدنیتی سے جان بوجھ کر مجھے اس عبارت کی طرف متوجہ کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نشانۂ طعن بنایا ہے اور ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں، یہ کیسے مان لیا جائے کہ آپ اپنی لکھی ہوئی تحریر بھول گئے ہیں اور غلطی سے اس کی طرف توجہ دلا دی، پھر اس صفحہ کی عبارت کا زیر بحث معاملہ سے کیا تعلق تھا، بالکل بے جوڑ بات تھی، یا تو آپ کا مقصد مجھے میری غلطیوں پر طنز کرنا تھا کہ میں نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور آپ نے میری غلطی پکڑ لی ہے اگر آپ کا مقصد پہلی بات ہے تو یہ رویہ آپ کے حسن اخلاق سے بہت پست اور گراہوا ہے اور اگر میری غلطی کی اس لب ولہجہ میں نشاندہی کرنی ہے تو یہ بھی مناسب نہیں۔

مولانا کیرانوی نے مزید لکھا کہ اگر میں آپ کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے لگوں تو بات بہت دراز ہو جائے گی، آپ نے جتنی غلطیاں کی ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے بلکہ وہ غلطی نہیں جعلسازی، دھوکہ اور فریب ہے، مثلاً آپ نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۰۳ پر آل حسن کی کتاب الاستفسار پر اعتراض کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے، آپ نے بات سمجھی نہیں اور مصنف پر اعتراض جڑ دیا، وہ کچھ لکھتا ہے اور آپ کچھ سمجھتے ہیں، ''من چہ می گویم وطنبورۂ من چہ می سراید'' والی بات ہے، اسی طرح آپ نے اپنی کتاب میزان الحق کے پہلے باب کی دوسری فصل میں قرآن اور قرآن کے مفسروں کی طرف بالکل ایک جھوٹی بات منسوب کر دی جبکہ اس کے بارے میں آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ اہل اسلام توریت اور انجیل کے سلسلہ میں کیا نظریہ رکھتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر اعتراض کی بنیاد رکھ دیتے ہیں، اسی میزان الحق کے پہلے باب کی تیسری فصل میں جو ایک فارسی کتاب ''دبستان'' سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآن کے نسخے کے جلانے کے سلسلہ میں آپ نے جو نقل کیا ہے وہ بالکل جھوٹ ہے، درمیان سے لفظوں کو اُڑا دیا، اور پھر مسلمانوں پر اعتراض کی بساط بچھا دی یہ اہل علم کا شیوہ نہیں کہ نقل واقتباس میں جان بوجھ کر غلط بیانی کرے اور فریب سے کام لے، اس طرح اگر میں آپ کی غلطیوں کو بیان کروں تو مجھے کوئی روک نہیں سکتا لیکن میں خطوط میں اس طرح کی باتوں کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا ہوں کہ آپ کے دل کو تکلیف پہونچے، البتہ آپ نے حوالے صفحہ نمبر پوچھا ہے وہ آپ کو بتا رہا ہوں ، میں نے جہاں سے یہ بات نقل کی ہے وہ آپ کی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۰۵ پر دوسری سطر سے لے کر ساتویں سطر تک ہے اور آل حسن کی کتاب الاستفسار میں یہ بات صفحہ ۴۲۴ پر ہے اور اس کے علاوہ کئی مقامات پر اس کا ذکر ہے۔

میں نے انجیل کے سلسلہ میں جو بات کہی ہے وہ اسلامی کتابوں میں موجود ہے

اور بعض آیات قرآنیہ کے مفہوم سے بھی یہ بات نکلتی ہے، اس سلسلہ میں آپ کو مکمل معلومات میری کتاب سے ہوگی جو جلد ہی طبع ہو کر آپ کے پاس پہونچے گی، پھر مولانا کیرانوی نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا:

مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ لوگوں نے مناظرہ میں اصول مناظرہ کے خلاف کام کیا ہے، آپ کے معاون پادری فرنچ ایک طویل وعریض طومار نکال کر اکتا دینے والی حد تک مسلسل پڑھتے رہے اور ہم نے دل پر جبر کر کے بادل ناخواستہ خاموشی سے سنا، مگر کوئی خلل نہیں ڈالا، ان کے پڑھنے کے بعد جب ڈاکٹر وزیر خاں جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے ان کو روک دیا حالانکہ وہ میرے معاون اور شریک کار تھے جیسے پادری فرنچ آپ کے شریک کار تھے اور جب جب ڈاکٹر صاحب نے جواب دینے کا ارادہ کیا ہر بار آپ لوگوں نے سختی کے ساتھ ان کو روک دیا یہاں تک کہ ان کو غصہ آگیا اور انتہائی برہمی کے انداز میں کہا کہ کیا میں شریک مناظرہ نہیں ہوں مگر لطائف الحیل سے آپ لوگ ان کو روکتے رہے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس رکاوٹ کی وجہ سے ہمارا کچھ نقصان تو نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا کہ حاضرین نے سمجھ لیا کہ آپ کی رکاوٹ کا واحد سبب یہ ہے کہ آپ لوگ جواب دینے سے اپنے کو عاجز سمجھ رہے ہیں، لوگ یہی سمجھتے رہے کہ آپ صرف اس لئے روک رہے ہیں کہ اگر انھوں نے چند اور تحریفات کا ثبوت دیدیا تو ہم کو ان کا اقرار کر کے مزید ذلت اٹھانی پڑے گی، میں نے بڑی کوشش سے ان کے غصہ کو ٹھنڈا کیا، لیکن جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ولیم کلین مناظرہ کی مکمل روداد انگریزی اور اُردو میں شائع کرنے والے ہیں تو مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ پادری فرنچ کے اس طومار کو بھی

اس میں شامل کرلیں گے، چونکہ اس روداد میں اس طومار کا جواب نہیں ہوگا تو جولوگ مناظرہ میں حاضر نہیں تھے وہ اس روداد کو پڑھیں گے تو سمجھیں گے کہ اس طومار کا جواب مسلمانوں نے نہیں دیا، عام ناظرین کو غلط فہمی ہوگی، اس لئے ڈاکٹر وزیر خاں کا جواب عنقریب میں آپ کو بھیجوں گا مہربانی کر کے اس روداد میں طومار کے لکھنے کے بعد یہ جواب بھی اس میں شامل کردیں ،انصاف کا تقاضا یہی ہے، مجھے امید ہے کہ آپ خطوط کے ذریعہ مجھے یاد کرتے رہیں گے اور کار لائقہ میں یاد رکھیں گے۔

جھوٹا وعدہ: مولانا کیرانوی اور پادری فنڈر کے درمیان پانچ مسئلوں پر مناظرہ ہونا طے ہوا تھا اور یہ بھی طے تھا کہ جب تک ان پانچ مسئلوں پر گفتگو فیصلہ کن مرحلے پر نہ پہونچ جائے مناظرہ مسلسل چلتا رہے گا، مگر ان پانچ مسئلوں میں سے دو مسئلوں نسخ اور تحریف کے مسئلہ پر مباحثہ ہوا، ان دونوں مسئلوں میں پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا، تحریف کے سلسلہ میں ابھی سات آٹھ ہی مقامات پر پادریوں کو مجبور کیا گیا اور انھوں نے حاضرین کے سامنے ان تحریفات کو تسلیم کرنے کا اظہار کیا، مولانا کیرانوی کا ابھی چیلنج کم ازکم پچاس مقامات پر بھی تحریف کا اقرار کرانے کا تھا لیکن دو ہی دنوں میں پادری فنڈر نے مجلس مناظرہ بلانے سے انکار کردیا، مولانا کیرانوی منتظر ہی رہ گئے جب مولانا کیرانوی نے ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی اس کی سخت لفظوں میں شکایت کی تو پادری فنڈر معصوم بن گیا اور بڑی خوشدلی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ہم دونوں مجلس مناظرہ دوبارہ منعقد کرنے کے لئے بخوشی تیار ہیں اور یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم مناظرہ جاری رکھنا چاہتے ہیں اور آپ لوگ نہیں چاہتے ہیں، لیکن باربار تقاضوں کے باوجود بھی اس نے اپنے وعدے کا ایفاء نہیں کیا، مولانا کیرانوی کے نام ۱۴راپریل ۱۸۵۴ء کو اپنے ایک خط میں لکھا:

''آپ کا خط ملا، حالات معلوم ہوئے، آپ نے ڈاکٹر وزیر خاں کی شکایت کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو یہ غلط فہمی ہے کہ ہم نے دانستہ طور پر ان کو جواب دینے کا موقعہ نہیں دیا تو آپ لوگ کہیں تو دوبارہ مجلس مناظرہ منعقد کردی جائے، میں اور پادری فرنچ اس پر بکمال خوشی راضی ہیں تاکہ ڈاکٹر وزیر خاں کی شکایت دور ہوجائے مگر وہ صرف اپنی ان دلیلوں کو بیان کریں گے کہ جن سے ثابت ہو کہ انجیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں، اس کی تعلیمات واحکام میں بہت سا فرق پڑ گیا ہے، موجودہ دور میں متداول انجیل وہ انجیل نہیں ہے جو ان کے پیغمبر کے زمانہ میں تھی اسی مسئلہ کے ثابت کرنے کی ان سے خواہش رکھتا ہوں، اور جب یہ ثابت ہوجائے گا کہ انجیل اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے تو مناظرہ سے آپ کا مقصد پورا ہوجائے گا، ورنہ پھر جو مسئلے باقی ہیں ان پر مباحثہ ہوگا کہ آپ اُلوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلوں پر اعتراض کریں اور ہم اس کا جواب دیں گے، کیونکہ انھیں دونوں مسئلوں کی وجہ سے مسیحی آپ کے رسول کی رسالت اور قرآن کے حق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اگر آپ کو فرصت نہیں ہے اور اکبرآباد میں اس سے زیادہ قیام نہیں کرسکتے تو ڈاکٹر وزیر خاں کو یہ ذمہ داری سونپ دیں کہ وہ اس مباحثہ کو اختتام تک پہونچائیں۔

میں نے حل الاشکال کا وہ صفحہ نکال کر دیکھا جو آپ نے لکھا تھا، اور جو میں نے لکھا تھا اس کا پتہ چلا، میرے یاد نہ رہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ نے میرے الفاظ تو نقل نہیں کئے تھے بلکہ میرے مفہوم کو اپنے الفاظ میں آپ نے بیان کیا تھا، میں آپ کو پورا یقین دلاتا ہوں کہ صفحہ ٦٠ کا حوالہ میں نے آپ کی ایذاء قلبی کی نیت سے بالکل نہیں دیا تھا بلکہ اپنی تلاش کے سلسلہ میں

اس صفحہ پر پہونچا تو میرا خیال ہوا کہ شاید اسی صفحہ کا حوالہ ہے۔

مناظرہ ضرور ہونا چاہئے: مولانا کیرانوی نے جب پادری فنڈر کی آمادگی دیکھی کہ وہ مجلس مناظرہ منعقد کرنے پر تیار ہے تو آپ نے ضروری سمجھا کہ اب کی بار اس کو کچھ شرائط کا پابند بنالیا جائے ورنہ مناظرہ کی افادیت بہت محدود ہوکر رہ جائے گی، ان خطرناک حالات میں اس مناظرہ کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں سے احساس مرعوبیت کو ختم کیا جائے، ان کے دلوں سے یہ خوف نکل جائے کہ کمپنی کی حکومت ہم کو عیسائیت کے قبول کرنے پر مجبور کردے گی اور ہم بہ جبر واکراہ مجبور ہوکر اپنا دین ومذہب برباد کردیں گے، مناظرہ میں مسلمانوں کی بہت محدود تعداد تھی اس لئے پادریوں کی شکست کا نظارہ دیکھنے والے بہت کم لوگ تھے اب ایسا دستاویزی ثبوت حاصل کرنے کی کوشش اور بندوبست کیا جائے کہ وہ عوامی جلسوں میں یا اپنے اشاعتی لٹریچر میں جو تعلّی آمیز باتیں کرکے مسلمانوں کو مرعوب کرتے ہیں ان کی شکست کا دستاویزی ثبوت شائع کرکے پورے ملک کو اس سے باخبر کردیا جائے اور اس دستاویزی ثبوت سے وہ انکار نہ کرسکیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان دودنوں میں پادریوں کو جو شکست ہوچکی تھی ان کو اب دین عیسوی کے برحق ہونے کے اعلان کی بھی جرأت نہیں ہونی چاہئے تھی، علماء اسلام نے عیسائیت کا مورچہ فتح کرلیا تھا، حریف سرنگوں ہوچکا تھا لیکن اس کی پشت پر پوری حکومت ہے اس لئے ان کے جاہ وطمطراق میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا لیکن دستاویزی ثبوت مل جاتا ہے تو اس کی اشاعت عام سے بڑی حد تک پادریوں کی لن ترانیوں پر قدغن لگائی جاسکتی ہے۔

مولانا کیرانوی کا جواب: مولانا کیرانوی نے اسی نقطۂ نگاہ سے پادری فنڈر کے خط کا جواب دیا اور بڑی کھری کھری باتیں بھی سنائیں، البتہ ادب وتہذیب

کے دائرے میں رہ آپ نے یہ خط ۱۶ اپریل ۱۸۵۴ء کو لکھا، جس کے کچھ اجزا یہ ہیں:

خط ملا، حالات معلوم ہوئے، مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ اور پادری فرنچ مجلس مناظرہ منعقد کرنے پر تیار ہیں تا کہ ڈاکٹر وزیر خاں کی شکایت دور ہو جائے، اب میں اس وقت تک دہلی واپس نہیں جاؤں گا جب تک مباحثہ ومناظرہ پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس مباحثہ میں چار باتوں کی پابندی کی جائے تو اس کا فائدہ دونوں فریق کو ہوگا، میں ان چاروں باتوں کو اس امید پر لکھ رہا ہوں کہ آپ ان کو منظور فرمائیں گے اور اگر کسی بات میں قباحت نظر آئے تو اس کی کوئی معقول وجہ بتائیں، اور مجھے اس سے مطلع فرمائیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں فریق کو اس کی اجازت حاصل ہو کہ دودنوں کے جلسوں میں فریق ثانی جو کلام کیا ہے یا جن باتوں کا قرار واعتراف کیا ہے وہ ایک سادہ کاغذ پر لکھ کر اس فریق سے دستخط کرالی جائے، آپ ہمارے اقرار واعتراف کو لکھ لیں ہم اس پر دستخط کر دیں گے اور گزشتہ دودنوں کے مناظرہ میں آپ نے ہماری جن باتوں کو تسلیم کیا ہے اور جتنی باتوں کا آپ نے حاضرین کے سامنے اقرار کیا ہے ہم اس کو سادے کاغذ پر لکھ کر آپ کے پاس بھیجیں گے آپ کو اس پر دستخط کرنا ہوگا یہ تو گزشتہ جلسوں کے سلسلہ میں ہوگا، اور آئندہ مباحثہ میں بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا کہ روزانہ فریق مخالف کے کلام لکھ کر اس سے دستخط لے لیا جائے گا تا کہ بعد میں کوئی فریق اس سے انکار نہ کر سکے۔

مولانا کیرانوی نے پہلی شرط لکھنے کے بعد اس کے فائدے بتائے کہ مناظرہ کا پورا ریکارڈ مستند طور پر تیار ہو جائے گا اور آئندہ کیلئے سند ہوگا، بظاہر اس کی کوئی بہت

بڑی افادیت نہیں کیوں کہ دونوں فریق نے جتنی باتیں کہی ہیں مجمع عام میں کہی ہیں، تمام حاضرین نے اس کو سنا ہے اور دونوں فریق کے سامعین میں سے کچھ لوگوں نے ان کو نوٹ بھی کیا ہے، پھر بھی مباحثہ میں باقاعدگی لانے کیلئے فریقین میں جو اہم اور مفید ترین باتیں ہوئی ہوں ان کو نوٹ کیا جائے اور لکھ کر فریق مخالف کو پیش کیا جائے اور اس سے دستخط لی جائے، دونوں فریق دستخط کرنے کے پابند ہوں، آپ نے اپنی بات واضح کرنے کے خیال سے مثال دے کر سمجھایا ہے کہ دو دن کے مناظروں میں آپ نے اور پادری فرنچ نے جو باتیں کہی ہیں ان کو لکھ کر آپ کے سامنے ہم پیش کر دیں آپ دونوں اس پر دستخط کر دیں خاص طور سے مندرجہ ذیل باتوں کو لکھنے کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے کہ ہم درج ذیل باتیں لکھیں گے۔

۱۔ مثلاً آپ نے اپنی کتاب میزان الحق کے پہلے باب کی دوسری فصل میں جو دعویٰ کیا ہے اور اس کو قرآن اور مفسروں کی طرف منسوب کیا ہے اس کو آپ نے تسلیم کیا ہے، کہ وہ غلط ہے۔

۲۔ جیسے آپ نے اہل اسلام کی اصطلاح کے مطابق نسخ کے امکان کو تسلیم کیا ہے اور اسی کے معنیٰ کے اعتبار سے آپ نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعتراف کیا ہے اور آپ نے مجمع عام میں اپنی زبان سے بار بار کہا ہے کہ توریت منسوخ ہے، اس کو قبول کرنے میں آپ کو کوئی عذر نہیں سوائے اس کے کہ قول مسیح ولکن کلامی لایزول کی وجہ سے انجیل منسوخ نہیں مانتے جبکہ مسیح کا قول صرف ایک خاص خبر سے متعلق ہے اور عام نہیں ہے۔

۳۔ جیسے پادری فرنچ نے پہلے دن کے جلسہ میں آپ کی جانب سے اعتراف کیا کہ کتب مقدسہ میں سات آٹھ مقامات میں تحریف ہوئی ہے اور آپ نے اس پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

۴۔ جیسے پادری فرنچ نے اسی جلسہ میں کتب مقدسہ میں چالیس ہزار اختلاف عبارت کا اقرار واعتراف کیا ہے اور آپ اس کو سہو کاتب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۵۔ جیسے آپ لوگوں نے کتب مقدسہ میں سہو کاتب کو دوسرے جلسہ میں تسلیم کیا ہے اور میری التماس پر آپ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اگر حاشیہ کی عبارت متن میں داخل کر دی گئی یا کچھ آیتوں کا اضافہ کیا گیا، یا بعض آیتوں کو حذف کر دیا گیا، یا نکال دیا گیا، یہ خرابی پانچ چھ مقامات میں ہوئی ہے، یا ایک لفظ کے بدلے وہاں دوسرا لفظ لکھ دیا گیا اور یہ بہت سی جگہوں میں ہوا ہے، یا متن میں بطریق تفسیر کچھ الفاظ بڑھا دیئے گئے، چاہے یہ اضافہ اور زیادتی، اسقاط اور تبدیلی قصداً ہو یا سہواً، یا غلطی کی وجہ سے، یا جہالت کی وجہ سے، یہ تمام چیزیں ہمارے نزدیک سہو کاتب میں شامل ہیں یا اس طرح کے اور امور ہوں گے جن کا آپ کو علم ہے۔

مولانا کیرانوی نے پہلی شرط میں دستخطی تحریر دینے کی بات کہی ہے یہ تو تمام باتیں جلسہ عام میں حاضرین کے سامنے ہو چکی ہیں، لوگوں نے اپنے کانوں سے سنی ہیں اور اپنی آنکھوں سے سارے مناظر دیکھے ہیں اور خود پادری صاحبان کو بھی اچھی طرح یاد ہوگا، مذکورہ باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں جس کے بارے میں شک وشبہہ کا اظہار کیا جائے، اس لئے دیانتداری کا تقاضا ہے کہ پادری فنڈر اور پادری فرنچ کو بلا تردد اس تحریر پر دستخط کر دینا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی غلط بات نہیں لیکن دل کہتا ہے کہ وہ اس تحریر پر کسی قیمت پر دستخط کرنے کیلئے تیار نہ ہوں گے کیونکہ یہ ان کے دعویٰ ہمہ دانی اور ان کی عزت وشہرت کے قتل کا محضر نامہ ہے اور اپنے قتل کے محضر نامہ پر کوئی کیسے دستخط کر سکتا ہے، مولانا کیرانوی کا یہ مطالبہ حق وانصاف کی رُو سے صحیح بھی ہے اور

اصولی بھی اور حالات کے لحاظ سے ضروری بھی تھا کہ مغرور پادریوں سے اس طرح کی تحریر ضرور لی جائے، اس کے بعد مولانا کیرانوی نے اپنی دوسری شرط تحریر فرمائی۔

دوسری شرط ہماری یہ ہے کہ ہماری گفتگو شروع سے عہد قدیم اور عہد جدید دونوں پر رہی نہ کہ صرف عہد جدید پر، اسی وجہ سے ہر جلسہ میں متعدد بار دونوں فریق کی زبانوں پر یہ بات آئی اور یہی بات مناظرہ سے قبل والے خطوط میں طے ہوئی تھی، مطلق نسخ وتحریف موضوع مناظرہ تھا نہ کہ صرف عہد جدید کے نسخ وتحریف کی بات تھی، اس لئے عہد جدید کو خاص کرنے کی بات اختتام جلسہ تک آپ لوگوں کی زبانوں پر نہیں آئی اور نہ آئندہ آنی چاہئے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جب کوئی سائل یا مجیب بول رہا ہو اور اپنی بات کر رہا ہو تو اس کے دوران تقریر "نہیں، نہیں" کے الفاظ ہرگز نہ کہے جائیں، یہ تو حکام کا طریقہ ہے، اصول مناظرہ کے بالکل خلاف ہے، ہماری جانب سے تو انشاء اللہ اصول مناظرہ اور آداب مجلس کے خلاف کوئی بات ظاہر نہیں ہوگی، ہر فریق کیلئے لازمی ہے کہ سوال کرنے والے یا جواب دینے والے کی بات مکمل سنے اور جب وہ اپنی بات پوری کر لے اس کے بعد ہاں اور نہیں کہنے کا اختیار ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ نبوت محمدی اور قرآن کے برحق ہونے کے مسئلہ پر مباحثہ اُلوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلہ پر گفتگو اور مباحثہ ہونے کے بعد ہوگا، جب تک پہلے دونوں مسئلوں پر گفتگو چل رہی ہو رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں ایسے الفاظ ہرگز نہ کہے جائیں کہ سننے والوں کو گراں گزریں، اردو محاورہ کے لحاظ سے ناقابل برداشت ہوں، ہاں آپ کو اختیار

ہے کہ آپ حضور ﷺ کی رسالت سے انکار کریں اور قرآن کو برحق نہ مانیں ،آپ ان پر اعتراض کر سکتے ہیں اور ہم ان باتوں کا جواب دیں گے، مجھے امید ہے کہ آپ میری ان شرطوں کو منظور فرمائیں گے۔

آپ کسی پر پابندی نہیں لگا سکتے: مولانا کیرانوی نے ان چاروں شرطوں کے لکھنے کے بعد پادری فنڈر کو اس بات کا جواب دیا جو اس نے ڈاکٹر وزیر خاں کی جوابی تقریر کے سلسلہ میں لکھا تھا اور ان کو پابند کیا تھا کہ وہ صرف ایک خاص مسئلہ پر تقریر کریں گے،آپ نے لکھا کہ آپ کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خاں پر پابندی لگانے پر مجھے حیرت ہے، اس حیرت کے کئی اسباب ہیں، اولاً تو اس لئے کہ ہماری ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ ہم توریت وانجیل کے بارے میں یہ ثابت کریں کہ ان کے مکمل طور پر کلام الٰہی ہونے میں شک ہے ان میں انسانی کلام داخل کر دیا گیا ہے اور خدا کے فضل سے ہم نے اس کو ثابت بھی کر دیا ہے اور آپ نے مجمع عام میں تسلیم بھی کرلیا ہے کہ ان میں تحریفات ہوئی ہیں، پہلے جلسہ میں بھی آپ نے اعتراف کیا ہے اور دوسرے جلسہ میں سہو کاتب مان کر اس کا اعتراف کیا ہے جو ہمارے نزدیک تحریف میں شامل ہے، تحریف ہی کو آپ نے اپنی وضاحت میں سہو کاتب کہا ہے، اس طرح آپ نے ہمارے دعویٰ کو مکمل تسلیم کرلیا ہے اب ہمارے اور آپ کے درمیان صرف نزاع لفظی رہ گئی ہے کہ آپ اس کو سہو کاتب کہتے ہیں اور ہم اس کو تحریف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مگر بات ایک ہی ہے، پھر اس کے بعد بیشمار جگہوں پر آپ نے تحریفات کا کھلے لفظوں میں اقرار کرلیا ہے،اب آپ لوگ اس کو کہتے ہیں کہ متن میں تحریف نہیں ہوئی ہے جس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مذہبی تعلیمات واحکام تثلیث اور مسیح کے کفارہ ہونے پر اس تحریف سے کوئی اثر نہیں پڑا ہے، اس کو ثابت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مناظرہ سے قبل والے خط میں آپ لکھ چکے ہیں کہ نسخ اور تحریف اور تثلیث کے مسئلوں میں اہل اسلام کی حیثیت معترض کی ہوگی اور آپ کی حیثیت مجیب کی ہوگی، اس لئے کتب مقدسہ میں عدم تحریف کو ثابت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے ہم اس ذمہ داری سے قطعاً بری ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر وزیر خاں پادری فرنچ کے طومار کا جواب دینا چاہتے ہیں اور ان کو یہی شکایت تھی کہ ان کو جواب کا موقعہ نہیں دیا گیا تو ان کی شکایت دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان کو ان کی صوابدید کے مطابق جواب دینے کا موقعہ دیا جائے اسی لئے مجلس مناظرہ منعقد کی جارہی ہے پھر آپ نے اپنے خط میں ڈاکٹر وزیر خاں سے ایک دوسرے موضوع پر کلام کرنے کا کیوں مطالبہ کیا ہے؟ یہ غیر مناسب بات ہے، ہاں جب وہ پادری فرنچ کے جواب سے فارغ ہو جائیں تو دوسرے امور میں جو ہر فریق کی الگ الگ ذمہ داری ہے اپنی ذمہ داری کے مطابق آپ کی باتوں کا جواب دیں گے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر وزیر خاں سے اور کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے کی پابندی عائد کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، پھر خط کے آخر میں آپ نے لکھا کہ:

> آپ نے کتاب صفحہ ۶۰ کی طرف مجھے توجہ دلانے پر عذر بیان کیا ہے، مجھے اس سے خوشی ہوئی اور میرا دل صاف ہو گیا چونکہ پہلے میرا غالب گمان یہی تھا کہ آپ نے مجھے قلبی اذیت پہونچانے کی نیت سے صفحہ ۶۰ کا حوالہ دیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے نقل کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی کتاب دیکھ کر آپ نے میری تصدیق کردی۔

نیا جال لایا پرانا شکاری: مولانا کیرانوی کا خط پڑھ کر پادری فنڈر چوکنا ہو گیا، اس نے سمجھ لیا کہ مجھ سے میری شکست کے دستاویز پر دستخط کرانے کی یہ کوشش

ہے، حالانکہ مولانا کیرانوی نے جو کچھ بھی لکھا تھا وہ سب کچھ علیٰ رؤس الاشھاد ہو چکا تھا، اس پر کوئی اضافہ نہیں تھا لیکن پادری فنڈر اس تحریر پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا، اس نے مناظرہ کی روداد میں اپنی طرف سے کچھ جھوٹ کی آمیزش کر کے اس کو حقیقت کے خلاف بنا دیا اور مولانا کیرانوی کو لکھا کہ آپ میری تحریر کے مطابق کاغذ تیار کریں گے تب میں اس پر دستخط کر سکتا ہوں ورنہ نہیں جبکہ اس نے وہ باتیں لکھیں جو مناظرہ میں نہیں ہوئی تھیں، اس نے مجمع عام میں جن باتوں کا اعتراف کیا تھا تمام حاضرین نے سنا تھا اب اپنے اعتراف کو ہلکا کرنے کیلئے اپنی طرف سے کچھ نئی باتوں کو شامل کر کے اس کو خلاف حقیقت بنا دیا تھا، اس طرح اس نے پہلی شرط کو ماننے سے انکار کر دیا اور پھر تیسری شرط بھی اس کی حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی، اس سے بھی اس نے انکار کر دیا، اپنے خط میں اسی فریب کاری سے اس نے کام لیا تھا، اس نے ۲۸ر اپریل ۱۸۵۴ء کو مولانا کیرانوی کے نام خط لکھا۔

آئندہ مناظرہ اسی قاعدہ اور ترتیب سے ہوگا جس کو فریقین پہلے سے طے کر لیں، آپ نے اپنے خط میں جو پہلی شرط لکھی ہے کہ ہر ایک کا بیان نقل کیا جائے اور ہر فریق اپنے بیان پر دستخط کرے اگر چہ یہ طول عمل ہے مگر میں اور پادری فرنچ اس پر راضی ہیں کہ گزشتہ جلسوں کی کارروائی جس مرحلہ پر ختم ہوئی اس میں یہ ہوا تھا کہ ہم نے توریت کے مسائل فروعیہ میں نسخ کا اعتراف کیا تھا اصول ایمانیہ میں نسخ کا اعتراف نہیں کیا تھا اور فروع کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ ظہور مسیح کے بعد وہ ختم ہو گئیں، انجیل کے سلسلہ میں کہا تھا کہ وہ نہ منسوخ ہوئی نہ منسوخ ہو سکتی ہے کیوں کہ انجیل کیلئے قول مسیح موجود ہے یعنی انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳ میں یہ قول موجود ہے۔

پھر تحریف کے سلسلہ میں ہمارا جواب تھا یہ تحریف اور تبدیلی سہو کاتب کی

وجہ سے ہے جو نقطوں، حرفوں اور لفظوں میں واقع ہوئی ہے اور کچھ آیات میں بھی، ہمارے علماء نے تمام قدیم نسخوں سے ان غلطیوں کو نکال دیا ہے، غلطیاں تیس ہزار کے قریب تھیں، یہ غلطیاں ساڑھے چھ سو نسخوں میں تھیں، بعض میں کم غلطیاں تھیں اور بعض میں زیادہ، اب چند الفاظ اور چند آیتیں مشکوک اور مشتبہ رہ گئی ہیں پھر ہم نے ان علماء کی شہادتیں پیش کیں جنھوں نے تصحیح میں اپنی عمریں صرف کردیں اور ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ کاتبوں کے سہو سے اصل متن انجیل میں کوئی فرق نہیں پڑا یعنی مطلب اصلی اپنے اصل پر رہا تمام تعلیمات اور انجیل کے احکام وہی ہیں جو پہلے تھے۔

اس کی صداقت ہمارے علماء کی شہادتوں کے علاوہ متداول انجیلوں اور محمد (ﷺ) کے زمانہ کی انجیل سے مقابلہ کرکے معلوم کی جاسکتی ہے، ہمارے ان دلائل کے بعد آپ لوگوں نے کہا کہ ان تحریفات سے مضمون میں فرق پڑسکتا ہے تو میں نے آپ سے انجیل طلب کی اور کہا کہ ایسی کوئی مشہور انجیل نکالئے جو زمانہ گزشتہ میں مروج رہی ہو اور اس سے ثابت کیجئے کہ اس میں جو تعلیمات اور احکام ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں جو موجودہ انجیلوں میں ہیں لیکن آپ لوگوں نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں دی، میں نے اسی وجہ سے کہا تھا کہ آپ کے پاس صرف زبانی دعویٰ ہے کوئی دلیل نہیں، دوسرا جلسہ اسی بحث پر ختم ہوگیا تھا، اگر آپ لوگ یہی مضمون لکھ کر میرے پاس بھیج دیں گے تو میں بھی اس پر دستخط کروں گا اور پادری فرنچ بھی دستخط کردیں گے۔

غلط بیانی اور پردہ پوشی: پادری فنڈر نے مناظرہ کے ایک ہفتہ بعد اپنے کمرے میں بیٹھ کر یہ روداد گڑھی ہے جس کا حقیقت سے بہت کم تعلق ہے، دوران

مناظرہ اس نے کئی بار مجمع عام میں اقرار کیا تھا کہ توریت منسوخ ہوچکی ہے، تمام حاضرین نے اس کو سنا اس میں کوئی تفصیل نہیں تھی اب اس کے برعکس لکھتا ہے کہ ہم نے فروع میں تحریف تسلیم کی تھی، تعلیمات واحکام میں تحریف تسلیم نہیں کی تھی اور جن فروع میں ہم نے تحریف تسلیم کی تھی ظہور مسیح کے بعد وہ ازخود کالعدم ہوگئیں، یہ سارے نکتے اس کو دوران مناظرہ نہیں سوجھے تھے اور ایک ہفتہ بعد جب مناظرہ کی بدحواسی کا دورہ ختم ہوا تو احساس ہوا کہ ہم نے پہاڑ جیسی غلطیاں کی ہیں، پورے مذہب عیسوی کو داغدار بنا دیا ہے تو اس نے یہ فرضی روداد مرتب کر دی اور دونوں کے جلسہ کی کارروائی جو اپنے ذہن سے مرتب کی ہے اس کو صحیح اور سچی ثابت کرنے کیلئے کم ازکم اس واقعہ کو ضرور لکھنا چاہئے تھا جب مسلمانوں کے اظہار مسرت کو دیکھ کر مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی نے پادری فرنچ سے پوچھا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے اور کس بات پر خوشی کا اظہار کیا جارہا ہے تو پادری فرنچ نے انگریزی میں اس کو بتایا تھا کہ یہ لوگ انجیل سے سات آٹھ مقامات ایسے ڈھونڈھ کر لائے ہیں جہاں تحریف ہوئی ہے اور ہمارے علماء سلف نے اس کا اقرار کیا ہے، پادری فنڈر نے بھی اس کو تسلیم کرلیا ہے۔

اسی کے ساتھ پادری فنڈر کو یہ بھی لکھنا چاہئے تھا کہ پادری فرنچ نے اعلان کیا کہ پادری فنڈر صاحب بھی سات آٹھ مقامات پر تحریف کو تسلیم کرتے ہیں اور خود پادری فنڈر نے مجمع میں کہا تھا کہ ہاں ان مقامات میں تحریف ہوئی ہے پھر اسی جلسہ میں مفتی ریاض الدین صاحب نے اخباری رپورٹر سے بلند آواز میں کہا تھا کہ اس کو لکھ لیجئے کہ پادری صاحب انجیل میں سات آٹھ مقامات پر تحریف کو تسلیم کیا ہے اور کل اس کو اخبار میں چھاپ دیجئے اس پر خود پادری فنڈر نے کہا تھا ہاں ضرور لکھ لیجئے، کیا یہ سارے واقعات جھوٹے ہیں؟ اتنی دیر تک جلسہ گاہ میں جو ہنگامہ رہا سب کو وہ کیسے ہضم کر گیا، بس بات وہی ہے جو حدیث میں آئی اذا فاتک الحیاء فافعل

مـــاشـئـت بے حیاباش وہرچہ خواہی کن، سچی بات یہ ہے اب پادری فنڈر کا مستقبل خطروں میں گھرا ہوا تھا وہ ملمع سازی سے اپنی بدنامی کو چھپانا چاہتا ہے، ہر ممکن جھوٹ بول کر حکومت کو مطمئن کرنا چاہتا ہے کہ میں نے شکست نہیں کھائی ہے، مگر حکومت کے افسران جو جلسہ میں موجود تھے اس سے زیادہ ذہین تھے، اس کی ذلت آمیز شکست کی خبر لندن تک پہونچادی اور جب ذلت ورسوائی اپنی انتہا کو پہونچ گئی تو کچھ ہی عرصہ بعد پادری فنڈر راتوں رات ہندوستان سے فرار ہوگیا۔

میں نے اپنی غلطی تسلیم کرلی تھی: پادری فنڈر نے اپنے خط میں مولانا کیرانوی کی اس بات کا جواب دیا جوانھوں نے یہ لکھی تھی کہ ڈاکٹر وزیر خاں کو انجیل میں مزید تحریفات ثابت کرنے اور دلائل دینے کا کیوں پابند کیا جاتا ہے جبکہ ہم اس کو ثابت کر چکے ہیں ہمارا مقصد پورا ہوگیا وہ تو صرف پادری فرنچ کی تقریر کا جواب دینا چاہتے ہیں اس نے لکھا کہ آئندہ مجلس مناظرہ اسی شرط پر منعقد ہوگی کی جائے گی کہ ڈاکٹر وزیر خاں تحریفات پر اپنے دلائل پیش کریں ورنہ مجلس مناظرہ منعقد نہیں کی جائے گی ،فنڈر نے تیسری بات لکھی۔

> میں نے میزان الحق میں لکھا تھا کہ قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد انجیل منسوخ ہوگئی اس پر آپ نے لکھا تھا کہ یہ غلط ہے، میں نے اپنی غلطی تسلیم کرلی تھی اور کہا تھا کہ قرآن کی کسی آیت میں یہ بیان نہیں ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہے اور نہ تفسیروں میں دیکھا ہے بس مسلمانوں کے کہنے اور ان کی زبان سے سننے کی وجہ سے لکھ دیا تھا چونکہ مجھ کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا اسلئے میں نے اس کی وجہ نہیں پوچھی مگر حیرت کی بات ہے کہ جب قرآن اور تفسیروں کے خلاف ہے تو انجیل کے منسوخ ہونے کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں۔

پادری فنڈر نے یہ تاثر دینا چاہا کہ مسلمان اب جو دعویٰ کرتے ہیں وہ قرآن اور تفسیر کے خلاف ہے اس کو خبر نہیں کہ جس پر قرآن نازل ہوا وہی قرآن کا شارح بھی ہے وہی اس کے اسرار ورموز اور حقیقی مفہوم و مراد کو بھی صحیح طور پر سمجھتا ہے اگر رسول کہتا ہے کہ اللہ کی اس کتاب کے بعد اور پہلے کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں تو یہ دعویٰ قرآن کے خلاف کیسے ہوگیا، خدا نے جتنی کتابیں نازل فرمائیں وہ اپنے دور میں معمول بہ رہیں، یہ تو سلسلہ نبوت کی بنیادی حقیقت ہے بعد میں دوسرا نبی دوسرے احکام شریعت لے کر آتا ہے تو پہلے احکام منسوخ ہوجاتے ہیں اور نئے نبی کی شریعت پر عمل ضروری ہوجاتا ہے اگر قرآن کے نزول کے بعد انجیل پر عمل منسوخ ہوگیا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے، پھر اس نے مناظرہ کے جلسوں میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا آج تحریر میں کیسے لکھنے کی بات کررہا ہے؟

مولانا کیرانوی نے لکھا تھا کہ آئندہ مجلس مناظرہ میں توریت وانجیل حسب معمول دونوں پر گفتگو رہے گی جیسا کہ پہلے سے طے شدہ ہے، اس کے جواب میں لکھتا ہے:

> بندہ آپ کی دوسری شرط قبول کرتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ پہلے ان دو باتوں میں سے ایک بات کو دلیل سے ثابت کرلیں کہ یا تو قول مسیح معتبر نہیں ہے یا ان آیتوں کو ثابت کریں جن کا میں نے حوالہ دیا ہے جیسے انجیل یوحنا کے پانچویں باب کی آیت نمبر ۳۹، اور آیت نمبر ۲۵ سے ۲۷ تک کی آیتیں، انجیل لوقا کے چوتھے باب کی آیت نمبر ۴۴، اور آیت نمبر ۴۵ قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ بعد میں انجیل میں ملحق کردی گئی ہیں، جبتک یہ مرحلہ تمام نہیں ہوتا ہے تب تک کتب عہد عتیق کے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں کروں گا، نہ آپ سے نہ کسی دوسرے مسلمان سے۔

چوتھی شرط مولانا کیرانوی نے لکھی تھی کہ اُلوہیت مسیح اور تثلیث پر جب تک بحث ختم نہ ہو جائے نبوت محمدی اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی اور نہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے بارے میں ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کریں گے جو سامعین کے دل و دماغ پر گراں گزریں، اس سلسلہ میں وہ لکھتا ہے:

حیرت ہے کہ آپ اب اس کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ آپ کو خوب جانتے ہیں کہ ہم نہ قرآن کو حق مانتے ہیں اور نہ محمد کی نبوت کو مانتے ہیں، پھر ہم مسلمانوں کی طرح ''حضرت محمد ﷺ'' یا ''محمد خیر البشر ﷺ'' اور قرآن کو ''قرآن شریف'' کیسے کہہ سکتے ہیں، ہم قصداً نہ مذمت کریں گے نہ طعن کریں گے البتہ اپنے موقعہ و محل پر ضرور کہیں گے کہ قرآن حق نہیں ہے، محمد اللہ کے رسول نہیں ہیں، یہ الفاظ بھی آپ کو ایذاء پہونچانے کی نیت سے نہیں کہیں گے بلکہ صرف اسلئے کہ ہمارے عقیدے میں یہی حق ہے کیون کہ ہم مسیحی ہیں۔

سراسر فریب اور جھوٹ: پادری فنڈر نے اپنے خط میں مولانا کیرانوی کی باتوں کے جواب میں جتنی لمبی چوڑی باتیں لکھی ہیں وہ سب خانہ ساز اور اس کے دماغ کی گڑھی ہوئی ہیں کیونکہ مناظرہ میں جب جب ناقابل تردید دلائل اس کو دیئے گئے اور وہ اس کے جواب سے عاجز رہ گیا تو بسا اوقات تو ایک دم خاموش ہوگیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا اور بعض اوقات جب مجبور کردیا گیا تو صرف یہ کہا کہ ہاں یہاں غلطی ہے یا کہا کہ ہم اس غلطی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن خط میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے اس نے مولانا کیرانوی کی ساری باتوں کو دلائل سے رد کردیا ہے، یہ سب سراسر فریب اور خلاف حقیقت بیان ہے۔

عنقا شکار کس نہ شود، دام باز چیں: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر

کے اس خط کا جواب دیا مگر پہلے انھوں نے بہت باریک بینی سے اس کو پڑھا اور سمجھا کہ بہت سے مقامات پر اس نے مبہم باتیں لکھ کر دھوکہ دیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ آئندہ کسی فریب سے کام لے اور بہانہ بنائے کہ ہم نے پہلے ہی خط میں لکھ دیا تھا، اس لئے آپ نے اس کے تمام جملوں کی اس سے وضاحت طلب کی جو مجمل تھے اور بوقت ضرورت اس کے مفہوم و معانی بدلے جاسکتے ہیں، آپ نے ۱۹/اپریل ۱۸۵۴ء کو ایک تفصیلی خط لکھا، آپ نے ابتدا ہی میں لکھ دیا کہ آپ کا خط اتنا مجمل و مبہم ہے کہ مستقبل میں اس سے غلط فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر اس طرح کا ہی خط لکھنا ہے تو آپ مجھے خط نہ لکھا کریں، دسیوں مقامات وضاحت طلب ہیں اگر ان کی وضاحت نہیں کی تو آئندہ خط و کتابت بند:

آپ نے لکھا ہے کہ مناظرہ اسی قاعدہ اور ترتیب سے ہوگا جس پر طرفین پہلے سے رضامند ہوں، معلوم نہیں پہلے سے راضی ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ ہماری اور آپ کی خط و کتابت سے قبل از مناظرہ جو طے ہوا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور مراد ہے اگر پہلی بات ہے جیسا کہ میرا غالب گمان ہے تو اس وقت تو طے ہی ہو چکا ہے کہ مطلق نسخ اور مطلق تحریف پر گفتگو توریت وانجیل دونوں پر، صرف انجیل کے نسخ اور تحریف پر نہیں، دونوں جلسوں میں باربار یہ بات آچکی ہے، پھر آپ نے صرف انجیل ہی تک محدود کیوں کیا ہے، اور اگر دوسری کوئی بات ہے تو وہ مبہم ہے اور مبہم بات پر رضامندی کے کوئی معنیٰ نہیں، صاف صاف لکھئے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہم نے توریت میں نسخ اس معنیٰ میں تسلیم کیا ہے کہ فروع میں ہے اصول ایمانیہ میں نسخ نہیں، آپ خوب جانتے ہیں کہ مناظرہ میں بحث مسلمانوں کی اصطلاح کے مطابق نسخ کی بات تھی اور اسی اعتبار

سے آپ نے نسخ کا اعتراف کیا ہے اور کہا تھا کہ ہاں تورات کے احکام میں نسخ ہوا ہے، میں نے خط میں یہی بات وضاحت سے لکھی تھی اب اس میں اتنی تفصیل کہاں سے آگئی؟ یہ بھی بتایئے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ اصول ایمانیہ میں نسخ نہیں ہوا، تو کیا توریت میں اس احکام کے علاوہ بھی حکم ہے اگر آپ کے نزدیک ہے تو اس کی تفصیل بتایئے۔

آپ نے لکھا کہ تحریف وتبدیلی لفظوں، حرفوں، نقطوں اور بعض آیات میں سہو کاتب وغیرہ کی وجہ سے ہوئی ہے، ''وغیرہ'' کا عطف سہو کاتب پر ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اور دوسرے طریقوں سے بھی تحریف ہوئی ہے تبھی تو آپ نے ''وغیرہ'' کا لفظ لکھا ہے سہواً کے ساتھ قصداً بھی تحریف اس میں شامل ہے، یعنی دانستہ جان بوجھ کر ردوبدل کیا گیا ہے، آپ نے دوسرے جلسہ میں اقرار بھی کیا ہے، کچھ بدنیتوں نے بھی تحریف کی ہے اور کچھ مخلص عیسائیوں نے بھی نیک نیتی سے تحریف کی ہے، اگر آپ کی یہی مراد ہے تو صاف صاف لکھ دیجئے۔

آپ نے لکھا کہ بعض آیات میں بھی تحریف ہوئی ہے کیا وہ آیتیں ان سات آٹھ آیتوں کے علاوہ ہیں جن میں آپ نے مناظرہ میں تحریف کا اقرار کیا ہے؟ یا اس کے علاوہ ہیں؟ اس کی وضاحت کیجئے اگر زائد ہیں تو ان آیتوں کی نشاندہی کیجئے کہ فلاں فلاں آیتوں میں تحریف ہوئی ہے تاکہ ہمیں آپ کے انتخاب کا علم حاصل ہو، آئندہ ہونے والے مناظرہ سے فراغت کے بعد ہم ان آیتوں کو پیش کریں گے جو سات آٹھ آیتوں کے علاوہ ہیں جن میں اور بھی تحریف ہوئی ہے اور اگر آپ کی مراد دوسری آیتوں سے پچاس ساٹھ آیتیں ہیں تو اس کی صراحت کیجئے اگر تمام آیتوں کی

نشاندہی دشوار ہوتو ان آیتوں کی تفصیل دیدیجئے۔

آپ نے لکھا کہ ہمارے علماء نے تمام غلطیوں کو نکال دیا ہے جن کی تعداد تیس ہزار تھی اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا تمام تصحیح کرنے والے مشہور علماء جو تصحیح کا کام کررہے تھے انھوں نے اٹھارہویں صدی تک اتنی مقدار میں غلطیوں کو درست کیا ہے؟ یا چند تصحیح کرنے والوں نے ہی کسی وقت ان غلطیوں کو نکالا ہے؟

آپ نے لکھا ہے کہ ساڑھے چھ سو نسخوں سے غلطیاں نکالی گئیں، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا جتنے نسخوں کا مقابلہ کیا گیا ان نسخوں کی تعداد ساڑھے چھ سو تھی؟ یا اتنے نسخوں کا کسی کسی وقت مقابلہ کرکے غلطیاں درست کی گئیں، نسخوں کا مقابلہ کرنے والوں اور غلطیوں کو نکالنے والوں میں سے کچھ علماء کی نشاندہی کردیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ غلطیوں کو نکالنے کے بعد اب تھوڑے سے الفاظ اور چند آیتیں مشتبہ رہ گئی ہیں جب تیس ہزار غلطیاں تھیں تو اکثر کی تصحیح ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نصف سے زیادہ اغلاط درست کردی گئیں، اس کے مقابلہ میں جب آپ کہیں گے کہ زیادہ کی اصلاح ہوگئی کم کی باقی ہے یعنی نصف سے کم تعداد کی اصلاح باقی ہے تو الفاظ قلیلہ سے یہاں آپ کی کیا مراد ہے یعنی دس بارہ ہزار یا پانچ سات ہزار یا سو دوسو یا دس بیس کچھ تو آپ کو اندازہ بتانا چاہئے تھا، بات مبہم آپ نے چھوڑ دی اسی طرح آپ نے کچھ آیتوں کو بتایا ہے کہ مشتبہ رہ گئی ہیں تو آپ کی اس سے مراد کیا ہے؟ پچیس پچاس آیتیں یا دس بیس آیتیں کچھ تو بتائیے۔

آپ نے لکھا ہے کہ انجیل کی تمام تعلیمات اور احکام تحریف سے محفوظ

ہیں، کیا اس سے آپ کی مراد کچھ تعلیمات اور کچھ احکام میں تحریف نہیں ہوئی اگر تحریف ہو بھی گئی تو مطلب اصلی میں کوئی تغیر نہیں ہوا اگر یہ مراد ہے تو اس کی وضاحت ضروری ہے۔

آپ بار بار کہتے ہیں کہ متن میں تحریف نہیں ہوئی ،آپ اس کی تفسیر مطلب اصلی کے لفظ سے کرتے ہیں جبکہ یہ اصطلاح آپ کے علاوہ کسی سے نہیں سنی گئی، یہ آپ کی خانہ ساز ہے اسلئے اس کی پوری اور مکمل وضاحت ضروری ہے۔

آپ لکھا ہے کہ تحریف کا علم اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے پیغمبر کے زمانے میں یا اس سے پہلے جو انجیلیں لکھی گئی تھیں ان سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے ،تو کیا اس کا ثبوت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے قبل لکھی گئیں اور آج تک وہ موجود ہیں کہ ان کا تقابل کیا جائے، کیا آپ کی تحریر کا یہی مقصد ہے یا کوئی دوسرا مطلب ہے؟ اگر پہلا مطلب ہے جیسا کہ آپ نے میزان الحق میں لکھا ہے تو ہمارا سوال ہے کہ کیا آپ کے جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ انجیلیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے قبل لکھی گئیں؟ یا بعض لوگوں کا خیال ہے؟ یا صرف آپ کی رائے ہے؟ پھر یہ بھی سوال ہے کہ کیا یہ یقینی ہے؟ اگر آپ کو یقینی طور اس کا علم ہے تو اس کی دلیل دیجئے ،اور اس کی سند بیان کیجئے ، ہمارے پاس جو اسناد کی کتابیں ہیں ان میں ہماری تلاش کے باوجود ان کی سند نہیں جو قابل اعتماد ہو یا یہ بات محض ظن غالب کی بنیاد پر آپ کہتے ہیں؟

آپ نے لکھا ہے کہ تحریف متن یعنی مطلب اصلی میں تحریف اور اسی طرح بعض آیات جن کو آپ لوگ دلیل میں پیش کرتے ہیں ان کا ثبوت

اس بات پر منحصر ہے کہ کوئی قدیم نسخہ دریافت کیا جائے اور اس سے موجودہ انجیلوں کا مقابلہ کیا جائے تبھی تحریف ثابت ہوسکتی ہے ورنہ نہیں، یا کسی دوسرے طریقے سے بھی تحریف ثابت کی جاسکتی ہے؟ اگر ثابت کی جاسکتی ہے تو اس کو صراحت سے بیان کیا جائے اور لکھئے کہ اگر دوسرے طریقے سے بھی تحریف ثابت کریں گے تو ہم تسلیم کریں گے۔ آپ اپنے خط میں ان باتوں کے بارے میں وضاحت سے لکھئے تب میں آپ کے خط کا جواب لکھوں گا مگر پہلے یہ وضاحتیں ضروری ہیں، مہربانی کرکے اپنے ان علماء کے نام لکھئے جنھوں نے انجیل کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے جو آپ لوگوں کے نزدیک معتبر بھی ہوں، ان کا نام، ان کا زمانہ بھی لکھئے، یہ بھی بتایئے کہ کتنے اور کون کون عہد عتیق کی تصحیح کرنے والے ہیں اور کتنے اور کون کون عہد جدید کی تصحیح کرنے والے ہیں۔

پادری فنڈر نے جواب دیا: پادری فنڈر نے ۲۱/ اپریل ۱۸۵۴ء کو مولانا کیرانوی کے خط کا جواب دیا اس میں اس نے لکھا کہ آپ نے اتنے سوالات کئے ہیں کہ ان کے جواب کیلئے تو پوری ایک کتاب کی ضرورت ہے ایک خط میں کیسے آسکتے ہیں؟ اور پھر آپ کی باتوں کا جواب بھی ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بعض سوالات وہ ہیں جن کے جوابات ہم نے مجلس مناظرہ میں دیدیئے ہیں اور بعض مسائل وہ ہیں جن پر آئندہ منعقد ہونے والی مجلس مناظرہ میں مباحثہ ہوگا، اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

میں نے بہت وضاحت سے لکھ دیا ہے کہ مناظرہ کس منزل پر ختم ہوا، میرے اور پادری فرنچ کے حکم کے مطابق بات یہاں تک پہونچی تھی کہ آپ اس دعویٰ کو ثابت کریں کہ انجیل کے مضمون میں تحریف ہوئی ہے، میں نے

یہ بھی لکھ دیا تھا کہ صرف اسی مسئلہ پر آئندہ جلسہ میں گفتگو ہوسکتی ہے اور کسی دوسرے مسئلہ پر مباحثہ نہیں ہوگا لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور بہت سے سوالات پیش کر دیئے، آپ لکھیں کہ کیا ہماری شرط آپ کو منظور ہے؟ یا نہیں؟ اگر آپ ہماری شرط مان لیتے ہیں تب تو دوبارہ مناظرہ ہوسکتا ہے اور صرف اسی مسئلہ پر آپ دلائل دیں گے، آپ کے جواب کے بعد ہم غور کر کے آپ کو جواب دیں گے اور آپ کے سوالات کے جوابات مباحثہ سے قبل مجھے دینے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی اور اگر میری شرط منظور نہیں تو سمجھ لیجئے مناظرہ ختم، مجلس مناظرہ نہیں منعقد کی جائے گی، میں پہلے خط میں بھی یہ بات لکھ چکا ہوں۔

تابوت کی آخری کیل: مولانا کیرانوی نے پادری فنڈر کو نہایت برہمی کی حالت میں آخری خط ۲۲ /اپریل ۱۸۵۴ء کو لکھا، آپ سمجھ چکے تھے کہ شکار بدک چکا ہے اب جال میں پھنسنے والا نہیں، اس کو کھری کھری سنا دینا ہی وقت کا تقاضا ہے آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ اس کی پشت پر ایک ظالم حکومت کی طاقت ہے ایک کامل الایمان مردِ مجاہد کا جو فرض ہوتا ہے وہ انھوں نے ادا کیا اور شرعی رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل ہی آپ کی شایانِ شان تھا، آپ نے اس کو لکھا:

آپ کا خط پڑھ کر نہایت حیرت ہوئی، بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ بلاوجہ کے بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ آئندہ مناظرہ نہ ہونے پائے، ایک طرف آپ کتب مقدسہ میں جعلسازی مانتے ہیں اور مجمع عام میں اقبال جرم بھی کرتے ہیں ایک دو جگہ نہیں آٹھ جگہ کتر بیونت کو کھلے عام مانتے ہیں پھر خواہ مخواہ کہنے والے کی بھول چوک کہتے ہیں، جب ہم نے انگلی رکھ کر آپ کو یہ تحریف و تبدیلی اور جعلسازی آپ کو دکھا دی تو پھر

کس منہ سے کہتے ہیں کہ مضمون اصلی میں تحریف نہیں ہوئی، آپ اس میں تحریف ثابت کریں، یہ بھی کوئی انصاف ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا کہ جس دستاویز میں آٹھ جگہ جعلسازی ثابت ہو چکی ہو اور دستاویز پیش کرنے والا اس کو تسلیم کرتا ہو کہ ہاں جعلسازی ہوئی ہے ایک جگہ نہیں آٹھ جگہ ہیر پھیر کیا گیا ہے، وہی جعلی دستاویز پیش کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ یہ صحیح ہے اور اس کے مقصد اصلی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا، کیا کوئی عقلمند آدمی اس کے دھوکے میں آسکتا ہے؟ اگر مقصد اصلی ساری دنیا کو فریب ہی دینا ہے تو یقیناً آپ کے مقصد اصلی میں کوئی فرق نہیں پڑا، ظاہر ہے کہ یہ بڑی ہٹ دھرمی ہے، بے حیائی ہے، کوئی آدمی اس طرح کی جعلی دستاویز انھیں انگریزوں کی عدالت میں پیش کر کے معلوم کرے کہ اس کو کتنے برس کی سزا ہوتی ہے اور جعلسازی اور فریب دہی کا انجام کتنا تلخ ہوتا ہے، لیکن حکومت کے غرور میں سب کچھ ہو رہا ہے، مولانا کیرانوی نے مزید تحریر فرمایا کہ مقصد اصلی پر حرف نہیں آیا یہ دعویٰ آپ کا ہے تو آپ خود اس کو ثابت کیجئے، یہ کیا بات ہوئی کہ دعویٰ تو آپ کریں اور ثابت ہم کریں، **البینة علی المدعی** ،آپ کے الفاظ ہیں:

> یہ پہلے سے طے شدہ ہے کہ ہم معترض ہوں گے اور آپ مجیب، ہم نے تحریف ثابت کردی اب آپ کا دعویٰ ہے کہ مقصد اصلی میں تحریف نہیں ہوئی تو آپ اس کو دلیل سے ثابت کیجئے، ہم کو کتب مقدسہ میں تحریف اور جعلسازی ثابت کرنی تھی ہم اپنی ذمہ داری پوری کر چکے اب صرف آپ کی ذمہ داری باقی ہے، آپ اس کو کیوں نہیں ادا کرتے۔

اس مطالبہ کے بعد مولانا کیرانوی نے اپنے دعوئے تحریف کو مزید مضبوط اور مستحکم کرنے کیلئے کچھ اور شواہد پیش کرتے ہوئے خط میں تحریر فرمایا:

کتب مقدسہ کا مشکوک ہونا تو طے ہے، آپ بھی مانتے ہیں اور آپ کے بڑے بڑے علماء بھی مانتے ہیں ، آپ کے ممتاز ترین اہل علم نے کتب مقدسہ کے اکثر مجموعوں کو مشکوک ومشتبہ کہا ہے چند جملوں اور فقروں کے مشکوک ومشتبہ ہونے کی بات نہیں بلکہ پوری پوری کتاب ہی کو مشکوک کہا ہے، اکثر عیسائی علماء نے پطرس کے دوسرے رسالہ، اور رسالہ یعقوب، رسالہ یہوذا، یوحنا کے دوسرے اور تیسرے رسالہ کو اور مشاہدات یوحنا کے بارے صاف اعتراف کیا ہے کہ یہ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، ہم نے اپنی کتاب ''اعجاز عیسوی'' میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

اگر ان کتابوں کی سند متصل موجود ہوتی تو یہ عیسائی علماء کیوں اس سے انکار کرتے ، حد تو یہ ہے کہ متیٰ کی انجیل جو انجیلوں میں اول انجیل مانی جاتی ہے اس کی خود سند متصل موجود نہیں ہے یہ عبرانی زبان میں تھی اور آج روئے زمین پر یہ عبرانی نسخہ نہیں پایا جاتا صرف اس کا ترجمہ پایا جاتا ہے اور اس یونانی ترجمہ کا حال یہ ہے کہ نہ اس کے مصنف کا پتہ ہے اور نہ مصنف کے بارے میں کوئی علم ہے کہ وہ کون آدمی تھا؟

مولانا کیرانوی نے مذکورہ بالا حقائق کی شہادت میں مسیحی علماء کی ایک پوری فہرست پیش کردی ہے اور بتایا ہے کہ یہ سب کے سب مذکورہ بالا صداقت کو قبول کرتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''جیسا کہ مندرجہ ذیل مسیحی علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، بلومن، مل ، ہاورڈ، آورن ، میکن مل ، ای کلارک ، کروتمیں ، کابن ، والٹن ، تاملائن ، کیوہیمند ، سائمن، تلیمنٹ ، بری ٹیس ، دیوین ، کاستھ ، میکا ٹیلس ، اری ٹین، اوریجن سرل ، وائی نائیس ، کربرستم ، جیروم ، کری نارین ، رون ، ریڈجسو، تھیو،

تلکت ، یوتھی مین ، بی بیس ، یوسی بیس ، اتھانی ، شیشن ، اگستائن ، اسی دور ، وغیرھم علماء متقدمین ومتاخرین میں سے ہیں جن کا ذکر لارڈ مزار درو الٹن نے اپنی کتابوں میں کیا ہے ، ایسی صورت میں ہم اس انجیل کو خدا کا کلام کیسے مان سکتے ہیں"

پادری فنڈر کی یہ پابندی کہ آپ کو صرف مطلب اصلی میں تحریف ثابت کرنا ہوگا اور کسی دوسرے مسئلہ پر آپ کوئی گفتگو نہیں کریں گے مولانا کیرانوی نے اس سے سختی کے ساتھ انکار لکھا تھا کہ خط وکتابت سے جو موضوعات طے ہو چکے ہیں ہم اس پر گفتگو کیلئے بالکل آزاد ہیں آپ کی طرف سے عائد یہ پابندی ہم کسی قیمت پر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ، یہ بالکل اصول مناظرہ کے خلاف بات ہے ، میں نے کئی خطوط میں اس سے دلائل کے ساتھ انکار کیا ہے پھر بھی آپ کی ضد ہے کہ صرف اسی سلسلہ میں دلائل دیئے جائیں ، ایسی بے جا پابندی کے قبول کرنے کو بہانہ بنا کر آپ نے مناظرہ سے انکار کر دیا اور صاف لکھ دیا ہے کہ ہم مجلس مناظرہ نہیں بلائیں گے ضد اور ہٹ دھرمی کا یہی عالم ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ میرا آخری خط ہے میں اس کے بعد آپ سے خط وکتابت نہیں کرنا چاہتا ، اور اب بھی آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھیں اور اگر روداد مناظرہ طبع کرائیں تو آپ کا اخلاقی فرض ہوگا کہ ان دو باتوں کا لحاظ کریں ، آپ نے لکھا:

پہلی بات یہ کہ جب آپ نے کتب مقدسہ میں نسخ تسلیم کرلیا ہے تو یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ لکھئے کہ ہم نے اہل اسلام کی اصطلاح کے مطابق نسخ کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ مناظرہ میں آپ نے اس کا اقرار کیا ہے ، دوسری بات یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی ہے اگر اس کی اشاعت بھی منظور ہے تو آپ اپنے خطوط کے ساتھ میرے تمام کو ترتیب سے شائع کریں ، چاہے وہ تقریری مناظرہ سے قبل کے ہوں یا بعد کے تا کہ

ناظرین سمجھ جائیں کہ غالب کون ہے اور مغلوب کون؟ کون شخص اصول مناظرہ کے مطابق کرتا تھا اور کون شخص اس کے خلاف ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا تھا۔

پادری فنڈر نے اپنے خط میں ایک غلط بیانی سے کام لیا تھا اور اپنی ہی بات میں تحریف کر کے بیان کیا تھا جس کا مفہوم بدل جاتا تھا آپ نے اس پر بھی گرفت کی، آپ نے لکھا کہ:

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ میں نے میزان الحق میں لکھا ہے کہ "قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد انجیل منسوخ ہوگئی" آپ نے یہاں بھی جان بوجھ کر تحریف کر دی اور غلط بیانی سے کام لیا ہے، آپ نے اپنی کتاب میزان الحق اُردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء ص: ۱۷ پر اس طرح لکھا ہے کہ "قرآن اور مفسرین اس باب میں دعویٰ کرتے ہیں کہ جیسے تورات زبور کے نزول سے منسوخ ہوگئی اور زبور انجیل کے نزول سے منسوخ ہوگئی، اسی انجیل قرآن کے نزول سے منسوخ ہوگئی ہے" پھر آپ نے اسی نسخہ کے ص: ۲۴ پر لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور انجیل تورات و زبور دونوں کی ناسخ ہے، میں ان دونوں عبارتوں کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ دونوں جگہ آپ نے جو لکھا ہے وہ غلط ہے قرآن میں کسی جگہ یہ نہیں لکھا ہوا ہے اور بلکہ تفسیروں اور دوسری اسلامی کتابوں میں اس کے برعکس کہا گیا ہے، اس سلسلہ میں میں نے تفسیر عزیزی اور تفسیر حسینی کی عبارتیں پڑھ کر سنائی تھیں، آپ کی تحریر میں کھلی ہوئی اور فاحش غلطی یہ کہنا کہ زبور ناسخ ہے تورات کی اور زبور سے انجیل منسوخ ہوگئی، یہ قرآن اور تفسیروں پر صریح بہتان اور

اتہام ہے۔

مناظرہ میں شکست کی جھنجلاہٹ میں پادری فنڈر نے جیسے طے کرر کھا تھا کہ ہر بات کوتوڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنادے لیکن مولانا کیرانوی کی باریک بینی کی وجہ سے اس کی ایک بنائی نہیں بنتی تھی، ہر جگہ آپ نے اس کے جھوٹ کو کھول کرر کھ دیا، غیرتمند شخص کیلئے یہ بڑی اہم بات ہے مگر شرط ہے کہ غیرت ہو، اس کے بعد پادری فنڈر نے ایک اور غیر متعلق سوال کر کے اس کے جواب کا مطالبہ کیا تھا جس کا جواب اس کی نگاہ میں بہت نازک تھا کیونکہ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اسلئے اس دانستہ طور پر سوال کیا کہ

آپ نے لکھا ہے کہ دو باتوں میں ایک کا ثابت کرنا ضروری ہے، بتایئے کہ قول مسیح معتبر ہے یا نہیں؟ تو سنئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے تو اس کا انکار انتہائی قبیح ہے لیکن اس کا ثابت کرنا انتہائی دشوار ہے اور آپ لوگوں کے بس سے باہر ہے کہ دلائل سے کسی قول کو قول مسیح ثابت کر دیں، آپ میری باتوں کا جواب دیں کہ جب ہمارا مناظرہ عہد قدیم اور عہد جدید دونوں پر تھا تو آپ نے ان دونوں کے تحریف سے محفوظ ہونے کی کیوں دلیل نہیں دی اور کیوں نہیں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ دونوں ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہیں اور کیوں نہیں ثابت کیا کہ یہ ہو بہو وہی تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اور یہ انجیل ہو بہو وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کی سند متصل آپ بیان کرتے، یہ سب تو کیا نہیں اور اُلٹے انھیں مشکوک و مشتبہ کتابوں کی آیتیں پڑھ پڑھ کر ہمارے خلاف حجت بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جب کتاب خود ہی مشتبہ اور مشکوک ہے تو اس کو کسی دلیل میں کیسے پیش کیا جا سکتا ہے اگر بالفرض مان

لیا جائے کہ یہ قول مسیح ہے تو اس سے زیادہ بس اتنا ہی ثابت ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک اس میں تحریف نہیں ہوئی لیکن اس کے بعد کے زمانہ میں تحریف سے انکار نہیں ہے اور یہی حقیقت بھی ہے۔ ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر جلد اول میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آگستائن ہمیشہ یہودیوں پر الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے تحریف کی ہے اسی وجہ سے ہمارے یہاں وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ دین مسیحی کے سخت دشمن ہیں، عام قدیم مسیحی علماء کی یہی رائے ہے، ہر ایک یہی کہتا تھا کہ یہودیوں نے یہ تحریف ۱۳۰ھ میں کی ہے، آگستائن اور جمہور علماء متقدمین کی اس رائے کے مطابق یہ تحریف دوسری صدی عیسوی میں ہوئی ہے، جس طرح بہت سے مقامات پر تحریف کی نشاندہی ہو چکی ہے اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی ممکن ہے کہ تحریف ہوئی ہو جس کا ابتک سراغ نہ لگا ہو، ایسی صورت حال میں شہادت مسیح سے آپ کا مدعا کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

چونکہ آپ نے مناظرہ کو مختلف بہانوں سے کام لے کر ٹال دیا ہے اس لئے دوسرے اقوال کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

(۱) المناظرۃ الکبریٰ، ڈاکٹر عبدالقادر حنبل ص:۲۶۹ تا ۳۰۵

باب (۱۴)

مناظرہ کی رودادیں

چونکہ مناظرہ انتہائی خوف وہراس کی فضا میں ہوا تھا اس لئے مناظرہ گاہ میں بہت کم لوگوں نے جانے کی ہمت کی تھی پہلے دن تو صرف پانچ سو افراد تھے جن میں سینکڑوں سے زیادہ انگریز افسران، دیسی عیسائی، اور بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو حکومت کے دفتروں میں ملازمت کرتے تھے، اسلئے ان کی شرکت عام مسلمانوں میں قابل اعتناء نہ تھی کیونکہ وہ اپنے افسران کے چشم وابرو کے اشاروں کے مطابق اپنا رویہ رکھنے پر مجبور تھے، ایک دن جب خیریت سے گزر گیا تو مزید کچھ مسلمانوں اور ہندوؤں کو ہمت ہوئی اور مناظرہ گاہ میں پہونچے اور ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہونچ گئی، جبکہ ہندوستان میں مناظروں میں دونوں فریق کے حمایتی پروانہ وار ٹوٹے پڑتے تھے کیوں کہ دونوں مذہبی جوش سے بھرے ہوتے ہیں مگر یہاں پادریوں سے مناظرہ کو لوگ حکومت سے ٹکرانے کے مترادف سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پورے ملک میں پادریوں کی لن ترانیاں پورے جوش وخروش سے جاری تھیں لیکن کسی نے ان سے ٹکرانے اور ان کی زبان بند کرنے کی جرأت نہیں دکھائی، اسلئے انھوں نے سمجھ لیا کہ ہم مُردوں کی بستی میں ہیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں، پھر حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدیداروں کا ان پادریوں کا احترام کرنا، ان کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرانا، اور درجہ چہارم کے ملازمین تھانیداروں اور کانسٹبلوں کا ان کی خوشامد میں لگے رہنے کا جب لوگ نظارہ کرتے تھے تو ان کو یقین ہوجاتا تھا کہ پادریوں کی زبان سے کمپنی کی

ظالم و جابر حکومت بول رہی ہے، ایسے خوف و ہراس کے ماحول میں مولانا کیرانوی کا حکومت کے مقرر کردہ سب سے بڑے پادری کو چیلنج کرنا، اس کے گھر پر چڑھ دوڑنا، اس سے بالمشافہہ ان کے مشن کمپاؤنڈ میں گھس کر گفتگو کرنا، اس دور کے لحاظ سے ایک ناممکن سی بات معلوم ہوتی تھی لیکن مولانا کیرانوی کی جرأت ایمانی، غیرت دینی، تحفظ اسلام کے اس بے پناہ جذبے کی ہندوستان کی مذہبی تاریخ گواہ ہے، دوستوں نے بھی یہ واقعہ لکھا اور دشمنوں نے بھی اس ہمت و جرأت کی شہادت دی، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں اسلام موت و زیست کے دوراہے پر کھڑا تھا، حکومت کی پوری طاقت اور پادریوں کا لشکر شمشیر بکف راستہ میں کھڑا تھا اور اعلان کرر ہا تھا کہ اگر جینا ہے تو ہم سے ٹکرانا لازمی ہے اور ضروری ہے، ہم اس ملک کو بھی اُندلس کی طرح اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اسلام کا قبرستان بنانے کیلئے ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ہیں، برسوں تک پادریوں کی رجز خوانیوں کا کسی سمت سے جواب نہیں ملا تو انھوں نے سمجھ لیا کہ ہم نے مورچہ فتح کرلیا۔

مولانا کیرانوی تین چار برسوں سے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عیسائی لٹریچر کا گہرائی سے مطالعہ کرتے رہے اور ان کے مذہب کے بارے میں اتنی وسیع معلومات حاصل کرلیں کہ ان کے بڑے سے بڑے پادری کی بھی وہاں تک رسائی نہیں تھی اور کئی ہزار صفحات پر مشتمل کتابیں ردعیسائیت میں لکھ چکے تھے، اسی تصنیف و تالیف کی مصروفیت میں آپ نے اس آہنی قلعہ کے ان کمزور گوشوں کو تلاش کرلیا جہاں سے عیسائیت پر حملہ کرنا آسان ہے، جب پوری تیاری کرلی اور نقشہ جنگ مرتب کرلیا تب آپ اپنے گوشۂ تنہائی سے نکلے اور تن تنہا عیسائیت کے مورچہ میں گھس گئے اور عیسائیت کی فوجی چھاؤنی اکبرآباد (آگرہ) میں پہنچ کر مورچہ وقائم لرلیا اور مسلسل پندرہ دنوں تک اکبرآباد میں مسافرانہ رہے، حیرت ہے کہ اتنے نازک حالات میں بھی مولانا کیرانوی

کے ساتھ علماء اسلام کی چھوٹی بڑی کوئی جماعت نہیں تھی، اکبرآباد کے چند اہل علم آپ کی ہمرکابی میں تھے اس کے باوجود آپ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کیرانوی مویّد من اللہ تھے، قدرت کی طرف سے آپ کو اس مورچہ کے فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، رحمت کے فرشتے آپ کے ساتھ تھے، نہ کوئی اندیشہ نہ ہراس، نہ گھبراہٹ نہ اضطراب، نہ حریف کی طاقت کا رعب نہ قید و بند اور زنجیر وسلاسل کی فکر، بالآخر دو ہفتوں کی مسلسل جد وجہد کے بعد حریف کو میدان جنگ میں اتار کر دم لیا، ایسے پُر شور حالات میں اس مناظرہ کے انجام کا اگر پورا ہندوستان منتظر تھا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے بلکہ یہ تو انسان کا فطری جذبہ ہے۔

اگرچہ اس دور کے دو اخباروں کے مدیر اس جلسہ گاہ میں دونوں دن حاضر تھے اور ایک ایک جزئی واقعات نوٹ کرر ہے تھے اور اپنے اخبارات میں شائع کرتے رہے لیکن اخبارات میں اجمالی خبریں ہوتی تھیں لوگ اس سے زیادہ تفصیلات جاننے کیلئے بے چین تھے، اس لئے مناظرہ کے بعد فوراً مناظرہ کی پوری روداد مرتب ہونے لگی اس میں عجلت اور ضرورت واہمیت اس لئے اور بڑھ گئی کہ بڑے انگریز پادریوں نے مناظرہ کی روداد شائع کرنے کا اعلان کردیا جیسا کہ مولانا کیرانوی کے خط سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے پادری فنڈر کو لکھا تھا، اس لئے مسلمانوں نے شب وروز لگ کر پوری دیانتداری سے مناظرہ کی روداد مرتب کی، سب سے پہلے مولوی وزیر الدین صاحب نے اپنی طرف سے روداد مرتب کی وہ پابندی کے ساتھ ہر جلسہ میں شریک رہتے تھے اس لئے دونوں دنوں کی پوری بحث سوال وجواب کے ساتھ ساتھ لکھی اور ان تمام خطوط کو بھی اس میں شامل کرلیا جو مناظرہ سے قبل اور مناظرہ کے بعد مولانا کیرانوی اور فنڈر کے درمیان لکھے گئے، اس روداد کو انھوں نے ''البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف'' کے نام سے شائع کیا، ابھی لال قلعہ

میں بہادر شاہ ظفر موجود تھے، ولی عہد بہادر مرزا فخر الدین نے مولوی وزیر الدین صاحب کو شائع کرنے اور پورے ملک میں تقسیم کرنے کا حکم دیا، حافظ عبد اللہ نے فخر المطابع دہلی میں ۱۲۷۰ھ، ۱۸۵۴ء میں اس کو چھپوایا تھا، یہ روداد ۱۵۵ صفحات پر مشتمل تھی۔

اسی طرح خود سید حافظ عبد اللہ جو سرکاری ملازم تھے دونوں دنوں کے جلسہ میں شریک تھے انھوں نے مناظرہ کی تفصیلات پر دو رسالے مرتب کئے، ایک رسالہ کا نام ''مباحثہ مذہبی'' تھا جس میں فریقین کے سوالات و جوابات اور مناظرہ کی بحثیں تھیں، دوسرے رسالہ کا نام ''مراسلات مذہبی'' رکھا، اس کے اندر فریقین کے خطوط کو جمع کر دیا تھا، یہ دونوں رسالے اردو میں تھے بعد میں اس کا فارسی ترجمہ الگ سے شائع کیا گیا، یہ دونوں بھی اسی سال ۱۲۷۰ھ، ۱۸۵۴ء یعنی مناظرہ ہی کے سال مطبع منعمیہ آگرہ میں طبع ہوئے اور ملک میں تقسیم ہوئے۔

خود پادری فنڈر نے بھی تقریباً ڈیڑھ سو صفحات میں روداد مناظرہ مرتب کی اور شائع کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ مناظرہ کی ایک روداد فارسی زبان میں منشی امیر خاں نے ''مباحثہ مذہبی'' کے نام سے مرتب کیا تھا جس کا بعد میں اردو ترجمہ شائع کیا گیا، ٹائیٹل پیج پر نام کے نیچے یہ عبارت تھی۔

فی مابین جناب مولوی رحمت اللہ صاحب و پادری فنڈر صاحب
در شہر اکبر آباد واقع شدہ آں راسید عبد اللہ اکبر آبادی ترجمہ نمودہ

یہ روداد ۱۸۷ صفحات پر مشتمل تھی اور ۱۲۷۱ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، پادری فنڈر نے بھی اپنی شکست پر مہر لگانے کیلئے مناظرہ کی ایک روداد لکھی تھی جس کا نام ''اختتام دینی مباحثہ'' رکھا تھا جو سکندر آرفن پریس آگرہ میں چھپی تھی یہ روداد ۱۵۲ صفحات پر مشتمل تھی پادری فنڈر کی روداد میں چونکہ غلط بیانی سے کام لیا گیا تھا اور انگریز

افسران کی ناراضی دور کرنے کیلئے اس نے یہ روداد شائع کی اس غلط بیانی کا پردہ چاک کرنے کیلئے منشی امیر خاں نے اپنی روداد میں اکبر آباد کے درجنوں ممتاز سر برآوردہ علماء اور عہدیداران حکومت سے اس روداد پر دستخط کرائے اور ان کی مہریں لگوائیں، ان دستخطوں اور مہروں کے ساتھ یہ روداد انھوں نے شائع کی تاکہ سند رہے بلا استثناء ہر ایک نے تصدیق کی کہ یہ روداد بالکل صحیح ہے ہم خود ان جلسوں میں موجود تھے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، روداد حرف بہ حرف صحیح ہے، اس طرح یہ روداد شائع کرکے فنڈر کی روداد کی غلط بیانی کا پردہ فاش کیا گیا تھا۔(۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

باب (۱۴)

تصانیف

مولانا کیرانوی کوقدرت نے تاریخ کے جس نازک دور میں پیدا کیا اوران سے جوکام لیااس کو دیکھ کر دل میں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ قدرت نے ان کواسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا تھا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ اپنے وطن آئے تو اپنے محلہ کی مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا لیکن یہ مصروفیت بہت محدود پیمانے پرتھی اور بہت مختصر مدت تک رہی ۔آپ کا زیادہ وقت عیسائی لٹریچر کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا،آپ مشن کی طرف سے شائع ہونے والے تمام رسالوں اور کتابوں کوحاصل کر کےان کا مطالعہ کرتے اوراسلام پر جواعتراضات ہوتے تھےان کونوٹ کرتے اوران کے جواب کی تیاری کرتے ،اس سلسلہ میں آپ کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کی آپ نے اسی تدریسی مصروفیت میں ردعیسائیت میں ''ازالۃ الاوہام'' جیسے ضخیم کتاب لکھی اس کتاب کی ترتیب کے دوران آپ شدید بیمار ہو گئے یہاں تک کہ لوگ آپ کی زندگی سے مایوس سے ہو گئے ،اسی بیماری کے زمانے میں خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ،حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا اسی کتاب میں انہماک کی وجہ سے آپ کی بیماری ہے، اللہ تعالیٰ اسی کتاب کی وجہ سے آپ کوشفادے گا اور آپ حیرت ناک طور پر بہت جلد صحتیاب ہو گئے اور کتاب مکمل کی۔

ازالۃ الاوہام:

یہ مولانا کیرانوی کی سب سے پہلی تصنیف ہے، پادری فنڈر کی مشہور کتاب

میزان الحق کی تردید میں ہے، جس کے بارے میں عیسائیوں کی خوش عقیدگی کا یہ حال تھا کہ کہتے تھے کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے اس کا جواب دینا کسی کے بس کی بات نہیں، آپ نے میزان الحق کے تمام اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں اور پادری فنڈر کی ساری غلط بیانیوں کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے اور اس کے الہام کی ملمع کاری کو دور کر کے اس کی اصل قدر و قیمت اہل علم کے سامنے پیش کردی ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اس دور میں فارسی شرفاء اور اہل علم کی زبان تھی اور فارسی ہی میں علمی کتابیں لکھی جاتی تھیں حتیٰ کی آپسی خط وکتابت بھی فارسی ہی میں ہوتی تھی اسلئے کتاب کی زبان فارسی رکھی گئی۔ یہ کتاب ۵۶۴ صفحات پر مشتمل ہے، مولوی قوام الدین نے مطبع سید المطابع بیگم محلہ دہلی سے ۱۲۶۹ھ، ۱۸۵۳ء میں طبع کی، بعد میں مولوی نور محمد نے اس کا ترجمہ اردو زبان میں ''دافع الاسقام'' کے نام سے کیا تھا۔

ازالۃ الشکوک:

کراچی میں ایک خاندانی مسلمان مرتد ہو کر عیسائی ہوگیا تھا، پڑھا لکھا تھا اس نے ایک کتاب اسلام کے خلاف لکھی تھی جس میں اس نے اہل اسلام سے ۱۹ر سوالات کئے تھے، اسی کتاب کے جواب میں یہ کتاب ''ازالۃ الشکوک'' آپ نے لکھی تھی، کتاب فارسی میں ہے، اس مرتد عیسائی نے اپنی کتاب بادشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کے لڑکے ولی عہد بہادر مرزا فخر الدین کی خدمت میں بھیجی تھی، ولی عہد بہادر نے اس کے جواب کیلئے مولانا کیرانوی کے پاس بھیجوایا تھا، آپ نے اس کے سارے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات ۱۱۱۶ ہیں اور پہلی بار ۱۲۶۸ھ، ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی، کتاب میں خصوصیت کے ساتھ نبوت محمدی ﷺ کا عیسائیوں کے مقابلہ میں اثبات ہے اور اس سلسلہ میں آپ نے ناقابل تردید دلائل دیئے ہیں جن کا جواب دینے سے عیسائی دنیا قاصر رہ گئی

، کتاب میں خصوصیت سے عہد قدیم اور عہد جدید میں تحریفات کے دلائل وشواہد پیش کئے گئے ہیں، اس ضخیم کتاب کی ایک جلد مولانا کیرانوی کے ایک شاگرد مولانا عبد الوہاب دہلوی بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس نے طبع کرائی اور شائع کی بعد میں ان کے صاحبزادے نے دوسری جلد شائع کی، کچھ سالوں کے بعد اس کتاب کا اردو ترجمہ کر کے مولانا عبدالوہاب دہلوی نے ۱۲۸۸ھ میں شائع کیا۔

اعجاز عیسوی:

مولانا کیرانوی نے یہ کتاب آگرہ میں اپنے قیام کے دوران لکھی، کتاب فارسی میں ہے اور ۱۲۷۰ھ میں مرتب کی گئی، یہی زمانہ ہے جب مولانا کیرانوی پادری فنڈر سے مجمع عام میں مناظرہ کا چیلنج کرنے کے ارادہ سے اکبرآباد میں قیام پذیر تھے، دونوں طرف سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا، انھیں دنوں یہ کتاب بھی زیر تسوید تھی، آپ نے کتاب میں مضبوط دلائل توریت وانجیل کے منسوخ ہونے اور دونوں کتابوں میں تحریف کا ثبوت دیا ہے، کتاب فوراً طبع نہ ہوسکی کیوں کہ مناظرہ کا سلسلہ چل پڑا اس سلسلہ میں مصروفیت بہت بڑھ گئی جب اس کی مصروفیات سے آپ فارغ ہوگئے تو سال بھر بعد ۱۲۷۱ھ، ۱۸۵۴ء میں مطبع رضویہ دہلی سے شائع ہوئی، پھر اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا گیا، یہ عصر حاضر کی بات ہے، اردو میں یہ کتاب ابھی جلد ہی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں پاکستان سے شائع ہوئی ہے، مولانا محمد تقی عثمانی نے تحقیق وتعلیق کے فرائض ادا کئے ہیں۔

احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث:

یہ مختصر سی کتاب ہے جو ۱۲۷۱ھ میں لکھی گئی، ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کی زبان اردو ہے، کتاب میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو عقلی ونقلی دلائل سے باطل ثابت کیا گیا ہے اور خود عیسائیوں کی کتابوں سے دلائل دیئے گئے ہیں اور آپ نے

ثابت کیا کہ عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث تحریف کے ذریعہ آیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم نہیں تھی۔

بروق لامعہ:

مولانا کیرانوی کی یہ کتاب عربی زبان میں ہے، جس میں آپ نے توریت وانجیل اور جملہ کتب مقدسہ کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت اور آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کی بشارتیں موجود تھیں لیکن ان بشارتوں کو تحریف کے ذریعہ نکال دیا گیا ہے، آپ نے اس کے بہت مستحکم دلائل بھی فراہم کئے ہیں لیکن یہ کتاب طبع نہیں ہوئی، مخطوطہ کی شکل میں رہ گئی، اس کی طباعت کا ہمیں علم نہیں

معدّل اعوجاج المیزان:

پادری فنڈر کی مشہور ومعروف کتاب میزان الحق کے جواب میں اس کی تردید کیلئے لکھی گئی، کتاب میں پادری فنڈر کی غلط بیانیوں اور جعلسازیوں کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے، کتاب کی زبان اردو ہے، مولوی آل حسن نے پادری فنڈر کی کتاب کے رد میں ایک ''الاستفسار'' کے نام سے لکھی تھی انھوں نے فنڈر کی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی، بڑی فاحش غلطیاں تھیں، فنڈر نے جب ''الاستفسار'' پڑھی تو میزان الحق پر نظر ثانی کی، پہلے یہ کتاب اس نے اردو میں لکھی تھی اب اس نے اس کو فارسی میں ازسرنو مرتب کیا اور ان تمام غلطیوں کو نکال دیا جو اردو ایڈیشن میں تھیں، فارسی میں مرتب کر کے فوراً شائع بھی کر دیا، مولانا کیرانوی نے فنڈر کی یہ چالاکی اور چابکدستی دیکھی تو آپ نے یہ کتاب لکھی جس میں آپ نے اردو اور فارسی دونوں ایڈیشنوں کو سامنے رکھا، اس نے جو تبدیلیاں کی تھیں ان کی نشاندہی کی اور ثابت کیا کہ فنڈر کا علم بہت سطحی ہے وہ اپنے نظریات بدلتا رہتا ہے، اس کا عقیدہ مستحکم نہیں ان مباحث کے ساتھ آپ

نے اس فارسی ایڈیشن کی مدلل تردید کی اور اس کی خامیوں اور غلطیوں کی نشاندہی فرمائی مگر یہ کتاب میرے علم کے مطابق طبع ہو کر شائع نہیں ہو سکی۔

تقلیب المطاعن:

ایک یورپین پادری اسمتھ نے ایک کتاب ''تحقیق دین حق'' کے نام سے لکھی تھی جو دوبار ۱۸۴۲ء اور ۱۸۴۶ء میں شائع کی گئی، اسی کتاب کے رد میں مولانا کیرانوی نے یہ کتاب ''تقلیب المطاعن'' تحریر فرمائی تھی، کتاب طبع نہیں ہوئی۔

مذکورہ بالا تینوں کتابیں طبع نہیں ہوئی تھیں کہ ۱۸۵۷ء کا حادثہ ہو گیا اور مولانا کیرانوی کا گھر تہ و بالا کر دیا گیا، سارے مال واسباب کے ساتھ ان کتابوں کے مسودے بھی تباہ و برباد ہو گئے، انگریزی حکومت نے آپ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی، آپ کی تمام کتابیں اور تمام مسودے ردی خانے میں پھینک دیئے گئے، پھر زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اظہار الحق

ردعیسائیت میں ایک شاہکار کتاب

مولانا کیرانوی کی تصانیف میں اظہار الحق ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے آپ کی زندگی بھر کا حاصل مطالعہ اس کتاب میں سمٹ آیا ہے، ردعیسائیت کے سلسلہ میں اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنی جامع کتاب نہیں لکھی گئی ہم اس کا ذرا تفصیل سے اسی لئے تعارف کرانا چاہتے ہیں کہ اس کا تعارف آپ کی تمام تصانیف کا تعارف ہے۔

اظہار الحق مولانا کیرانوی کی آخری کتاب ہے اور مناظرہ کے کئی برس بعد لکھی گئی ہے جب آپ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جاچکے تھے، سلطان ترکی کی دعوت پر آپ دارالخلافہ ترکی تشریف لے گئے سلطان کے اشارہ اور وزیر اعظم کے اصرار پر مناظرہ کے واقعات، پادریوں کے ان تمام اعتراضات کے جوابات جو وہ اسلام پر کرتے ہیں، عیسائیت کے منسوخ ہونے، توریت و انجیل کے محرف اور ناقابل اعتبار ہونے کے مسئلوں پر یہ کتاب اظہار الحق آپ نے تصنیف کی، کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی جس میں تاریخی اور دستاویزی ثبوتوں سے توریت و انجیل کی تحریفات کا پردہ چاک کیا گیا عقلی اور نقلی دلائل سے موجودہ عیسائیت کو ایک باطل مذہب ثابت کیا گیا آپ نے یہ کتاب لکھ کر اسلامی دنیا کو عیسائیوں اور پادریوں کی دسیسہ کاریوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مطمئن کر دیا، یہ کتاب ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں قسطنطنیہ سے شائع کی گئی، پھر ترکی حکومت کے صدر کے حکم سے بعض ترکی علماء نے اس کا ترکی زبان میں

ترجمہ کیا جو ''ابراز الحق'' کے نام سے وہاں شائع ہوا نیز حکومت عثمانیہ ہی کی طرف سے یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے شائع کئے گئے جس کو پادریوں نے خاص اہتمام سے تلف کرنے کی کوشش کی مگر کتاب پورے یورپ میں پھیل گئی اور متعدد انصاف پسند منصف مزاج عیسائیوں اور انگریزوں نے اس کتاب کو پڑھکر دامن اسلام میں پناہ لی، ترکی اور یورپ سے ہوکر یہ کتاب مصر پہونچی اور وہاں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، ہندوستان میں مولانا غلام محمد بھائی نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ کیا جو صوبہ گجرات میں شائع ہوا، جب اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن شائع ہوا تو ''ٹائمز آف لندن'' نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگر اس کتاب کو لوگ پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی کے لئے کوئی میدان باقی نہیں رہیگا۔

یہ کتاب صرف چھ مہینے میں لکھی گئی، وہ بھی مسافرت میں، مولانا کیرانوی نے قسطنطنیہ میں قیام کے دوران ۱۶رجب ۱۲۸۰ھ کو اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخر ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں مکمل کر دی، یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے ابواب کی تفصیل اس طرح ہے۔

باب اول — بیان و تفصیل کتب عہد قدیم و عہد جدید

باب دوم — بیان و تفصیل و اثبات تحریف انجیل

باب سوم — نسخ انجیل

باب چہارم — ابطال تثلیث

باب پنجم — قرآن کا کلام اللہ ہونا

باب ششم — اثبات نبوت محمدی ﷺ و اعتراضات و جوابات پادریان

پادری فنڈر سے مناظرہ میں یہی پانچ مسائل موضوع مناظرہ تھے لیکن نسخ و

تحریف ہی کے مسئلہ میں پادریوں کی ہوا اکھڑ گئی اور مجمع عام میں جس ذلت ورسوائی کا ان کو سامنا کرنا پڑا کہ ان کی طاقت ضبط جواب دے گئی پھر مجلس مناظرہ منعقد کرنے سے صاف انکار کردیا، مولانا کیرانوی نے ان پانچوں مسئلوں کو اس کتاب میں بیان کردیا تا کہ پوری عیسائی دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ان سارے مسائل میں علماء اسلام کے پاس کتنے مستحکم دلائل ہیں۔

میزان الحق پر تنقید:

مولانا کیرانوی نے اس کتاب میں پانچوں مسئلوں پر گفتگو سے پہلے پادری فنڈر کی بعض مشہور ترین کتابوں پر مدلل تنقید کی ہے، خاص طور سے اس کی شہرہ آفاق کتاب میزان الحق اور اس کی کتاب حل الاشکال اور مفتاح الاسرار کی خامیوں غلطیوں، غلط بیانیوں پر بہت ہی عالمانہ ومحققانہ تنقیدیں کی ہیں لیکن کہیں بے جا مناظرانہ گرفت نہیں کی ہے، ہر جگہ پوری دیانتداری اور انصاف پسندی اور علمی تحقیق سے کام لیا ہے، آپ کی صداقت اور انصاف پسندی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فنڈر نے میزان الحق اردو میں لکھی تھی لیکن مولوی آل حسن صاحب نے اپنی کتاب الاستفسار میں اس کی بیشمار غلطیوں کی نشاندہی کی اور فنڈر کی کم علمی کی بہت سی مثالیں دیں جن کو پڑھ کر فنڈر خود عرق عرق ہو گیا اور اس نے اردو ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور ان تمام غلطیوں کو کتاب سے خارج کردیا جن کی نشاندہی کی گئی تھی اب کی بار اس نے میزان الحق کو فارسی زبان میں مرتب کیا اور پوری کوشش کی کہ اردو میں جو خامیاں غلطیاں موجود ہیں ان میں سے کوئی نہ رہ جائے پھر اس نے فارسی ایڈیشن کو پہلی فرصت میں شائع کر کے اردو ایڈیشن کو روک لیا اور فارسی ایڈیشن کو پورے ملک میں پھیلا دیا اب اس کو اطمینان ہو گیا کہ مسلمانوں کو اس کتاب کو ہدف بنانے کا موقع نہیں رہ گیا۔

مولانا کیرانوی نے جب کتاب لکھنی شروع کی تو اس کے اردو ایڈیشن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور صرف اس کے فارسی ایڈیشن کو پیش نظر رکھ کر اس کی ۲۶ فاحش غلطیوں پر گرفت کی اور حوالہ صرف فارسی ایڈیشن کا دیا، اگر اردو ایڈیشن کا حوالہ دیا جاتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میری اصل کتاب فارسی میں ہے اردو ایڈیشن تو میں قلم زد کر چکا ہوں اس کا حوالہ بے سود ہے اس لئے آپ نے صرف فارسی ہی ایڈیشن کو سامنے رکھا اور اس کی کتاب حل الاشکال کا وہ تازہ ترین ایڈیشن رکھا جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا اس کتاب کی نو غلط بیانیوں کو پیش کیا ہے اور صرف دو مثالیں اس کی کتاب مفتاح الاسرار سے دی ہیں، اس طرح فنڈر کی کتابوں سے ۳۷ ایسی واضح اور صریح غلطیاں نکالی ہیں جن کی آڑ میں اس نے مذہب اسلام پر اعتراض کیا تھا ان غلطیوں کو معمولی لکھا پڑھا مسلمان بھی سمجھ سکتا ہے۔

فنڈر کا اسلامیات کا مطالعہ چاہے جتنا رہا ہو لیکن مسائل کی گہرائی اور شرائع اسلامی کی حکمتوں اور ان پر علماء اسلام کی دقیق ترین بحثوں کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی تھی، وہ نہیں سمجھ سکا کہ زیر بحث مسئلہ میں اہل اسلام کا کیا موقف ہے مثلاً وہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن اور اس کی تفسیر کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ توریت، زبور اور انجیل بالکلیہ منسوخ ہیں، جب کہ اس دعویٰ کا ذکر نہ کہیں قرآن میں ہے اور نہ تفسیروں میں، فنڈر کا یہ بیان قرآن اور مفسروں پر صریح اتہام ہے یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پھر وہ نسخ کا صحیح معنی و مفہوم بھی نہیں سمجھتا اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے اس کو خبر بھی نہیں اس طرح کی بے خبری اس کی کتابوں میں مختلف مقامات پر ظاہر ہوتی ہیں، مولانا کیرانوی نے اظہار الحق کے صفحہ ۱۵ سے لے کر ۴۸ تک اس کی غلطیوں اور غلط بیانیوں کی مثالیں دی ہیں صرف الزام عائد کر کے نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کے جرم پر اسی کے گھر کی شہادتیں بھی پیش کر دی ہیں اور مسئلہ کی صحیح صورت حال کو دلائل

کے ساتھ بیان کر کے اصل حقیقت بیان کر دی ہے، ہر جگہ عیسائیوں کی کتب مقدسہ کے حوالے بھرے پڑے ہیں اس پوری بحث کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کیرانوی کی نگاہ کتنی باریک بین دقیقہ رس اور مذہب عیسوی کے لٹریچر کا مطالعہ کتنا وسیع اور گہرا ہے۔

عہد نامہ قدیم عہد نامہ جدید

اصل مسئلوں پر گفتگو سے پہلے ایک اہم ترین تحقیقی بحث آپ نے اٹھائی ہے کہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے عیسائیوں کی کیا مراد ہے چونکہ یہودیت اور عیسائیت دونوں کے ڈانڈ یملے ہوئے ہیں اس لئے دونوں میں حد فاصل کھینچنا آسان نہیں ہے کن کتابوں کو عیسائی مستند مانتے ہیں اور کن کتابوں کو نہیں، کتنے احکام یہودیت کے منسوخ کئے ہیں اور کتنے حکموں کو باقی رکھا ہے کون سے صحیفے معتبر ہیں اور کون سے صحیفے مختلف فیہ ہیں ایک لمبی بحث ہے اور بہت ہی تحقیق طلب ہے مولانا کیرانوی نے اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالی ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ عیسائیوں کی اصطلاح میں کتب عہد قدیم ان صحیفوں کو کہتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعہ بواسطہ الہام لکھے گئے ہیں یعنی اس کے مرتب خود انبیاء ہیں اور وحی الٰہی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام سے قبل تک جتنے بنی اسرائیل میں نبی آئے انھوں نے وحی الٰہی کو قلمبند کر لیا ان کو وہ کتب مقدسہ عہد قدیم کہتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو کتابیں حواریوں نے لکھی ہیں ان کو عہد نامہ جدید کہتے ہیں عہد قدیم اور عہد جدید کی کتب مقدسہ کے مجموعے کو ایک مختصر نام بائبل کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، عیسائی عہد قدیم کی کتابوں میں سے کچھ کو معتبر مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں، جن کتابوں کی صحت پر جمہور قدیم علماء نے اتفاق کیا ہے ان کی تعداد ۳۸ ہے اس کے بعد مولانا کیرانوی نے ان کو نام بہ نام شمار کرایا ہے اور بتایا ہے کہ فہرست

کی ابتدائی پانچ کتابوں کے مجموعے کوتوریت کہا جاتا ہے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:
سفرتکوین، سفرخروج، سفراحبار، سفرعدد اور سفراستثناء بقیہ ۳۴ کتابوں کو مجازاً توریت کہا جاتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کی نو کتابوں کے بارے میں اختلاف ہے کچھ لوگ اس کو صحیح اور معتبر مانتے ہیں کچھ لوگ اس کی صحت سے انکار کرتے ہیں مولانا کیرانوی نے ان کتابوں کو بھی شمار کرایا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی کتابیں جن کو عہد نامہ جدید کہتے ہیں ان کی صحت پر عیسائی علماء متفق ہیں ان کی تعداد بیس ہے مولانا کیرانوی نے ان کو نام بہ نام شمار کرایا ہے انجیل لوقا، انجیل مرقس، انجیل متی، انجیل یوحنا جن کو اناجیل اربعہ کہتے ہیں ان کے علاوہ سولہ کتابیں ہیں ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں مذکورہ بالا بیسوں کتابیں مستند اور قابل اعتماد سمجھی جاتی ہیں، عہد جدید کی جن کتابوں کی صحت میں اختلاف ہے وہ سات کتابیں ہیں ان کو بھی شمار کرایا گیا ہے۔

عہد بہ عہد کی مذہبی سرگرمیاں

عہد قدیم اور عہد جدید کی کتابوں کی مجموعی تعداد ٦٦ ہے ہر ایک کے نام مولانا کیرانوی نے درج کر دیئے ہیں پھر آپ نے یہودیت و مسیحیت کی مذہبی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے کہ کس دور میں کن کن تاریخوں میں ان کی مذہبی مجلسیں قائم ہوتی رہیں جو عموماً کسی عیسائی بادشاہ کی دعوت پر منعقد ہوئی تھیں ان مذہبی مجلسوں میں اس دور کے ممتاز اور سربرآوردہ مسیحی علماء بلائے جاتے رہے اور وہ عہد قدیم و عہد جدید کی کتابوں کے بارے میں فیصلے کرتے رہے کہ فلاں فلاں کتابیں عیسائی مذہب میں قابل اعتماد و استناد ہیں اور فلاں کتابیں قابل اعتماد نہیں اور ایسا بار بار ہوتا رہا، مولانا کیرانوی نے ان مجلسوں کے انعقاد کا مقام اور تاریخ بھی لکھی ہے، گویا وہ کتابیں جن کو آسمانی یا الہامی کتابیں ہمیشہ سے کہتے رہے ان مذہبی مجلسوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن

گئی تھیں ان کے علماء ان کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرتے تھے، یہ ساری تفصیلات تاریخ کے مستند حوالوں سے بیان کی ہیں اور خود عیسائی علماء و مورخین کے بیانات کی روشنی میں لکھی ہیں۔

سند متصل ضروری ہے

مولانا کیرانوی نے لکھا ہے کہ کسی کتاب کے الہامی ہونے یا اس کے کلام اللہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ کلام کسی نبی پر نازل ہوا تو اس وقت سے لے کر مستقبل کی نسلوں تک مستند، ثقہ، سچے اور قابل اعتماد لوگوں کے ذریعہ پہونچا ہو، نبی سے سن کر نقل کرنے والے کون لوگ ہیں؟ پھر ان سے نقل کرنے والے پھر ان سے نقل کرنے والے سے صحیح، مکمل اور مستند واقفیت ہونی ضروری ہے یہاں تک کہ وہ صحیح طور پر نقل در نقل ہوتے ہوئے ہمارے زمانے تک پہونچا ہو، نبی نے جو کچھ کہا ہو حرف بحرف لفظ بلفظ بعد کی نسلوں تک پہونچا ہو اس میں کسی طرح کا کسی دور میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو تبھی وہ کلام حقدار ہے کہ اس کو کلام الٰہی یا الہامی کلام کہا جائے جو لوگ اس کے الہامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں صحیح کرتے ہیں، مولانا لکھتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم و جدید کا حال یہ ہے کہ ان صحیفوں کو نقل کرنے والوں کا کسی کو صحیح علم نہیں، اگر ایک دو نسلوں تک نام ملتے ہیں تو آگے چل کر یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور بغیر سند متصل کے کسی کلام کو کلام الٰہی کہنا یا اس کے الہامی کتاب ہونے کا دعویٰ کرنا قابل سماعت نہیں ہوسکتا، آپ نے کئی صحیفوں کے نام لئے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کتابوں کے لکھنے والوں، نقل کرنے والوں کی صحیح یا غلط کسی طرح کی سند نہیں پائی جاتی ہے اور بعض سندیں جو بعض کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اس سند کے راویوں پر خود عیسائیوں اور یہودیوں کے علماء و محققین نے جھوٹے اور کذاب ہونے کا الزام لگایا ہے، آپ نے فرمایا کہ ان کتابوں کی سند متصل کا نہ ہونا ان تمام کتابوں کو خود مشکوک بنادیتا ہے ایسی

کتابوں کو اللہ کا کلام کہنا یا ان کے آسمانی کتاب ہونے کا دعویٰ کرنا ایک لغو دعویٰ ہے جو قطعاً قابل سماعت نہیں ہوسکتا اس لئے پہلے ان کتابوں کی سند متصل پیش کی جائے تب اس کو کسی نبی کی طرف منسوب کرنا ایک حد تک صحیح ہوسکتا ہے، بطور مثال مولانا کیرانوی نے کتاب اشعیاء اور کتاب سلیمان کے نام لے کر تفصیلی بحث کر کے ثابت کیا کہ ان کی کوئی سند نہیں اور خود ان کتابوں کی داخلی شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے یہ قطعاً غلط اور جھوٹی کتابیں ہیں آپ نے مثال دے کر سمجھایا کہ کتاب کی نسبت سلیمان کی طرف ہے لیکن متکلم کا صیغہ اور ضمیر استعمال کی گئی ہے اور کہیں کہیں صیغہ غائب اور ضمیر غائب کا استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص سلیمان سے کہتا ہے نہ کہ خود سلیمان دوسروں سے کہتے ہیں عہد قدیم کی ساری کتابوں میں یہ کمزوری مشترک ہے، اس کے باوجود مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ساری الہامی کتابیں ہیں جب کہ وہ کسی کتاب کی سند پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

انجیل متی مشکوک ہے

اناجیل اربعہ متی، مرقس، یوحنا اور لوقا کے بارے میں بھی دلائل کے ساتھ، کہ یہ مجموعہ انھیں حواریوں کا لکھا ہوا ہے جن کی طرف یہ منسوب ہیں، اس کی بھی ان کے پاس قطعی دلیل نہیں ہے، جب کہ ان کے قابل اعتماد ہونے کے لئے یہ بنیادی دلیل ہے۔

آپ نے بڑی تفصیل سے اور حوالوں کے ذریعہ بتایا ہے کہ تمام قدیم مسیحی علماء اور ممتاز متاخرین نے لکھا ہے کہ متی انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی اور جب عیسائیوں میں اختلاف ہوا اسی زمانہ میں یہ عبرانی کتاب اس طرح گم ہوئی کہ پھر اس کا کہیں پتہ ہی نہیں چلا اور آج جو متی انجیل ہے کہا جاتا ہے کہ اسی عبرانی انجیل کا یونانی ترجمہ ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ ترجمہ کس شخص نے کس زمانے میں

کیا ہے؟ مترجم کی شخصیت معروف ہے یا مجہول؟ تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مولانا نے جیروم کا حوالہ دیا ہے جو قدیم مسیحی علماء میں امتیازی شان رکھتا ہے وہ صاف لفظوں میں لکھتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ متی انجیل کا مترجم لامعلوم اور گمنام آدمی ہے بعض مسیحی علماء نے جو نام لئے ہیں وہ صرف قیاس آرائی کی بنیاد پر ہیں کوئی کسی کا نام لیتا ہے کوئی کسی اور کا، اور اس کا بھی ان کے پاس ثبوت نہیں کہ وہ کس دلیل سے یہ نام لے رہے ہیں؟ مولانا کیرانوی کہتے ہیں کہ انجیل متی کے ترجمہ کی ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے اور جب ترجمہ کی سند نہیں تو کیا دلیل کہ یہ متی کی لکھی ہوئی انجیل ہے ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب ترجمہ نہ ہو مترجم کی طبع زاد کتاب ہو اس شک کو دور کرنا عیسائی دنیا کا فرض ہے مولانا کیرانوی نے لکھا ہے کہ پادری فنڈر متعصب عیسائی ہونے کے باوجود متی انجیل کی سند نہیں پیش کرسکا بلکہ اٹکل پچو اس نے کہدیا کہ انجیل متی عبرانی کے بجائے یونانی زبان ہی میں لکھی گئی ہوگی، مگر اس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، اب تو یہ مسئلہ اور گنجلک ہوگیا کہ موجودہ انجیل متی کی لکھی ہوئی ہے یا بقول جمہور مسیحی علماء مترجم کی کتاب ہے اب خود یہ انجیل کا مصنف مجہول ہوگیا۔

مولانا موصوف نے لکھا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا بوبی میں انجیل متی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی لیکن اب وہ نہیں پائی جاتی، صرف اس کا یونانی ترجمہ موجود ہے، بعض مقامات میں جو عبرانی زبان میں انجیل ہے وہ درحقیقت اسی یونانی انجیل کے ترجمہ کا عبرانی ترجمہ ہے اصل متی کی عبرانی انجیل نہیں ہے

انجیل مرقس

مولانا کہتے ہیں کہ دوسری انجیل مرقس کی ہے اس کے بارے میں وارڈ کیتھولک نے بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ جیروم نے بعض مسیحی علماء کو جو خط لکھا ہے

اس نے اس میں لکھا ہے کہ متقدمین مسیحی علماء نے مرقس انجیل کے آخری باب میں شک کا اظہار کیا ہے، ان علماء کا کہنا ہے کہ یہ باب مرقس کا لکھا ہوانہیں ہے بلکہ کسی دوسرے نے لکھ کراس میں شامل کردیا ہے، یعنی یہ پوراباب ہی الحاقی اور جعلی ہے، اس کو انجیل کہنا صحیح نہیں۔

ایک عیسائی محقق عالم نورتن نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۷ء شہر بوسٹن کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے کہ مرقس کی انجیل میں ایک عبارت تحقیق کی طالب ہے وہ نویں آیت سے لے کر آخری باب تک چلی گئی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مجھے حیرت ہے کہ کریباخ نے اس متن پر شک وشبہ کی کوئی علامت نہیں لگائی ہے لیکن جب اس کی شرح کرتا ہے تو وہاں کہتا ہے کہ یہ پوری عبارت الحاقی ہے، بعد میں کسی نے اس میں داخل کردیا ہے، یہ عبارت مشتبہ ہے، مزید حیرت یہ ہے کہ کاتبوں کی عادت لکھتے ہوئے عبارت چھوڑ دینے کی ہوتی ہے، اضافہ کرنے کی عادت نہیں ہوتی اور یہاں زائد عبارت پائی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بالقصد یہ عبارت بڑھادی ہے، کریباخ عیسائیوں کے مشہور مفسرین میں شمار ہوتا ہے۔

انجیل لوقا

مولانا کیرانوی نے لوقا کی انجیل کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ عیسائیوں کے قدیم علماء نے لوقا کی انجیل کے بائیسویں باب کی بعض آیتوں کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے ان کا خیال ہے کہ لوقا کی انجیل میں یہ آیتیں الحاقی معلوم ہوتی ہیں۔

انجیل یوحنا

یوحنا کی انجیل کے سلسلہ میں مولانا کیرانوی کہتے ہیں کہ اس کو یوحنا کی کتاب کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ بہت سی باتیں اس میں ایسی موجود ہیں جن سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا کی کتاب نہیں ہے اور نہ وہ اس کا مرتب و مصنف ہے بلکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے کسی شخص کی تصنیف ہے خود یوحنا اپنے چشم دید حالات نہیں بیان کر رہا ہے جب کہ پوری کتاب میں یوحنا اپنے چشم دید حالات بیان کرتا چلا آتا ہے، مولانا کیرانوی نے بطور مثال ایک عبارت کا ذکر کیا ہے، آپ نے لکھا ہے کہ انجیل کے اکیسویں باب کی چوبیسویں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رابہ وہ شاگرد رشید ہے جو شہادت دیتا ہے کہ یو نا نے اس کو لکھا اور وہ جانتا ہے کہ اس کی شہادت حق ہے یعنی کتاب کا مصنف یوحنا کے بارے میں گواہی دیتا ہے، اگر یوحنا کی یہ کتاب تسلیم کی جاتی ہے تو پھر عبارت کا کیا موقعہ رہ جاتا ہے اور اس کا کیا معنی ہوسکتا ہے، یہ عبارت مہمل ہو جاتی ہے جملے میں غائب کی ضمیر استعمال کی گئی ہے جب کہ یہاں متکلم کی ضمیر ہوتی تو اس کا کوئی معنی صحیح ہوتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کے کاتب کو کہیں سے یوحنا کی کچھ تحریریں مل گئی ہیں اس نے ان کو اپنی طرف سے کچھ رطب و یابس ملا کر جمع کر دیا ہے کتاب کو معتمد بنانے کے لئے اس نے آخر کی یہ عبارت لکھدی ہے خود یوحنا کی یہ کتاب نہیں ہے۔

مولانا کیرانوی نے داخلی شہادت پیش کرنے کے بعد تاریخ کے حوالے سے بھی گفتگو کی ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں یوحنا کی انجیل کا شدومد سے انکار کیا جا رہا تھا اسی زمانہ میں یوحنا کے ایک شاگرد بولیکارب کا ایک شاگرد ارینیوس موجود تھا، خود اس کے سامنے یوحنا کی انجیل سے انکار کیا جا رہا تھا کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف نہیں ہے، اگر یہ کتاب حقیقتاً یوحنا حواری کی ہوتی تو ارینیوس یہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے یوحنا کے شاگرد بولیکارب سے سنا ہے کہ یہ یوحنا حواری کی کتاب ہے لیکن اس نے کبھی یہ نہیں کہا جب کہ ارینیوس اپنے استاد بولیکارب سے سنی ہوئی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بار بار تذکرہ کرتا رہتا تھا لیکن اس سلسلہ میں اس

نے اپنے استاد سے ایک حرف بھی سننے کا کوئی ذکر نہیں کیا جب کہ یہ بات بہت ہی اہم تھی اگر یہ کہا جائے کہ ارینیوس نے سنا تھا لیکن بھول گیا اور جب اس کے اظہار کا موقعہ آیا تو اس کو بات نہ آسکی یہ نا قابل سماعت تاویل ہے، ارینیوس کا حافظہ بہت قوی تھا، مشہور عیسائی مورخ یو، سی بیس اپنی تاریخ کی پانچویں جلد کے بیسویں باب کے صفحہ ۲۱۹ پر خود ارینیوس کا قول نقل کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں زبانی روایات کو بھی اچھی طرح یاد کر لیتا تھا اس کے الفاظ ہیں: میں نے اپنے استاد بولیکارب کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بغور سنا اور اللہ کے فضل سے میں نے اس کو سینہ میں لکھ لیا اور ہمیشہ سے میری عادت ہے کہ میں ان کو پڑھتا رہتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ جس کا حافظہ اتنا قوی ہو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے دل میں نقش کالحجر بنالیتا ہے یہ کیسے مان لیا جائے کہ عیسائیوں میں یوحنا حواری کی کتاب سے انکار کیا جارہا ہے اور مسلسل کیا جارہا ہے اور اس کو اپنے استاد کی بات یاد نہیں آئی اور بھول گیا اور کبھی نہیں کہا کہ میرے استاد بولیکارب نے جو یوحنا کے شاگرد ہیں مجھے بتایا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یوحنا حواری کا شاگرد اور شاگرد کا شاگرد بھی اس کو یوحنا کی تصنیف نہیں مانتا تھا۔

مزید شہادت

مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ یوحنا کی انجیل کے غیر مستند ہونے کا یہ ثبوت تو خود عیسائی علماء کے حوالوں سے دیا گیا جو قدامت پسند تھے، اسی دوسری صدی میں جب یوحنا کی انجیل کو اس کی تصنیف ہونے سے انکار کیا جارہا تھا دوسرے فرقوں کے بیانات لئے جائیں تو بات اور بھی مدلل ہو جاتی ہے ایک فرقہ کا ایک بڑا عالم سلسیوس تھا وہ برملا کہتا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین بار تبدیل کیا ہے یعنی الفاظ و عبارت ہی نہیں اس کے مضامین تک بدل دیئے گئے ہیں، ایک فرقہ مانی کیز تھا اس کا

ایک جید عالم چوتھی صدی عیسوی میں فاسنس نام کا تھا وہ تو ڈنکے کی چوٹ پر عہد جدید کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ تو ثابت شدہ ہے کہ یہ ساری انجیلیں جو عیسائیوں کے پاس ہیں یہ نہ تو مسیح کی لکھی ہوئی ہیں نہ ان کے حواریوں کی تصنیف ہیں بلکہ ان کو ایک گمنام آدمی نے لکھا ہے اور ان کو حواریوں کی طرف منسوب کر دیا ہے، اسطرح حواریوں کے ساتھیوں نے ان کتابوں کو انجیل کہہ کر عیسیٰ مسیح کی روح کو تکلیف پہونچائی ہے کہ ایک غلط سلط کتاب جن میں اغلاط اور متضاد روایتیں اور باتیں ہیں لکھ کر اس کو مسیح کا کلام بنا دیا ہے۔

مولانا کیرانوی اس سلسلہ میں مزید کہتے ہیں کہ کیتھولک فرقہ کا ایک مصنف ہیرلڈ ہے اس نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۴ء کی جلد ۷ کے صفحہ ۲۰۵ پر لکھا ہے کہ ''استادلن'' نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یوحنا کی انجیلیں مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

ان تمام انکشافات کے بعد مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ جس انجیل کو کلام اللہ کہا جاتا ہے اس کو حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا کی تصنیف کہا جاتا ہے اس کا کسی طرح بھی ثبوت نہیں ملتا ہے پھر کیسے یہ مان لیا جائے کہ آج جو انجیل رائج ہے قابل اعتماد ہے، غرضیکہ اناجیل اربعہ کے متعلق خود عیسائیوں کے قدیم علماء خصوصاً انجیل کے مشہور مفسر لبورن نے کئی حیرت انگیز انکشافات کر کے عیسائی مذہب کی بنیاد ہی کو متزلزل کر دیا ہے یہ تفصیلی بحث اصل کتاب اظہار الحق میں پڑھنے کے لائق ہے۔

عہد قدیم وجدید کی کتابیں اغلاط سے بھری پڑی ہیں

اس عنوان کے تحت مولانا کیرانوی نے عہد قدیم وجدید کی کتابوں میں صریح اغلاط اور اختلافات کو پیش کیا ہے اور ہر ایک کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے، اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل میں کچھ ہے اور دوسری انجیل میں کچھ ہے یہ اختلاف واقعات و

تاریخ میں بھی ہیں اور احکام میں بھی، مولانا نے ہر ایک کی نشاندہی کر دی ہے، کتابوں کے تقابلی مطالعہ میں آپ کے سامنے کتاب حزقیال، سفر استثناء، اخبار الایام، سفر حموئیل، سفر الملوک، سفر تکوین، سفر العدد وغیرہ ہیں، تضاد بیانی کی بہت سی مثالیں دی ہیں اور قدیم مسیحی علماء کی شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔

نسب مسیح کے سلسلہ میں جو اختلافات ہیں انجیلوں سے اس کی مثالیں دی ہیں مثلاً متی کی انجیل میں یوسف بن یعقوب ہے اور لوقا کی انجیل میں یوسف بن ہالی ہے، متی انجیل میں ہے کہ عیسیٰ مسیح سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں دوسرے مسیحی علماء کہتے ہیں کہ ناثان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، متی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے آباء و اجداد بابل کی طرف جلاوطنی کے وقت تک سب مشہور بادشاہ رہے ہیں اور لوقا کی انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ سوائے داؤد کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ کوئی مشہور تھا، متی انجیل بتاتی ہے داؤد سے عیسیٰ تک ۲۶ نسلیں ہیں، لوقا انجیل میں ہے کہ داؤد سے عیسیٰ تک ۴۱ نسلیں ہیں، داؤد اور عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت ہے اگر ۲۶ پشتیں مانی جاتی ہیں تو ہر پشت کے لئے چالیس سال ہوتے ہیں اور اگر ۴۱ نسلیں مانتے ہیں تو ہر نسل کے لئے ۲۵ سال کی مدت بنتی ہے، دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، دونوں انجیلیں اگر الہامی ہیں تو دونوں میں اتنا بڑا اختلاف کیسے ہو سکتا ہے؟

قدیم مسیحی علماء حیرت زدہ ہیں اور بعض بڑے محقق قدیم علماء مسیحین جیسے اکہارن، کیسنر، دہیس، رڈبوت، دیز، فرش وغیرہ نے صاف اعتراف کیا ہے کہ یہ معنوی اختلاف ہے، جس طرح ان دونوں انجیلوں میں دوسری غلطیاں ہیں اسی طرح یہ بھی ایک غلطی ہے۔

اوم کلارک نے انجیل لوقا کے تیسرے باب کی شرح کرتے ہوئے کچھ توجیہات بھی پیش کی ہیں لیکن وہ اپنی پیش کردہ توجیہات پر خود مطمئن نہیں ہے، پھر

اس نے اپنی شرح کی پانچویں جلد کے صفحہ ۴۰۸ پر مسٹر ہارموسی کے بیان کردہ عذر کو پیش کیا ہے جو قطعاً قابل سماعت نہیں اوم کلارک کہتا ہے کہ ہارموسی نے اس اختلاف کے بارے میں یہ عذر پیش کیا کہ نسب نامہ کے اوراق اصل میں یہودیوں کے پاس رہتے تھے اور وہ اس کو زبانی یاد رکھتے تھے، عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھا یہی وجہ ہے کہ بیان نسب میں اختلاف ہے ہر اہل علم جانتا ہے کہ متی اور لوقا کے ''رب'' کے نسب کے بارے میں اختلاف ہے دونوں دو متضاد باتیں کہتے ہیں متاخرین مسیحی علماء جس کی وجہ سے حیرت زدہ ہیں جس طرح دونوں انجیلوں میں بہت سی قابل اعتراض باتیں ہیں جن پر لوگ اعتراض کرتے ہیں، نسب میں اختلاف نے معترضین کو اور بھی تقویت پہونچائی ہے، شاید اگلا زمانہ اس مسئلہ کو حل کردے۔

ظاہر ہے کہ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے متی اور لوقا دونوں کے بیانات میں جو اختلاف ہے اس سے پوری عیسائی دنیا کی زبان بند ہے محقق علماء کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں، متی کو جب خود اس کا علم نہیں تھا تو اس کے مترجم کو کہاں سے اس کا علم ہوسکتا تھا، جب کہ خود متیؔ کا کوئی نام تک نہیں جانتا اور پھر اس کا قابل اعتماد ہونا اور اس کا صاحب الہام ہونا کوئی ثابت کرے تو اس کی حماقت کا کیا جواب، لوقا بیچارا تو حواری بھی نہیں تھا اس کا صاحب الہام ہونا تو بہت دور کی بات ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب نسب نامہ کے اوراق منتشر ہو گئے تو کسی نے ایک ورق سے نقل کیا دوسرے کو دوسرا کوئی ورق مل گیا اس نے نقل کرلیا، جو کسی بھی تصنیف کو غیر مستند بنانے کے لئے کافی ہے، غرضیکہ دو انجیلوں کا باہم مختلف ہونا مسیحی علماء کی حلق کا کانٹا بن گیا اور ان کے پاس اس کا کوئی حل اور کوئی جواب نہیں، کیوں کہ دونوں بیان کا صحیح ہونا ممکن نہیں کسی ایک کا غلط ہونا لازمی ہے اور الہامی کتاب میں غلطی ممکن نہیں اس لئے یہ بات قطعی ہے کہ وہ الہامی کلام ہی نہیں ہے۔

عرصہ دراز کے بعد ایک توجیہ یہ کی گئی کہ متی نے یوسف کا نسب لکھا اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہے اور یوسف ہالی کا داماد ہے اور ہالی کے کوئی لڑکا نہیں تھا صرف ایک لڑکی مریم تھی تو داماد کو ہالی کی طرف منسوب کر کے اس کو نسب نامہ میں داخل کر دیا، اس توجیہ پر مولانا کیرانوی نے لکھا ہے کہ یہ توجیہ بھی مردود ہے خود عیسائی محقق علماء نے اس کو رد کر دیا ہے کیوں کہ اس توجیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ سلیمان کی اولاد میں سے نہیں ہیں، بلکہ ناثان کی اولاد میں سے ہیں، کیوں کہ یوسف نجار کا نسب نامہ ناثان سے ہے اگر یہ توجیہ قبول کرتے ہیں تو مسیح مسیح نہیں رہ جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ پروٹسٹنٹ جو عیسائیوں کا ایک بڑا فرقہ ہے اس کا ایک مشہور عالم کالوین اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو شخص مسیح کو سلیمان کے نسب نامہ سے نکالتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے نکال دیتا ہے کیوں کہ مسیح کا سلیمان کی اولاد ہونا ضروری ہے اگر سلیمان کی اولاد سے نہیں ہیں تو وہ مسیح بھی نہیں ہیں۔

مولانا آگے لکھتے ہیں کہ متی کا زمانہ لوقا سے بہت پہلے ہے یعنی متی کی انجیل پہلے سے موجود تھی اس کی موجودگی میں لوقا نے اپنی انجیل لکھی اور متی کے بیان کے خلاف کئی باتیں لکھیں اور لوقا کے لکھنے کے بعد کوئی شورش پیدا نہیں ہوئی کہ متی کی انجیل کے خلاف کیوں لکھا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوقا کے زمانہ میں متی کی انجیل کا اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، پھر مولانا نے دو انجیلوں میں دو زبردست اختلاف کی مزید مثالیں دی ہیں اور کہا کہ لوقا نے اپنی کتاب میں متیٰ کی انجیل کے قطعاً خلاف لکھا ہے آپ نے دونوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ کر کے مزید آٹھ مقامات ڈھونڈھ نکالے جہاں ایک انجیل میں دوسری انجیل کے خلاف لکھا گیا ہے اور پھر حوالوں سے اس کو ثابت بھی کیا ہے ظاہر ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔

یہ تو دو انجیلوں کے درمیان اختلاف کی مثالیں تھیں پھر آپ نے انجیل کی

آیتوں کو پیش کیا جو عہد نامہ قدیم کے خلاف ہیں اس طرح کے اختلافات کی بارہ مثالیں آپ نے پیش کی ہیں انجیل کا نام اور باب اور آیت کے حوالے کے ساتھ عہد قدیم کا مکمل حوالہ دے دیا ہے آپ نے کہا کہ عیسائی مفسرین نے ان اختلافات کو تسلیم کیا ہے اور صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ عبرانی نسخہ دراصل تحریف شدہ ہے۔

انجیلوں کے بیانات آپس میں مختلف اور متضاد ہیں ایک انجیل کچھ کہتی ہے دوسری انجیل اس کے برعکس بات کہتی ہے اس تضاد کی ۱۲۴ مثالیں مولانا نے پیش کی ہیں اور تمام انجیلوں کو کھنگھال ڈالا ہے، اس کے بعد آپ نے کتب مقدسہ میں تین طرح کے اغلاط پر روشنی ڈالی ہے اور ۱۱۰ غلطیاں دلائل کے ساتھ کتب مقدسہ کے مکمل حوالوں کے ساتھ آپ نے کتاب میں لکھی ہیں اور غلط ہونے کی دلیل دی ہے اور ثبوت میں مسیحی علماء ومفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

کتاب کے الہامی ہونے کا دعویٰ

ان تمام اغلاط اور غلط بیانیوں، تضاد بیانیوں اور ان اختلافات کے پیش نظر ان کتابوں کو الہامی کہنا یا اس کے الہامی ہونے کا دعوی کرنا کیا وزن رکھتا ہے، آپ نے لکھا ہے کہ متعدد وجوہ سے کتاب کے الہامی ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے، ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ان کتابوں میں صرف عبارتوں ہی کا اختلاف نہیں، ان کے معانی اور مضامین میں بھی اتنے اختلافات اور تضادات ہیں کہ خود عیسائی مفسرین اور قدیم مسیحی علماء حیران و پریشان ہیں اور مجبور ہو کر ان کو کہنا پڑا کہ فلاں کتاب کی عبارت صحیح ہے اور فلاں کتاب کی عبارت جھوٹی ہے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں جھوٹی عبارتیں ہیں ان کتابوں کے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی جھوٹا ہوگا دوسری بات یہ کہ کتب مقدسہ میں ایک سو سے زائد صریح غلطیاں ہیں یہ غلطیاں مضامین اور معانی میں ہیں، ایسی کتاب کو الہامی کہا جائے؟ یہ تو آنکھ میں دھول جھونکنا

ہے، کسی انسان کے کلام میں اتنی غلطیاں ہوں تو اس کی کتاب ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے چہ جائے کہ یہ کہا جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتب مقدسہ میں تحریف کر دی گئی ہے اس میں کچھ تحریفات تو جان بوجھ کر قصد وارادہ سے، اور بعض بے قصد وارادہ کی گئی ہیں اور تحریفات بیشمار ہیں جن سے خود عیسائیوں کو انکار کرنے کی ہمت نہیں ہے اور یہ تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جو تحریف والی عبارت ہے وہ الہامی نہیں ہے خود عیسائی بھی اس کو الہامی نہیں کہہ سکتے، میرے علم ومطالعہ میں اب تک ایک سو سے زائد تحریفات آچکی ہیں تلاش وجستجو کے بعد اور بھی دریافت کی جاسکتی ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم وعہد نامہ جدید کی بہت سی کتابوں کے الہامی ہونے سے خود عیسائیوں اور یہودیوں میں سے بہت سے علماء نے غیر مبہم لفظوں میں انکار کیا ہے جب کہ مذہب عیسوی میں ہر ایک کے الہامی ہونے کا عام عقیدہ ہے عہد قدیم میں سے کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب وزدم، کتاب ایکلیز یا ستیکیس اور مقابیین کی پہلی اور دوسری کتاب، کتاب استیر و کے دسویں باب کی دس آیتیں اور چھ ابواب گیارہویں باب سے سولہویں باب تک، غناء الاطفال الثلاثہ، کتاب دانیال کا تیسرا باب اور تیرہواں اور چودھواں باب یہ سب عہد نامہ قدیم کے اجزا ہیں ان کو الہامی نہیں مانا جب کہ عیسائیوں کا کیتھولک فرقہ ان کتابوں کو الہامی کہتا ہے اور پروٹسٹنٹ فرقہ ان تمام کتابوں کے الہامی ہونے سے شدت سے انکار کرتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں اور جمہور بھی ان کے الہامی ہونے کے قائل نہیں جب کہ یہ سب عرصۂ دراز تک الہامی کتابوں میں شامل مانی جاتی رہی ہیں۔

سفر عزرا ثالث بھی عہد قدیم میں شامل ہے لیکن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقے اس کے الہامی ہونے سے انکار کرتے ہیں، کتاب القضات کو ایک طبقہ الہامی

نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ یہ تو فنجاس کی تصنیف ہے اسی طرح ۱۸۱۹ء میں بائبل کو طبع کرنے والوں نے کتاب حزقیال کو بھی الہامی نہیں تسلیم کیا ہے، اسی طرح کتاب تحمیا کو بھی کچھ مسیحی علماء الہامی نہیں مانتے ہیں، خاص طور پر اس کتاب کے بارہویں باب کے آغاز کی ۲۶ آیتوں کے الہامی ہونے سے انکار کرتے ہیں، کتاب ایوب کو رب معانی، ویزہ، میکائیس، سیملر، استاک تھیو دوروا ور پروٹسٹنٹ فرقہ کے امام اعظم لوتھر الہامی نہیں مانتے ہیں، اسی طرح کتاب امثال سلیمان کے تیسویں باب اور اکتیسویں باب کو الہامی نہیں مانا جاتا ہے اور کتاب نشید الانشاد، تھیو دور، سیمن، ولیکٹرک، وسٹن سیملر اور کاستیلیو الہامی نہیں مانتے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عالم استاہلن جرمنی کتاب اشعیاء کے ستائیس بابوں کو الہامی نہیں مانتا ہے، عہد جدید میں انجیل متی کے بارے میں قدیم مسیحی علماء ومتاخرین سب یہ کہتے ہیں کہ یہ عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی، وہ ایسی گم ہوئی کہ پھر اس کا کوئی پتہ ہی نہیں چلا موجودہ انجیل متی اس کا یونانی ترجمہ ہے ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ الہامی نہیں اس لئے موجودہ انجیل متی کو الہامی کتابوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا یوحنا کی انجیل کے بارے میں استاندلن اور مشہور محقق برطشانیدر کہتے ہیں کہ یہ انجیل الہامی نہیں ہے عیسائیوں کا ایک فرقہ وجین برملا کہتا ہے کہ پطرس کا دوسرا رسالہ اور رسالہ یہودا، رسالہ یعقوب اور یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ اور یوحنا کی کتاب المشاہدات ان میں سے کوئی بھی الہامی نہیں ہے، یہ عیسائیوں کے اکثر علماء کی رائے ہے۔

عہد قدیم وعہد جدید کے الہامی ہونے ہی پر عیسائیت کی بنیاد ہے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ کتابیں الہامی نہیں ہیں بلکہ انسانوں کی لکھی ہوئی طبع زاد کتابیں ہیں تو پھر ان کی قدر و قیمت کچھ نہیں رہ جاتی ہے مولانا کیرانوی نے عیسائیوں کی درجنوں کتابوں کو جن کے الہامی ہونے کے وہ مدعی ہیں خود عیسائیوں اور یہودیوں کے اقوال

سے غیر الہامی ہونا ثابت کر دیا ہے۔

مولانا کیرانوی نے ان کی متعدد کتابوں کے غیر الہامی ہونے کی سترہ دلیلیں دی ہیں اور ثبوت میں عیسائیوں کے مشہور اور محقق علماء اور ان کے مفسرین کے اقوال پیش کیے ہیں جن سے کسی کو مجال انکار نہیں پوری بحث اظہار الحق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس بحث کے آخر میں جرمنی کے مشہور مسیحی عالم اکہارن جو متاخرین عیسائیوں کا قابل اعتماد محقق مانا جاتا ہے مولانا نے اس کے یہ اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ اصل انجیل گم ہو چکی ہے اس کا کہیں وجود نہیں ہے، ۲۔ موجودہ انجیلوں میں جھوٹی اور سچی دونوں طرح کی باتیں ملی جلی ہیں، ۳۔ دوسری صدی عیسوی میں انجیلوں میں کئی بار تبدیلیاں کی گئی ہیں، بہت سے مضامین بدل دیئے گئے ہیں، ۴۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا تھا جو آج کل مروج ہیں۔

تحریف

آپ نے لکھا ہے کہ تحریفات دو قسم کی ہیں لفظی اور معنوی اور دونوں طرح کی تحریفات بیشمار ہیں، دونوں قسم کی تحریفات کی آپ نے ایک سو مثالیں اور شہادتیں پیش کی ہیں ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کیرانوی کا مطالعہ کتنا وسیع اور گہرا ہے اور اس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے عہد قدیم وجدید کو حرفاً حرفاً پڑھ ڈالا ہے کیوں کہ تحریف کی صرف ایک قسم یعنی کسی عبارت میں ایک لفظ آیا ہے وہ سیاق وسباق کے لحاظ سے بہت اہم ہے اسی لفظ کو تحریف کرنے والوں نے بدل دیا اور اس کی جگہ وہ لفظ رکھ دیا جس سے پوری عبارت کا مفہوم بدل گیا جیسے ''اللہ'' کی جگہ ''مسیح'' لکھ دیا اس قسم کی تحریف کی ۳۵ مثالیں کتابوں سے ڈھونڈ کر آپ نے پیش کی ہیں، ہر جگہ

کتاب، باب اور آیت کا حوالہ دیدیا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جائے اس میں الفاظ کی تبدیلی کا ثبوت ایک دو بھی مل جائے تو اس کی قدر و قیمت خاک میں مل جاتی ہے چہ جائے کہ ۴۵ مقامات پر یہ چابک دستیاں کی گئیں یہ مثالیں عیسائیوں کی الہامی کتابوں میں سے کتاب الاستثناء، سفر التکوین، سفر صموئیل، اخبار الایام، الزبور الاربعین، کتاب القضاۃ، کتاب اشعیاء، کتاب ملاخیا، کتاب الخروج، کتاب الاخباء فی حکم السبت، کتاب الاعمال، رسالہ بولیس کتاب المشاہدات سے پیش کی گئی ہیں۔

پھر مولانا کیرانوی نے ایسی تحریفات کی مثالیں پیش کی ہیں جہاں اپنی طرف سے عبارت میں الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں اس اضافہ کیوجہ سے عبارت کا مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، اس طرح کی تحریفات کی ۴۵ مثالیں آپ نے دی ہیں ہر جگہ کتاب کا نام اور عبارت نقل کر دی ہے۔

تحریف کی اسی مثالیں پیش کرنے کے بعد جن کتابوں سے یہ مثالیں پیش کی ہیں عیسائیوں کے نزدیک ان کی قدر و قیمت پر تفصیل سے بحث کی ہے ان کے اعتبار و استناد پر روشنی ڈالی ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہدے کہ ان کتابوں میں سے بعض کتابوں کو ہم الہامی نہیں مانتے ہیں اس لئے ان تحریفات سے ہماری الہامی کتابوں کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے آپ نے لکھا ہے کہ عہد عتیق کی درج ذیل کتابیں مختلف فیہ ہیں، کتاب استیر، کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب وزدم، کتاب بلکیز، باستیکس، مقابیین کی پہلی اور دوسری کتاب، یہ آٹھ کتابیں ہیں مختلف دور میں ان کی مختلف حیثیتیں رہی ہیں کبھی معتبر رہیں اور کبھی غیر معتبر، عیسائیوں کے نزدیک ۳۲۴ء تک مشکوک اور غیر مقبول تھیں، پھر اسی سال قسطنطین بادشاہ کے حکم سے مسیحی علماء کی کانفرنس ہوئی اس کانفرنس میں طے کیا گیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم

ہے باقی سات کتابیں مشکوک ہیں، کتاب یہودیت پر جیروم نے جومقدمہ لکھا ہے اس میں یہ وضاحت کی ہے اس کے بعد ۳۶۴ء میں دوسری کانفرنس بلائی گئی جس میں مسیحی علماء نے طے کیا کہ کتاب یہودیت اور کتاب استیر دونوں معتبر اور مستند کتابیں ہیں اور باقاعدہ اس کا اعلان کیا گیا، پھر ۳۹۷ء میں کارتھیج کا سمینار ہوا جس میں ۱۲۷ مسیحی علماء شریک ہوئے جو اس دور کے ممتاز و مشہور علماء تھے اس دور کا سب سے بڑا عالم اگستائن بھی اس سمینار میں شریک ہوا تھا، اس سمینار میں بلا اختلاف ساری کتابوں کو معتبر تسلیم کرلیا گیا البتہ کتاب باروخ کو علاحدہ مستقل کتاب نہیں تسلیم کیا گیا بلکہ اس کو کتاب ارمیا کا ضمیمہ مانا گیا اس لئے سمینار نے آٹھ کے بجائے سات کتابوں کو شمار کیا ہے اور سب کو معتبر و مستند تسلیم کیا ہے۔

پھر مولانا کیرانوی نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مختلف سالوں میں تین کانفرنسیں اور ہوئیں آخری کانفرنس میں مذکورہ بالا آٹھوں کتابوں کو بالاتفاق مستند اور معتبر مان لیا گیا اور ان کو الہامی تسلیم کرلیا گیا اور ان کتابوں کے حوالے دیئے جانے لگے اور عیسائیوں میں ان کو مقبولیت عامہ حاصل ہوگئی۔

۱۲۰۰ء میں عیسائیوں میں ایک فرقہ پروٹسٹنٹ پیدا ہوا اور اس نے بتدریج بہت طاقت پکڑی اس کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور پوری عیسائی دنیا دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ یہ تقسیم آج تک قائم ہے۔

پروٹسٹنٹ فرقہ کا نظریہ

اس فرقہ نے مذکورہ بالا آٹھوں کتابوں کے بارے میں اپنا نظریہ پہلے کے فیصلوں سے جداگانہ رکھا اس کا خیال ہے کہ کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت کتاب وزدم، کتاب بالکیو باستیکس اور مقابیین کی دونوں کتابیں الہامی نہیں ہیں، بلکہ یہ سب ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کے لائق ہیں، صرف کتاب استیر کے

بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ یہ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے، اس کے ابتدائی نو باب اور دسویں باب کی ابتدائی تین آیتیں قابل تسلیم ہیں بقیہ کتاب قابل اعتبار نہیں ہے مشہور عیسائی مورخ یوسی بیس نے اپنی چوتھی کتاب کے اٹھائیسویں باب میں صراحت سے لکھا ہے کہ یہ ساری کتابیں اور خاص طور پر مقابیین کی دونوں کتابیں ایک دم محرف ہیں ان کا کوئی جزء قابل اعتبار نہیں ہے، اس کے برعکس رومانیہ کا کلیسا آج تک ان کو واجب التسلیم اور الہامی مانتا ہے اور اس کے مذہب کی بنیادی کتابوں میں شامل ہیں۔

سب نا قابل اعتبار

مولانا کیرانوی نے اس پوری تاریخ سے یہ نتیجہ نکالا کہ تحریفات کا الگ الگ ثبوت فراہم کرنے سے کہیں بڑا ثبوت تو خود یہی تاریخی حقیقت ہے کہ یہ کتابیں ۳۲۴ء تک ایک دم محرف، نا قابل اعتبار، اغلاط سے پر اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کے لائق مانی جاتی رہیں اور پوری عیسائی دنیا اس پر متفق تھی پھر مختلف مجلسیں منعقد کر کے انھیں کتابوں کو پھر عیسائی دنیا نے واجب التسلیم مان لیا اور ان کو الہامی کتابوں میں شمار کرلیا اور ہزاروں مسیحی علماء نے صدیوں تک ان کتابوں کو برحق، سچی اور الہامی مانا اور آج بھی ان کے بعض فرقے الہامی تسلیم کرتے ہیں اگر کسی بھی الہامی کتاب کی یہ تاریخ رہی ہو تو وہ کتاب کس قدر رو قیمت کی رہ جاتی ہے یہ تو پتھر کی مورتی ہوگئی کبھی اٹھا کر نجاست میں پھینک دی اور کبھی اسی کی پوجا کرنے لگے۔

تحریفات کی مزید شہادتیں

عیسائیوں کی الہامی کتابوں میں عبارت کے اضافہ والی تحریفات کی ۴۵ شہادتیں دینے کے بعد آپ نے ان کتابوں کے ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں پورا پورا جملہ حذف کردیا گیا ہے یعنی پہلے جو عبارت تھی آج وہ عبارت ان کتابوں سے

غائب ہے، ایسی بیس مثالیں آپ نے پیش کی ہیں اس سلسلہ میں آپ نے سفر خلیقہ، سفر تکوین، سفر خروج، سفر العدد، کتاب القضاۃ، کتاب ایوب، زبور، کتاب اشعیاء، انجیل لوقا اور انجیل متی کے حوالے دیئے ہیں، اس طرح مجموعی طور پر الفاظ بدل دینے کی ۳۵ مثالیں، الفاظ بڑھانے کی ۴۵ مثالیں اور جملے حذف کر دینے کی بیس مثالیں کل ایک سو تحریفات کی شہادت اور ثبوت مع حوالہ پیش کئے ہیں۔

اعترافات

اس کے بعد آپ نے مشہور عیسائی علماء، مفسرین، مترجمین، مورخین کی کتابوں سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں جن میں ہر ایک نے اپنی کتابوں میں صاف طور پر قرار کیا ہے کہ ہم نے جس کتاب کی تفسیر لکھی ہے، یا ہم نے جس کتاب کا یہ ترجمہ کیا ہے یا ہم جس کتاب کی تاریخ بیان کرر ہے ہیں ان میں بہت سی اختلافی آیتیں ہیں اور مختلف عبارتیں ہیں اور بہت سی تحریفات ہو چکی ہیں، آپ نے ہر مفسر، مترجم، اور مورخ کا نام اس کی کتاب کا نام جلد، صفحہ کا پورا پورا حوالہ دیا ہے جو اصل کتاب اظہار الحق میں دیکھا جاسکتا ہے۔

نسخ کا مسئلہ

پادری فنڈر سے مناظرہ میں پانچ مسئلے موضوع مناظرہ تھے جن میں پہلا مسئلہ یہی نسخ کا تھا، اور سب سے پہلے اسی مسئلہ پر مباحثہ ہوا، پادری فنڈر اور اس کے معاون پادری نسخ کا ایک خود ساختہ مفہوم اپنے ذہن میں رکھتے تھے اس لئے وہ کہتے تھے کہ کلام الٰہی میں نسخ قطعی ناممکن اور ممتنع ہے، اس سے خدا کی جہالت لازم آتی ہے یہ تو انسانی اوصاف کو بھی داغدار بنا سکتا ہے خدا کی ذات اس سے منزہ ومبرا ہے کہ وہ کوئی حکم دے بعد میں اس کی غلطی یا عدم افادیت ظاہر ہو تو اس کو منسوخ کر کے دوسرا حکم دیدے، مسلمانوں کی اصطلاح میں نسخ کا جو مفہوم ہے اس کو عیسائیوں نے سمجھا ہی

نہیں تھا اظہار الحق میں مولانا کیرانوی نے نسخ کے اصطلاحی مفہوم کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور ایک محقق عالم اسلام کی طرح اس کا ایک جامع مانع مفہوم بتایا ہے جس سے پادریوں کے سارے اعتراضات ازخود ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں نسخ کی اصطلاح

آپ نے بتایا کہ اہل اسلام کی اصطلاح میں نسخ کا ایک خاص مفہوم ہے انسان کو جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی مدت عمل کے ختم ہونے کو نسخ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی لئے قصص میں نسخ نہیں ہوتا یا ایسے امور جو عقلی اور قطعی ہوں جیسے صانع عالم موجود ہے یا ایسے امور جن کا تعلق محسوسات سے ہو جیسے دن کی روشنی، رات کی تاریکی اسی طرح دعاؤں میں یا ایسے امور میں جو اپنی ذات کے اعتبار سے واجب ہوں ان تمام امور میں نسخ نہیں ہوتا ہے جیسے ﴿**امنوا ولا تشركوا**﴾ نہ ان احکام میں نسخ ہوتا ہے جو دائمی ہوں جیسے ﴿**لا تقبلوا لهم شهادة ابدا**﴾ اور نہ ان احکام میں نسخ ہوتا ہے جن کا وقت مقرر کر لیا گیا ہو جب تک کہ وہ وقت نہ آ جائے جیسے ﴿**فاعفوا واصفحوا حتى ياتي امر الله**﴾ نسخ صرف ان احکام میں ہوتا ہے جن کا تعلق عمل سے ہو وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور وہ دائمی نہ ہوں اور ان کا کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو ان کو احکام مطلقہ آپ کہہ سکتے ہیں، اسلام میں نسخ کا یہ مفہوم قطعی نہیں کہ اللہ نے کوئی حکم دیا یا کسی چیز سے منع کیا پھر اس کے خیال میں تبدیلی آ گئی اور اس نے اپنے پہلے حکم کو ختم کر دیا، اس سے تو ذات الٰہی میں نعوذ باللہ جہل کا اتہام لازم آتا ہے، یا خدا نے کوئی حکم دیا پھر اس کی جگہ بلا وجہ کوئی دوسرا حکم دیدیا، یہ تو انتہائی قبیح ترین خیال ہے اور اللہ کی ذات ان تمام عیوب سے منزہ ومبرا اور پاک ہے، جن احکام میں نسخ ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی موسم گرما میں صحن میں پانی چھڑکاؤ کیلئے کوئی ملازم رکھے، جب گرمی کا موسم ختم ہو جائے گا وہ ملازمت ازخود ختم ہو جائے گی، یا

اس کی مثال معالج اور ڈاکٹر کی دواؤں کے نسخے کی ہے پہلے کوئی دوا تجویز کی ایک ہفتہ کے بعد اس کی جگہ دوسری دوائیں تجویز کیں کیوں کہ اب پہلے نسخہ کی دواؤں کی ضرورت نہیں رہی، اب کوئی شخص ڈاکٹر اور حکیم کے دواؤں کے بدلنے یا نسخہ تبدیل کرنے پر الزام نہیں دیتا کیوں کہ وہ مریض اور مرض کو آپ سے بہتر سمجھتا اور جانتا ہے۔

جھوٹے افسانے

چونکہ عیسائی نسخ کو ممتنع مانتے ہیں اس لئے آپ نے انبیاء سابقین کے زمانے میں احکام میں جو تبدیلیاں ہوتی رہیں کہ ایک زمانہ میں کوئی حکم تھا دوسرے نبی کے زمانے میں دوسرا حکم آ گیا، اس کی بہت سی مثالیں عہد قدیم و جدید کی کتابوں سے آپ نے پیش کی ہیں اور ہر جگہ پورا پورا حوالہ موجود ہے۔

اہل اسلام واقعات و قصص میں نسخ نہیں مانتے ہیں مگر عہدِ عتیق میں جو بے سرو پا قصے لکھے گئے ہیں اہل اسلام کا ان کے بارے میں یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے، واہیات بیہودے، لغو اور بد دین افترا پردازوں کے گھڑے ہوئے ایمان سوز افسانے ہیں، اس کا ذکر بھی مسلمان جائز نہیں سمجھتے، وہ کافرانہ وملحدانہ افکار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے بے بنیاد من گڑھنت قصے ہیں اور جن پیغمبروں کی طرف ان کو منسوب کیا گیا ہے ان کی ذات اور ان کا دامن پاک وصاف ہے نقل کفر کفر نہ باشد مثلاً حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی دونوں لڑکیوں سے زنا کیا اور ان دونوں کو حمل ہو گیا جیسا کہ سفر تکوین کے انیسویں باب میں مفصل بیان کیا گیا ہے، یا یہ قصہ کہ یہودا بن یعقوب نے اپنے بیٹے کی بیوی شامار سے زنا کیا اور اسی زنا کی وجہ سے اس کو حمل ہو گیا اور اس کے دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوئے ایک کا نام فارض دوسرے کا زارخ رکھا گیا یہ قصہ سفر تکوین کے اڑتیسویں باب میں لکھا ہوا ہے، فارض کو ولد الزنا ثابت کیا گیا اور

اسی کی نسل سے حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بتایا گیا جیسا کہ انجیل متی کے پہلے باب میں صاف صاف لکھا ہوا ہے، یا یہ قصہ کہ داؤد علیہ السلام نے اوریاؔ کی بیوی سے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے اس کو حمل ٹھہر گیا اور اس کے شوہر کو سازش کر کے مروا دیا اور اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا جیسا کہ سفر صموئیل ثانی کے گیارھویں باب میں مذکور ہے، یا یہ قصہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں مرتد ہو گئے تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے اور گھر میں بت خانہ بنالیا تھا جیسا کہ سفر الملوک اول کے گیارھویں باب میں یہ داستان لکھی ہوئی ہے یا یہ قصہ کہ ہارون علیہ السلام نے گئوسالہ کی پرستش کے لئے ایک عبادت گاہ بنائی تھی خود اس کی پرستش کرتے تھے اور بنی اسرائیل کو بھی اس کی پرستش کا حکم دیتے تھے جیسا کہ سفر خروج کے بتیسویں باب میں صراحت کیساتھ لکھا ہوا ہے۔

اس طرح کے سارے بیہودہ قصے عہد قدیم و جدید کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں یہ سب کے سب قطعاً جھوٹے، بے بنیاد ہیں، ہم ان کو منسوخ کب کہتے ہیں، ہم اس طرح کے ایمان سوز قصوں کے گڑھنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں، ہمارے یہاں یقیناً قصص میں نسخ نہیں ہے لیکن اس قصہ کا وجود ہونا چاہئے یہاں تو ان کے وجود کا سوال ہی نہیں یہ تو بدبختوں کے دماغ کی اختراع ہے خارج میں ان کا وجود کہاں تھا؟

قدیم شریعتوں کے سارے احکام منسوخ نہیں

پھر آپ نے اہل اسلام کی اصطلاح کے مطابق نسخ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ شریعت محمدیہ میں تورات وانجیل کے بہت سے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں لیکن یہ بات نہیں کہ سارے کے سارے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں، توریت کے بہت سے احکام شریعت محمدیہ میں آج بھی موجود ہیں بلکہ اسلام نے اس کی تاکید میں اور اضافہ کیا ہے مثلاً توریت میں جھوٹی قسم کھانا، قتل،

زنا، لواطت، چوری، جھوٹی گواہی، پڑوسی کے مال میں خیانت، والدین کا اکرام و احترام، باپ کی منکوحہ یا بیٹے کی منکوحہ کی حرمت، ماں، بیٹی، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کی حرمت اور جمع بین الاختین وغیرہ احکام ہیں جو شریعت اسلامیہ میں علی حالہ باقی رکھے گئے ہیں۔

اسی طرح انجیل کے بعض احکام کو شریعت اسلامیہ نے باقی رکھا ہے، مثلاً انجیل مرقس کے بارہویں باب کی انتیسویں آیت میں ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلا بنیادی حکم یہ ہے کہ ہمارا رب اے بنی اسرائیل ایک ہے، تیسویں آیت میں ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل اپنی روح اپنے ادارک اپنی قوت سے معبود مانو، اسی طرح یہ آیت ہے کہ پڑوسی سے اسی طرح محبت کرو جیسے خود سے محبت کرتے ہو، یہ احکام ہماری شریعت میں اسی طرح ہیں بلکہ اس میں مزید تاکید بھی کی گئی ہے، یہ احکام قطعاً منسوخ نہیں ہیں، پھر آپ نے مثال دے کر سمجھایا ہے کہ پہلے کی شریعتوں میں بھی اسی طرح ہوتا رہا ہے کہ پہلے کے بعض احکام منسوخ ہوئے اور کچھ احکام کو علی حالہ باقی رکھا گیا پھر آپ نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔

ناقابل انکار ثبوت

مثلاً سفر تکوین کے ۲۹ ویں باب میں ہے کہ یعقوب نے اپنے ماموں کی دو لڑکیوں سے نکاح کیا جب کہ دونوں بہنیں تھیں ایک کا نام لیّا اور دوسری کا راحیل تھا، یعقوب کی شریعت میں جمع بین الاختین جائز تھا اس لئے یہ نکاح صحیح تھا البتہ شریعت موسویہ میں حرام ہے کیوں کہ سفر اخبار ۱۸ ویں باب کی ۱۸ ویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اپنی بیوی کی بہن سے نکاح مت کرو جب تک وہ حیات ہے اگر یعقوب کی شریعت میں یہ جائز نہ ہوتا تو وہ کیسے جمع بین الاختین کا گناہ کرتے اگر تم اس نکاح کو حرام کہتے ہو تو سمجھ لو کہ اس سے اولاد بھی ناجائز ہوگی العیاذ باللہ اگر یعقوب کی شریعت میں اس کو

جائز نہیں مانا جائیگا اور ان کی اولاد کو اولاد الزنا کہا جائیگا تو بہت سے انبیاء بنی اسرائیل انھیں کی نسل سے ہیں، سوچ لو، بات کہاں سے کہاں پہونچ جائیگی اس لئے معلوم ہوا کہ جمع بین الاختین یعقوب کی شریعت میں جائز تھا اور شریعت موسوی نے اس کو منسوخ کردیا اور اس کو حرام قرار دیا۔

مثلاً عمران کی بیوی یوخابذ، ان کی پھوپھی تھیں ان سے شادی کی تھی ظاہر ہے کہ ان کی شریعت میں پھوپھی سے نکاح جائز رہا ہوگا جب کہ شریعت موسوی میں پھوپھی سے نکاح حرام ہے جیسا کہ سفر الاخبار کے ۱۸ ویں باب کی بارہویں آیت میں ہے اگر شریعت موسوی سے پہلے یہ نکاح نہ رہا ہوتا تو عمران پھوپھی سے کیوں نکاح کرتے اگر تم اس کو حرام کہوگے تو سمجھ لو کہ موسیٰ اور ہارون اور ان کی بہن مریم نعوذ باللہ اولاد الزنا ثابت ہوجاتے ہیں اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ پہلے نبی کی شریعت کے اس حکم کو بعد کے نبی کی شریعت نے منسوخ کردیا۔

مثلاً شریعت موسوی میں جائز تھا کہ کسی بھی علت کی وجہ سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا اور دوسرا شخص اس سے شادی کرسکتا تھا جیسا کہ کتاب الاستثناء کے ۲۴ ویں باب میں صراحتاً موجود ہے برخلاف اس کے مذہب عیسوی میں سوائے زنا کی علت کے اور کسی وجہ سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا اور اگر طلاق دیگا اور اس مطلقہ عورت سے کسی نے شادی کی تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا اور زانی کہا جائیگا معلوم ہوا کہ شریعت موسوی کا یہ حکم شریعت عیسوی نے منسوخ کردیا۔

یوم سبت کے احترام کی منسوخی

یوم السبت کا احترام شریعت موسوی میں ابدی تھا جیسا کہ کتاب الاخبار کے ۲۳ ویں باب کی آیت ۱۴-۲۱-۳۱-۴۱ میں صراحتاً موجود ہے کسی کے لئے اس دن کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں تھی اگر اس دن کا احترام نہیں کیا اور کوئی ذاتی کام کیا تو

وہ واجب القتل ہو جاتا تھا مولانا کیرانوی نے اس سلسلہ میں سفر تکوین، سفر خراج، سفر اخبار، کتاب ارمیا، کتاب الاستثناء، کتاب اشعیاء، کتاب نحمیا، کتاب حزقیال کے بابوں اور آیتوں کے حوالے دیئے ہیں جن میں یوم السبت کو عبادت الٰہی کے لئے خاص کیا گیا ہے کوئی گھریلو یا ذاتی کام نہیں کیا جا سکتا تھا حتی کہ گھروں میں اس دن آگ جلانے کو بھی منع کیا گیا تھا اس سلسلہ میں اتنی سختی تھی کہ ایک شخص میدان میں لکڑیاں چن رہا تھا اور وہ سنیچر کا دن تھا اس کو پکڑ کر موسیٰ اور ہارون کے پاس لے گئے، حکم ہوا کہ اس کو سنگسار کر دو اور قتل کر دو چنانچہ اس کو رجم کر کے قتل کر دیا گیا یہ پورا واقعہ سفر عدد کے ۱۵ ویں باب میں مذکور ہے۔

اس کے برعکس دین مسیحی میں تعظیم سبت کا حکم منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے پانچویں باب کی ۱۶ ویں آیت میں ہے کہ تعظیم سبت سے انکار کی وجہ سے یہودی عیسیٰ مسیح کے دشمن ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے کیوں کہ مسیح سنیچر کے دن ایسے تمام کام کرتے تھے جو شریعت موسوی میں ممنوع تھے یوحنا کی انجیل کے نویں باب کی ۱۶ ویں آیت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے کہ مسیح نے تعظیم سبت سے انکار کیا ہے، آیت میں ہے کہ فریسیس ہی سے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آدمی (مسیح) اللہ کا پیغمبر نہیں ہے کیوں کہ وہ سبت کا احترام نہیں کرتا ہے معلوم ہوا کہ عیسیٰ مسیح نے شریعت موسوی کے اس حکم کو منسوخ کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اس دن کا احترام نہیں کرتے تھے، اسکی تائید میں آپ نے بولس، دوانی، رچرڈ ڈینٹ وغیرہ کی کتابوں سے ان کے صریحی اقوال نقل کئے ہیں، جو مسیحیت میں بلند مقام رکھتے ہیں۔

نسخ کی مزید شہادتیں

مثلاً دین ابراہیمی میں ختنہ کرنے کا تاکیدی حکم تھا اور یہ حکم ابدی تھا اور اس حکم پر ہمیشہ عمل کیا جائیگا جیسا کہ سفر تکوین کے ۱۷ ویں باب میں مذکور ہے، یہی وجہ ہے کہ

ختنہ کا طریقہ اولاد اسماعیل و اسحٰق علیہما السلام میں ہمیشہ رہا خود موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ حکم باقی رکھا گیا جیسا کہ سفر اخبار کے ۱۸ویں باب کی تیسری آیت کے الفاظ ہیں کہ آٹھویں دن بچہ کا ختنہ کردیا جاتا ہے خود عیسیٰ مسیح نے ختنہ کرایا جیسا کہ لوقا کی انجیل کے دوسرے باب کی ۲۱ویں آیت میں ہے، اس کا مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ آج تک عیسائیوں کے نزدیک بھی ایک خاص عبادت ہے اور یوم ختان عیسیٰ کے نام سے ادا کی جاتی ہے اس ختنہ کے دن کی یہ عبادت یادگار ہے اور یہ حکم حضرت عیسیٰ کے اس دنیا سے جانے کے وقت تک باقی رہا، خود عیسیٰ مسیح نے اس کو منسوخ نہیں کیا، ان کے بعد ان کے حواریوں نے اپنے زمانہ میں اس حکم کو منسوخ کردیا جیسا کہ کتاب اعمال الحوارییں کے ۱۵ویں باب میں مذکور ہے۔

اس طرح حواریوں نے عیسیٰ مسیح کے بعد باہمی مشورے کرکے توریت کے بہت سے احکام کو منسوخ کردیا، مگر چار حکموں کو باقی رکھا تھا، بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور، قتل، گلا گھونٹا ہوا جانور، اور زنا شریعت موسوی میں حرام تھے مسیحیت میں بھی اس کو حرام ہی رکھا گیا تھا جیسا کہ "اعمال الحوارییں" کے ۱۵ویں باب میں ہے کہ یہ چاروں چیزیں حرام ہیں، اس حکم کے باقی رکھنے کا مقصد حواریوں کے نزدیک یہ تھا کہ یہودیوں کو مسیحیوں سے جو نفرت ہے وہ کچھ کم ہوجائے مگر بعد میں ان کو بھی پاپائے مقدس بولیس نے ابتدائی تینوں چیزوں کی حرمت کو ختم کرکے صرف زنا کی حرمت کو برقرار رکھا، جمہور پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائی اس پر متفق ہیں۔

مولانا کیرانوی نے انبیاء سابقین کی شریعتوں میں نسخ کی اکیس شہادتیں اور مثالیں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک نبی کے حکم کو بعد کے نبی نے منسوخ کیا ہے اور خود عیسائیت نے بہت سے حکموں کو منسوخ کردیا ہے جیسا کہ مثالوں سے واضح ہو چکا ہے اس لئے عیسائیوں کا یہ کہنا کہ الہامی کتابوں میں نسخ ممتنع اور محال ہے

ایک مہمل دعویٰ ہے خود ان کی کتابیں ان کی تکذیب کرتی ہیں، اہل اسلام کا یہ دعویٰ کہ قرآن نے سابقہ شریعتوں کے احکام منسوخ کردیئے ہیں اب صرف قرآنی احکام ہی پرعمل کر کے نجات مل سکتی ہے تو عیسائیوں کو مسلمانوں کے اس دعوے پر حیرت کیوں ہے۔

ایک ہی شریعت میں حکموں کی منسوخی

اس کے بعد مولانا کیرانوی نے ایک ہی شریعت میں مختلف اوقات میں مختلف حکم دیئے گئے ہیں بعد والے حکم کے ذریعہ پہلے کا حکم منسوخ کردیا گیا ہے اس کی بھی آپ نے عہد قدیم وجدید سے بارہ ثبوت اور شہادتیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسی شریعت میں کوئی حکم تھا اب اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، اس طرح نسخ کا ہر مرحلہ میں ثبوت ملتا ہے، خلاصہ یہ کہ احکام میں تبدیلی مصلحت خداوندی ہے جو ہر دور میں انبیاء کے ذریعہ ہوتی رہی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا مبارک دور آیا جس نے تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کردیا۔

ابطال عقیدہ تثلیث

مناظرہ کا تیسرا موضوع الوہیت مسیح اور عقیدہ تثلیث تھا اگرچہ دو دن کے اس مناظرہ میں اس مسئلہ پر گفتگو کی نوبت نہیں آسکی لیکن جب آپ نے اظہار الحق لکھنی شروع کی تو اس مسئلہ کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر کے عیسائیت کو بتادیا کہ تثلیث کا عقیدہ کفر وشرک کی ایک قسم ہے جب کہ تمام انبیاء ورسل کا عقیدہ توحید تسلیم شدہ اور ثابت ہے کسی نبی نے اس کے خلاف کبھی کوئی حکم نہیں دیا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے امتیوں کو توحید کی تعلیم دی تھی جیسا کہ اس سے قبل ایک موقعہ پر عیسیٰ مسیح کا وہ قول ذکر کیا گیا ہے پھر آپ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

ضروری وضاحتیں

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے آپ نے بارہ توضیحات پیش کی ہیں جن سے اصل مسئلہ سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے آپ نے لکھا ہے کہ عہد عتیق کی ساری کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوسکتی، ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں، جسم، شکل سے بری اور منزہ ہے یہ سب باتیں تسلیم شدہ ہیں اس لئے ان پر دلائل کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات یہ کہ یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت حرام ہے تورات کی متعدد آیتوں میں نہایت صراحت سے یہ بات کہی گئی ہے مثلاً سفر خروج کے ۲۰ ویں اور ۳۴ ویں باب میں ہے اور سفر استثناء کے ۱۳ ویں باب میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مدعی نبوت غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے تو اس کو قتل کردیا جائیگا اگرچہ اس سے بڑے بڑے خوارق عادات امور کا ظہور ہی کیوں نہ ہو اسی کے مثل ۱۷ ویں باب میں ہے کہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ فلاں شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس کو سنگسار کیا جائیگا چاہے مرد ہو یا عورت۔

تیسری بات یہ کہ عہد قدیم کی کتابوں میں بے شمار مقامات پر اللہ کے لئے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، پشت، پیٹ، بازو وغیرہ اعضاء کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں آپ نے سفر تکوین کے پہلے باب کی ۲۶ - ۲۷ ویں آیت کو پیش کیا ہے اسی کتاب کے نویں باب کی آیت ۶ میں اللہ کی شکل کا ذکر ہے، کتاب اشعیاء کے ۵۹ ویں باب کی ۱۷ ویں آیت میں سر کا ذکر ہے، اسی طرح آپ نے عہد قدیم کی کتابوں میں سے کتاب دانیال، زبور ثالث، کتاب الخروج، زبور ۳۳، سفر الملوک، کتاب اولیاء، کتاب ایوب، کتاب الامثال، زبور ۱۰ ازبور ۱۷ سفر الاستثناء، زبور ۲، اعمال الحواریین کے حوالوں سے اور بعض کتابوں کے متعدد ابواب وآیات سے ثبوت پیش کیا ہے جن میں اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل توریت میں تنزیہ کا بھی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ

جسمانیت، شکل وصورت سے منزہ و پاک ہے، سفر استثناء کے چوتھے باب کی ۱۵ویں آیت میں ہے کہ خدا نے آگ کے اندر سے تم سے بات کی، تم نے اس کی آواز سنی، لیکن اس کی شبیہ نہیں دیکھی اسی طرح دوسری آیت میں بھی یہی مفہوم ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا جسم، اعضاء، جوارح، شکل وصورت سے منزہ ہے، یہ عقل وفہم سے قریب تر بات ہے خدا کی ذات کا علم حاصل کرنے کے لئے صرف برہان عقلی ہے اسی لئے یہ عقیدہ عہد قدیم کی کتابوں سے صحیح ترین معلوم ہوتا ہے اور سارے نبیوں کی یہی تعلیم بھی رہی ہے اس لئے جن کتابوں میں اللہ کے لئے جسم اور اعضا کا ذکر ہے ان کی تاویل کی جاتی ہے ان کو حقیقی اور لغوی معنی پر حمل نہیں کیا جاتا اسی طرح خدا مکان سے بھی بے نیاز ہے وہ محدود نہیں لامحدود ہے یہ مسئلہ بھی عہد قدیم وجدید کی کتابوں سے ثابت ہے جیسے کتاب الخروج کتاب العدد سفر استثناء، سفر صموئیل ثانی، سفر الملوک اول، زبور ۹ زبور ۶۷ زبور ۱۰۰، کتاب یوئیل، کتاب زکریا، انجیل متی میں صاف اور واضح لفظوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کا اثبات کیا گیا ہے، صرف چند آیتوں میں اس سے انکار کیا گیا ہے، اور مکان سے مبرا ومنزہ بتایا گیا ہے جیسے کتاب اشعیاء ۶۶ ویں باب کی آیت ایک اور دو میں ہے اور اعمال الحواریین کے ساتویں باب کی ۱۸ویں آیت میں مکان سے مبرا بتایا گیا ہے، اس طرح کی چند آیتوں میں خدا کی ذات کی معرفت کے لئے برہان عقلی موجود ہے اسی لئے اس کا اعتبار کیا گیا اور بیشمار آیات ہیں جن میں مکان کا اثبات کیا گیا ہے ان تمام کی تاویل کی جاتی ہے کیوں کہ اس کی کوئی توجیہ عقل میں آنے والی نہیں اور تمام اہل کتاب اس مسئلہ میں ہم سے متفق ہیں اور وہی تاویل کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں، ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اگر بہت سی باتیں برہان عقلی کے خلاف ہوں اور کم باتیں برہان عقلی کے مطابق ہوں تو کثیر کو اسی قلیل کے مطابق تاویل کر کے بنایا جائیگا کثرت کا لحاظ نہ ہوگا۔

چوتھی بات یہ کہ خداوند قدوس کی کوئی شکل وشبیہ نہیں اور اس دنیا میں خدا کو دیکھنا ممکن نہیں ہے جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی ۱۸ ویں آیت میں ہے، اللہ وہ ہے جس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے، تیموٹارس کے پہلے رسالہ کے چھٹے باب کی ۱۶ ویں آیت میں ہے انسانوں میں سے کسی نے اس کو دیکھا نہیں ہے اور نہ اس کو دیکھنے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح یوحنا کے رسالہ کے چوتھے باب کی بارہویں آیت میں ہے اللہ وہی ہے جس کو کسی نے نہیں دیکھا، ان حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا وہی ہوسکتا ہے جس کو دیکھا نہ جاسکے اس طرح بارہ توضیحات کے بعد جو درحقیقت ابطال تثلیث کے لئے مقدمات ہیں آپ نے براہ راست تثلیث کے ابطال پر گفتگو کی ہے۔

تثلیث کیوں باطل ہے؟

عیسائی کہتے ہیں کہ توحید بھی حقیقی ہے اور تثلیث بھی حقیقی ہے تو سوال یہ ہے کہ جب تثلیث حقیقی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کثرت حقیقی ہے اور جب کثرت حقیقی ہوگئی تو توحید حقیقی کا ثبوت کہاں سے ہوگا اگر ہم دونوں کو حقیقی فرض کرلیں تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اور جب واجب الوجود کی ذات میں تعدد لازم ہوگیا تو توحید حقیقی کا وجود قطعی طور پر ختم ہوجائیگا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ تثلیث کا قائل موحد ہوہی نہیں سکتا بلکہ وہ مشرک ہوگا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اجتماع ضدین غیر واجب میں محال ہے خود ذات واجب الوجود میں محال نہیں تو یہ سراسر فریب اور دھوکہ کی بات ہے، جب یہ ثابت ہوگیا کہ دو چیزیں جو اپنی ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد حقیقی ہیں اور فی نفس الامر ایک دوسرے کی نقیض ہیں تو امر واحد میں ان دونوں کا اجتماع ناممکن ہے، زمانۂ واحد میں جہت واحد کے ساتھ چاہے وہ واجب ہو یا غیر واجب اجتماع نقیضین محال ہی

رہیگا، اور پھر جب وہ واحد حقیقی ہے تو اس کے لئے ثلث (تہائی) کا ہونا صحیح نہیں ہوسکتا، اگر وہ ثلث ہے تو واحد حقیقی کہاں رہا۔

پھر تین تو تین اکائیوں کے مجموعہ کا نام ہے اور واحد حقیقی وہ اکائیوں کا مجموعہ نہیں ہوسکتا اور اگر واحد حقیقی تین کا ایک جز ہے تو اگر واحد حقیقی ثلاثہ حقیقی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو لازم آئیگا کہ جز کل ہو گیا اور کل جزء ہو جائیگا یہ دونوں محال ہے اس اجتماع کی وجہ سے یہ ثابت ہوگا کہ ذات واجب الوجود مرکب ہے اور ایسا مرکب جس کے اجزاء غیر متناہیہ بالفعل ہوں کیوں کہ کل اور جزء دونوں کی حقیقت ایک ہے اور کل مرکب ہوتا ہے اور کل کا ہر جزء بھی مرکب ہوگا اور اس کے اجزاء لامتناہیہ بالفعل ہوں گے اور یہ قطعاً باطل ہے تثلیث کے بطلان پر آپ نے منطقی انداز میں چار دلیلیں دی ہیں، پہلی دلیل جو بیان کی گئی بقیہ تینوں دلیلیں بھی منطقی اصطلاحوں میں ہیں جو عام قارئین کی فہم سے بالا ہیں آپ نے ایک دلیل سے ثابت کیا کہ تثلیث کی صورت میں واجب الوجود کی ذات ممکن الوجود ہو جاتی ہے جو کسی بھی فریق کو نہیں قبول ہوسکتی، ایک دلیل تثلیث کے بطلان پر دیتے ہوئے ثابت کیا کہ اس صورت میں خدا کی ذات کو حادث ماننا لازم آئیگا جو ہر فریق کے لئے نا قابل قبول ہے اس لئے تثلیث کا عقیدہ ایک لغو اور مہمل عقیدہ ہے، یہ بحث کتاب میں بہت لمبی ہے جن کو اس سے دلچسپی ہو اس کو اصل کتاب میں دیکھنا چاہئے۔

تثلیث کے بطلان پر نقلی دلیلیں

اس کے بعد آپ نے عہد جدید کی کتابوں سے تثلیث کے بطلان پر دلیلیں پیش کی ہیں آپ نے بتایا کہ تثلیث کا عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے متبعین کا گھڑا ہوا ہے عیسیٰ مسیح کی تعلیم اس کے خلاف تھی آپ نے اپنی امت کو خالص توحید کی تعلیم دی تھی، آپ نے اس سلسلہ میں خاص طور سے اناجیل اربعہ سے استناد کیا ہے

آپ نے تحریر فرمایا کہ انجیل یوحنا کے ۱۷ویں باب کی تیسری آیت میں ہے کہ عیسیٰ مسیح نے خدا سے کہا کہ یہ حیات ابدی تجھ کو پہچان لے کہ تو ہی تنہا معبود حقیقی ہے اور یسوع مسیح کو تو نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی سارے انسان جو اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک ابدی زندگی پانے والے ہیں یہ سب یقین کرلیں کہ خدا ایک ہے اور یسوع مسیح اس کے رسول ہیں، حضرت عیسیٰ کا یہ قول ان کی دعاء میں ہے اس لئے عیسائیوں کو یہ حق نہیں کہ کہدیں کہ یہودیوں کے ڈر سے آپ نے یہ بات کہی تھی اگر عقیدہ تثلیث ہی مدار نجات ہوتا تو یسوع مسیح اس کو ضرور بیان کرتے۔

انجیل مرقس شاہد ہے

اسی طرح انجیل مرقس کے بارہویں باب میں ہے کہ یسوع مسیح سے کچھ لوگ باتیں کررہے تھے حضرت عیسیٰ نے ان کی باتوں کا جواب دیا، جواب دینے کے بعد ایک شخص آیا تو اس نے پوچھا کہ وصیت کی پہلی بات کیا ہے؟ تو یسوع مسیح نے کہا کہ ہمارا رب رب واحد ہے، اپنے محبوب رب کو دل کی گہرائیوں سے مانو، اس سے محبت کرو، یہی پہلی وصیت ہے، تو اس شخص نے کہا کہ اے حق کی تعلیم دینے والے میں یہی کہوں گا کہ وہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں اور میں اس سے پوری محبت کروں گا، اس پر یسوع مسیح نے کہا کہ اس نے بڑی دانشمندی کا جواب دیا، اور پھر اس شخص کے حق میں کلمہ خیر کہا۔

دوسری شہادتیں

اسی طرح انجیل متی کے بائیسویں باب میں بھی بالکل یہی بات ہے معلوم ہوا کہ تورات میں یہ وصیتیں مذکور ہیں اور ان کو پہلی وصیت کہہ کر اس کی اہمیت اور بڑھادی گئی ہے اور تمام انبیاء کی کتابوں میں یہ وصیت موجود ہے کہ معبود حقیقی ایک ہے تین نہیں، اگر عقیدہ تثلیث یسوع مسیح کی تعلیم ہوتا تو اس کا کہیں نہ کہیں ذکر ضرور ہوتا

مگر کسی موقعہ پر اس عقیدہ کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

تثلیث کی ایک دلیل اور اس کا رد

انجیل مرقس کے تیرہویں باب کی آیت ۲ و ۳ میں یسوع مسیح کا قول ہے کہ قیامت کا دن، اس کا وقت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے جانتے ہیں نہ بیٹا جانتا ہے صرف باپ جانتا ہے۔

یہ قول عیسائیوں کی سب سے مضبوط دلیل سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ مسیح نے قیامت کے علم کو خدا کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بھی نہیں جانتا ہوں، جس طرح تمام لوگوں کے علم کی نفی کرتے ہیں کہ نہ میں جانتا ہوں اور نہ دنیا کا کوئی متنفس جانتا ہے، اس نفی میں خود کو تمام بندوں کے برابر رکھا ہے اگر وہ خود معبود اور رب ہیں تو بندوں کی صف میں اپنے کو کیوں رکھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے کو رب نہیں، معبود نہیں عبد سمجھتے تھے اس لئے آپ نے خود کو بندوں کی صف میں رکھا، اگر کوئی عیسائی یہ کہتا ہے کہ باپ جانتا ہے تو بیٹا بھی ضرور جانتا ہوگا یعنی یسوع مسیح کو قیامت کا علم رہا ہوگا، اس کی یہ بات قطعاً بے سود ہے کیوں کہ یسوع مسیح نے صراحتاً اپنے علم کی نفی کر دی ہے دوسروں کو اس کے خلاف کہنے کا کیا حق ہے۔

اپنی ذات سے قدرت کی نفی

انجیل متی کے بیسویں باب میں ہے زبدی کی بیوی اپنے دونوں لڑکوں کو لیکر یسوع مسیح کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سجدہ کیا، یسوع مسیح نے اس سے پوچھا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرے دونوں لڑکے ہیں میں چاہتی ہوں کہ ایک آپ کی داہنی جانب بیٹھے اور ایک بائیں جانب بیٹھے یہ آپ کی قدرت میں ہے، مسیح نے اس کو جواب دیا کہ ان کو دائیں اور بائیں جگہ دینا میرے بس کی بات نہیں یہ جگہ ان لوگوں کے لئے ہے جو باپ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف پسند ہوں۔

یہاں حضرت عیسیٰ نے اپنی ذات سے قدرت کی نفی کردی اور اس کو اللہ کے لئے مخصوص بتایا بالکل ایسے ہی جیسے یوم قیامت کے علم کی نفی کی تھی اور اس کے علم کو اللہ کے لئے خاص کر دیا تھا اگر وہ رب ہوتے تو یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی تھی۔

عقیدۂ تثلیث کا تعلق

انجیل متی کے انیسویں باب میں ہے کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا اے صالح اور نیک تعلیم دینے والے! کون سا عمل صالح کروں تا کہ مجھے حیات ابدی حاصل ہو جائے؟ عیسیٰ نے کہا کہ تم نے مجھے صالح کہکر مخاطب کیا ہے، کوئی صالح نہیں سوائے ایک کے جو اللہ ہے۔

حضرت عیسیٰ کا یہ قول تو تثلیث کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے آپ نے تو اضعاً خود کو صالح کہنا پسند نہیں کیا، اگر یسوع مسیح رب اور معبود ہوتے تو آپ کے اس قول کا کیا معنی ہوسکتا ہے؟ یسوع مسیح کو تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ کوئی صالح نہیں سوائے باپ کے اور میرے اور روح القدس کے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ صالح کہلانے پر راضی نہیں تو اپنے کو معبود اور اللہ کہنے پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں جو عیسائی منہ پھاڑ پھاڑ کر اپنی عبادت میں کہتے ہیں اور وہ حضرت یسوع مسیح کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پرودگار! اے ہمارے معبود یسوع! اس کو مت ضائع کرنا جس کو تو نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا حضرت عیسیٰ کا بلند مقام رسالت اس کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے آپ کی ذات اس سے بری ہے وہ خدا نہیں خدا کے سچے اور برحق نبی ہیں۔

عقیدہ الوہیت مسیح کے بطلان کی دلیل

انجیل متی کے ۲۷ ویں باب میں ہے: اور یسوع بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگے، ایلی ایلی تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، یعنی اے خدا! تو نے مجھے اس حال میں کیوں چھوڑ دیا، دوسری آیت میں ہے، یسوع بلند آواز سے چیخے اور روح سپرد کردی۔ لوقا

انجیل کے ۲۳ ویں باب کی ۴۶ ویں آیت میں ہے: یسوع بلند آواز سے پکار کر کہنے لگے اے باپ! تیرے ہاتھوں میں اپنی روح سونپ رہا ہوں۔

یہ ساری آیتیں بہت واضح طور پر الوہیت مسیح کی نفی کرتی ہیں، کیوں کہ اگر وہ معبود اور رب ہوتے تو دوسرے رب سے فریاد نہ کرتے اور نہ یہ کہتے کہ الٰہی تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، خدا پر عجز اور موت کیسے طاری ہوسکتی ہے کہ اس کو فریاد کرنی پڑتی ہے جب کہ کتاب اشعیاء میں ان کو الہ سرمدی کہا گیا ہے، رب اور ملک الحق کہا گیا، کتاب ارمیاء میں معبود برحق، ایسا رب جو زندگی والا ہے بادشاہ سرمدی کہا گیا، کتاب حیقوق میں ہے یارب الٰہی قدوس تجھ پر کبھی موت نہیں آئیگی، پھر وہ کیسے عاجز ہوگیا اور اس پر موت طاری ہوگئی جب کہ وہ الہ سرمدی ہے، ضعف و عجز سے بری ہے، حی قدوس ہے کیا فانی اور عاجز معبود اور رب ہوسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔

ابطال تثلیث پر ایک اور دلیل

انجیل یوحنا کے بیسویں باب کی ۱۷ ویں آیت میں ہے حضرت عیسیٰ نے مریم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تم میرے بھائیوں کے پاس جاؤ اور میری طرف سے ان سے کہو کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اپنے معبود اور تمہارے معبود کی طرف جانے والا ہوں۔

یسوع مسیح نے اس قول میں اپنے اور عوام کے درمیان برابری رکھی ان کے الفاظ ہیں ''مرے باپ اور تمہارے باپ، میرے معبود اور تمہارے معبود'' شاید اسی لئے انھوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تاکہ احمق لوگ بے بنیاد باتیں نہ کہنے لگیں کہ یسوع خدا ہیں، یا خدا کے بیٹے ہیں۔

مسیح نے یہاں باپ کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد حقیقی باپ بیٹا مراد نہیں جیسے مسیح کے تمام شاگرد اللہ کے بندے ہیں اللہ کے بیٹے نہیں اسی طرح یسوع کا خدا کو

باپ کہنا مجازی معنی کے اعتبار سے ہے یہ مطلب نہیں کہ یسوع اللہ کے بندے نہیں حقیقی بیٹے ہیں۔

یوحنا کی انجیل میں

یوحنا کی انجیل میں چودہویں باب کی ۲۸ویں آیت میں ہے جس میں یسوع مسیح کا قول اس طرح ذکر کیا گیا ہے ''میرا باپ مجھ سے عظیم ہے'' یہ جملہ بھی الوہیت مسیح کی نفی کرتا ہے اس لئے کہ اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں چہ جائے کہ اس سے بڑھ کر ہو،

اسی انجیل کے ۱۴ویں باب کی ۲۴ویں آیت میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے جو بات تم سن رہے ہو وہ میری بات نہیں بلکہ اس باپ کی ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس آیت میں حضرت عیسیٰ کے رب ہونے کی نہیں رسول ہونے کی صراحت موجود ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے اس لئے وہ خدا کا کلام ہوتا ہے۔

انجیل متی میں

انجیل متی کے ۲۳ویں باب میں ہے کہ مسیح نے اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

''تم دوسرے معلمین کو مت پکارو تمہارا معلم صرف ایک مسیح ہے''

اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کی طرف سے میں تمہارا معلم ہوں یعنی میں خدا نہیں ہوں اسی انجیل کے ۲۶ویں باب میں یہ عبارت ملتی ہے کہ مسیح ایک مقام پر گئے اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم یہیں بیٹھو، جب تک میں گذر نہ جاؤں اور نماز پڑھوں گا، پھر اپنے ساتھ پطرس اور زیدی کے دونوں بیٹوں کو لیا اور رنج وغم کا اظہار کرنے لگے، ان لوگوں سے کہا کہ میری طبیعت بہت مغموم ہے، رنجیدہ ہے تم لوگ یہیں ٹھہرو، اور میرے ساتھ جاگتے رہو، پھر ذرا سا آگے بڑھ کر منہ کے بل

گر پڑے۔

اس باب میں مذکورہ اقوال اور یسوع مسیح کی باتیں جو اس عبارت سے معلوم ہوتی ہیں وہ صاف بتاتی ہیں کہ ایک بندہ اپنے پروردگار سے التجا کرتا ہے عیسیٰ کی عبدیت اس سے صاف ظاہر ہوتی ہے، معبودیت کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں پیدا ہوتا، کیوں کہ خدا پر رنج وغم طاری نہیں ہوسکتا جس پر انسانی رنج وغم طاری ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، سوال یہ ہے کہ کیا خدا کسی دوسرے خدا کے لئے نماز پڑھے گا اس کے سامنے سجدہ کریگا عاجزی کا اظہار کریگا؟ یہ سب بالکل احمقانہ اور جہالت کی باتیں ہیں۔

آخری دلیل

ابطال تثلیث والوہیت مسیح کے باطل عقیدہ کے خلاف اپنی بارہویں دلیل میں آپ نے اسی انجیل متی کے درجنوں ابواب وآیات کے حوالے دیئے ہیں جن میں حضرات عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سے اقوال مذکور ہیں یہ اقوال یہ باتیں اور انداز بیاں سب کچھ بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح کی باتیں خدا کا کوئی بندہ اپنے پروردگار سے عرض کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے التجائیں کرتا ہے اپنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے حضرت عیسیٰ کے درجنوں یہ اقوال اسی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں کہیں بھی کوئی جملہ ایسا نہیں جس سے ادنی سا شبہہ بھی پیدا ہو کہ یسوع مسیح اپنے کو بندہ نہیں رب اور معبود کہتے یا سمجھتے تھے، یہ تمام اقوال عیسیٰ تثلیث اور عقیدہ الوہیت مسیح کے بطلان پر واضح دلیل ہیں اور سب سے اہم اور سب سے مضبوط دلیل تو یہی کہ حضرت مریم کے بیٹے ہیں انسان کا بیٹا انسان ہوگا خدا نہیں بن جائیگا۔

الوہیت مسیح

ابطال عقیدہ تثلیث کے ضمن میں الوہیت مسیح کے بطلان پر بہت سے دلائل آگئے ہیں الگ سے اس کے بطلان پر دلائل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی

مگر مناظرہ میں چونکہ تثلیث اور الوہیت مسیح کو دو مسئلہ کہکر موضوع مناظرہ قرار دیا گیا تھا اس لئے مولانا کیرانوی نے اظہار الحق میں ابطال تثلیث کے بعد چند مستحکم دلائل خاص اس عقیدہ باطل کے خلاف بھی ذکر کر دیئے ہیں، آپ نے اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ بتایا کہ یوحنا کی انجیل میں مجاز کا استعمال بڑی کثرت سے ہوا ہے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا حقیقی معنی نہیں مراد لیا گیا ہے خود عیسائیوں نے بھی بہت سے مقامات پر مجازی الفاظ کے حقیقی معنی لینے سے انکار کیا ہے وہ ان الفاظ کی تاویل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور جب عیسائی مجاز کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں تو کیوں نہیں جہاں جہاں مجازی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں تاویل کیوں نہیں کی جائیگی، چوں کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لینا یہاں ممکن ہی نہیں، اس لئے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہوگا، اگر حقیقی معنی مراد لیتے ہیں تو برہان عقلی اس کو رد کر دے گی دنیا کا کوئی عقلمند آدمی اس کو تسلیم نہیں کریگا۔

ابن اللہ کا لفظ

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی پوری دنیاوی زندگی میں کبھی بھی اور کہیں بھی اپنی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی واضح اور غیر مبہم لفظوں میں اس کا اظہار کیا ہے، بعد میں ان کے متبعین نے بعض الفاظ کے مجازی معنی لینے کے بجائے ان کو حقیقی معنی میں استعمال کر کے الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ گھڑ لیا ہے مثلاً انجیل میں بہت سے مقامات پر یسوع مسیح کے لئے ابن اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے عیسائیوں نے اس کو حقیقی معنی میں مراد لیا ہے، جب کہ ابن اللہ کا لفظ مجازاً استعمال کیا گیا ہے، ابن اللہ کے لفظ سے الوہیت مسیح پر دلیل قائم کرنا غلط اور بہت ہی کمزور دلیل ہے آپ خود غور کریں کہ ابن اللہ حقیقی معنی میں کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے جب ابن الانسان بولا جاتا ہے اور اس سے جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے وہ مفہوم مسیح کے لئے ابن اللہ کہنے پر کیسے

مرادلیا جاسکتا ہے یہ تو قطعاً معارض ہے کیوں کہ ابن الانسان میں توالد وتناسل کا دخل ہے اور یہاں اس کا تصور کرنا بھی محال ہے، مسیح کو ابن داؤد بھی کہا جاتا ہے تو کیا ابن اللہ اور ابن داؤد دونوں کا ایک ہی مفہوم ومعنی جائز ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابن اللہ کا حقیقی معنی مراد نہیں اس لئے کہ اس کا حقیقی معنی تمام اہل لغت کے اتفاق سے یہ ہے کہ یہ اپنے والدین کے نطفہ سے ہے اور یہ معنی اس جگہ محال ہے اس لئے لازمی طور پر مجازی معنی لینا ضروری ہے اس میں کوئی استبعاد بھی نہیں، ابن اللہ بہت سے مقامات پر صراحتاً مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی نظیر خود انجیل میں موجود ہے۔

ثبوت حاضر ہے

انجیل مرقس کے ۱۵ ویں باب کی ۳۹ ویں آیت میں ہے کہ جب اس نے اپنی روح سپرد کی تو قائد نے کہا کہ بیشک یہ ابن اللہ ہے، لوقا کی انجیل کے ۲۳ ویں باب کی ۴۷ ویں آیت میں اسی واقعہ کے ذکر کے موقعہ قائد کا قول نقل کیا گیا کہ وہ نیک اور صالح تھا ایک انجیل میں ابن اللہ کا لفظ اور دوسری انجیل میں اسی شخص کو صالح اور نیک کہا گیا معلوم ہوا کہ ابن اللہ کا معنی صالح کا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی یہودیوں سے گفتگو ہوئی تو یہودیوں نے کہا کہ ہمارا ایک باپ ہے وہ اللہ ہے عیسیٰ نے کہا کہ اگر تمہارا باپ اللہ ہوتا تو تم مجھ سے محبت کرتے تمہارا باپ اللہ نہیں بلکہ تمہارا باپ شیطان ہے یہ انجیل یوحنا کے آٹھویں باب کی آیت ہے یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں ابن اللہ اور ابن ابلیس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اچھے کام کرنے والے اور برے کام کرنے والے کے معنی میں ہیں عیسائی بھی ان کے مجازی معنی لینے پر مجبور ہیں۔

اب لفظ ''ابن'' یا ''ابناء'' کے استعمال کو دیکھو کہ مسیح نے کس طرح دوسروں کے

لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے مثلاً متی کی انجیل کے پانچویں باب میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ جولوگ صلح وسلامتی سے کام لینے والے ہیں ان کو خوشخبری دیدو کہ وہ ابناء اللہ (خدا کے بیٹے) ہیں، اسی باب کی آیت ۴۴ میں ہے مسیح نے کہا کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو اپنے سے بغض رکھنے والوں سے حسن سلوک کرو اور ان کو دعا دو جو تم کو برا بھلا کہتے ہیں تا کہ تم اپنے اس باپ کے بیٹے ہو جاؤ جو آسمانوں میں ہے، آپ دیکھیں کہ مسیح صلح وسلامتی کا کام کرنے والوں اور حسن سلوک کرنے والوں کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں اور اللہ کے لئے باپ کا لفظ استعمال کرر ہے ہیں، تو کیا تم ان تمام ابناء اللہ کی الوہیت کا دعویٰ کرنے لگو گے؟ کیوں کہ مسیح ابن اللہ ہونے کی وجہ سے خدائی میں حصہ دار ہو گئے تو وہ تمام لوگ ابناء اللہ ہو کر کیوں خدا کی خدائی میں شریک نہیں مانے جائیں گے نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات

یوحنا کے پہلے رسالہ میں ہے ”ہر وہ شخص جو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کریگا کیوں کہ بیج اس نے بویا ہے اور وہ جڑ پکڑ گیا ہے تو اس میں خدا کی نافرمانی کی طاقت ہی نہیں رہ جاتی کیوں کہ وہ خدا کا پیدا کردہ ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد اللہ اور ہیں اولاد ابلیس اور ہیں، اسی رسالہ میں ہے جو محبت کرتا ہے وہ خدا کا بیٹا ہے، رسالہ رومیہ کے آٹھویں باب کی آیت ۱۴ میں ہے وہ تمام لوگ جو روح کی اتباع کرتے ہیں وہ سب اللہ کے بیٹے ہیں، رسالہ بولس کے دوسرے باب میں ہے ”ہر کام بغیر لڑائی جھگڑے کے کرو تا کہ تم لوگ اللہ کی اولاد ہو جاؤ“۔

ان تمام مقامات پر ابن یا ولد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، عام لوگوں کو اللہ کا بیٹا یا اولاد کہا گیا ہے تو کیا تم سب کو الہ، معبود اور رب کہو گے؟ تب تو خداؤں کی پوری فوج کھڑی ہو جائیگی۔

مجازی معنی ہر دور میں لیا جاتا رہا

مولانا کیرانوی نے لکھا کہ ابن اور ولد کا لفظ مجازی معنی میں عہد قدیم وجدید کی کتابوں میں بیشمار مقامات اور موقع ومحل پر استعمال کیا گیا ہے کہ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے، پھر بھی مولانا نے مزید کچھ مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں ابن کا لفظ استعمال کرنے کے باوجود حقیقی معنی مراد نہیں اور نہ حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہی ہے، خود عیسائیوں کو بھی مجبور ہو کر مجازی معنی مراد لینا پڑتا ہے، اس لئے ابن اللہ کی لامحالہ توجیہ و تاویل کی جائیگی، اس لئے محض ابن اللہ استعمال کردینے کی وجہ سے مسیح کی الوہیت ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی، اس کے علاوہ اگر عیسائیوں کے پاس اور کوئی دلیل ہو تو پیش کریں دلیل ایسی ہو جس کو صحیح معنی میں برہان عقلی کہا جاسکے تو اس پر غور کیا جائے یہ بالکل ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ان کے امتیوں کے نام لیواؤں کی فریب کاری، چابکدستی اور جعلسازی کا نتیجہ ہے جس نے پوری عیسائی دنیا کو شرک کے دلدل میں اتنی گہرائی تک دھنسا دیا ہے کہ اس سے نکلنا ان کے لئے ناممکن ہوگیا ہے۔

کچھ مزید شہادتیں

انجیل لوقا کے تیسرے باب میں مسیح کا نسب بیان کیا گیا ہے اس میں مسیح ابن یوسف اور آدم ابن اللہ کہا گیا ہے، ظاہر ہے کہ آدم حقیقی معنی کے لحاظ سے ابن اللہ نہیں ہیں اور نہ وہ معبود ہیں نہ خدا ہیں لیکن وہ قدرت خداوندی سے بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے تھے اس لئے ان کو ابن اللہ کہدیا گیا، لوقا نے تو یہاں کمال کردیا کہ آدم کو ابن اللہ لکھا اور خود مسیح کو ابن اللہ کے بجائے مسیح بن یوسف لکھا ہے۔

زبور ۸۸ میں ہے کہ داؤد نے اللہ کو اپنا باپ کہا ہے اور اللہ نے داؤد کو کنوارا بیٹا کہا ہے، کتاب ارمیا کے ۳۱ویں باب کی نویں آیت میں ہے ”اللہ نے کہا کہ میں اسرائیل کا باپ ہوں، افرام میرا بیٹا ہے“ اگر اس لفظ کا استعمال الوہیت ثابت کرتا ہے

تو اسرائیل، داؤد اور افرام الوہیت کے زیادہ مستحق ہیں کیوں کہ ان کو کنوارا بیٹا کہا گیا ہے اور کنوارے بیٹے کا اکرام دوسرے بیٹوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے شریعت سابقہ میں یہ مسئلہ موجود بھی ہے اور رواج عام بھی یہی تھا کہ کنوارا لڑکا زیادہ عزیز ہوتا ہے اگر عیسائی یہ کہیں کہ مسیح کو بھی کنوارا لڑکا کہا گیا ہے تو یہاں کنوارا لڑکا کا حقیقی مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا کیوں کہ اللہ نے مسیح کے بہت سے بھائی بھی بتائے ہیں اور پہلے تین کو کنوارا کہا اور ان کے بھائی نہیں بتائے گئے، غرضیکہ ان تمام مقامات پر مجازی معنی مراد ہے کہیں بھی ابن یا اب کے حقیقی معنی مراد ہی نہیں ہیں۔

مولانا کیرانوی ایک شہادت سفر صموئیل سے پیش کرتے ہیں اس کے ساتویں باب میں اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا گیا ہے، اللہ نے سلیمان کے بارے میں کہا کہ "میں سلیمان کا باپ ہوں، وہ میرا بیٹا ہے" اگر ابنیت اور ابوبیت کا لفظ الوہیت کو مستلزم ہے تو سلیمان کو کیوں نہیں الہ یا معبود مانتے ہو وہ بھی انبیاء سابقین میں سے اور مسیح کے اسلاف میں سے ہیں وہ الوہیت کے زیادہ مستحق ہو سکتے ہیں۔

ایک شہادت کتاب الاستثناء سے پیش کی ہے اس کے چودھویں باب کی پہلی آیت اور ۳۰ ویں باب کی ۱۹ ویں آیت اور باب اول کی دوسری آیت اور ۳۰ ویں باب کی پہلی آیت اور کتاب اشعیاء کے ۶۳ ویں باب کی آٹھویں آیت اور کتاب ہوشع کے پہلے باب کی دسویں آیت میں تمام بنی اسرائیل کو ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) کہا گیا ہے تو کیا سب بنی اسرائیل خدا بن گئے؟

ایک اور شہادت اسی کتاب اشعیاء سے ہے اس کے ۶۳ ویں باب کی ۱۶ ویں آیت میں اشعیاء کا خطاب خدا سے نقل کیا گیا ہے، اشعیاء نے کہا "بیشک تو ہمارا باپ ہے ابراہیم نے ہم کو نہیں پہچانا، بنی اسرائیل ہم سے ناواقف رہ گئے یارب تو ہمارا باپ ہے" اسی کتاب کے ۶۴ ویں باب کی دوسری آیت میں ہے "اور اب اے رب تو ہی

ہمارا باپ ہے'' ان تمام مقامات میں پیغمبر اشعیاء نے اپنے غیروں کے بارے میں کہا
کہ ہم سب کا باپ خدا ہے، کتاب ایوب سے آپ نے ایک شہادت پیش کرتے
ہوئے کہا کہ اس کے باب ۳۸ اور آیت ۷ میں اس طرح ہے ''اور جب صبح کے تارے
میری تسبیح پڑھتے ہیں اور اللہ کے تمام بیٹے اس سے خوش ہوتے ہیں'' یہاں تمام
انسانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔

خلاصۂ بحث

اب تک کی تمام تفصیلات سے ثابت ہو گیا کہ ابناء اللہ کا اطلاق نیک اور صالح
لوگوں پر بھی ہوتا ہے، مسیح پر ایمان لانے والوں ان سے محبت کرنے والوں اور احکام
الٰہی کی اطاعت کرنے والوں اور اعمال حسنہ کرنے والوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور
ہوتا ہے اس لئے مسیح کو ابن اللہ کہہ دینے سے الوہیت ثابت نہیں ہو سکتی آپ نے بڑی
وضاحت سے بتایا کہ ''اب'' اور ''ابن'' کا اطلاق والدین کے نطفہ سے پیدا ہونے
والے ہی لڑکے پر نہیں ہوتا بلکہ بہت معمولی مناسبت سے مختلف مواقع پر اس کا اطلاق
واستعمال عام ہے جس کا حقیقی معنی سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے شیطان کو ابوالکذب
کہا گیا، برے کام کرنے والوں کو ''**ابناء جھنم** '' کہا گیا یہودیوں کو اولاد یروشلم خود
مسیح کے کلام میں موجود ہے اسی طرح ''**ابناء الدھر** '' ''**ابناء الدنیا** '' ''**ابناء
الجنة** '' کے استعمالات خود انجیل میں موجود ہیں اس سے انکار ممکن نہیں اس لئے
صرف ابن اللہ کے لفظ سے مسیح کی الوہیت ثابت کرنا ایک احمقانہ کوشش ہے یہ کوشش
رائیگاں ہے اور ہمیشہ رائیگاں رہے گی۔

عیسائیوں کی ایک اور دلیل

مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے عیسائی ایک دلیل اور دیتے ہیں وہ
کہتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل کے آٹھویں باب کی ۲۳ ویں آیت میں ہے ''مسیح نے ان

لوگوں سے کہا کہ تم پستی میں ہو میں بلندی پر ہوں، تم لوگ اس دنیا سے ہو، میں اس دنیا سے نہیں ہوں'' یعنی میں رب ہوں، میں خدا ہوں، آسمان سے اتر کر تمہارے پاس آیا ہوں اور انسانی جسم اختیار کر لیا ہے۔

مولانا کیرانوی نے اس آیت کے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ مشاہدہ کے خلاف ہے کیوں کہ عیسیٰ اسی دنیا سے ہیں، اس آیت سے مسیح کی الوہیت ثابت کرنا درست نہیں کیوں کہ یہ براہین عقلیہ کے قطعاً خلاف ہے اور تمام نصوص اس کی تردید میں موجود ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس جملے سے اگر مسیح کی الوہیت ثابت ہوتی ہے تو یہی جملہ تو انھوں نے اپنے تلامذہ کے متعلق بھی استعمال کیا ہے، یوحنا کی انجیل کے باب ۱۵ کی آیت ۱۹ میں ہے کہ اگر تم اس دنیا سے ہوتے تو دنیا تم سے محبت کرتی لیکن تم اس دنیا سے نہیں ہو۔

اگر مسیح کے بارے میں اس جملہ کا استعمال ان کی الوہیت کی دلیل ہے تو انھیں یسوع مسیح کا یہ قول اپنے شاگردوں کے بارے میں بھی ہے اس سے تمام تلامذہ کا خدا ہونا لازم آتا ہے تو تم پھر ان کو خدا کیوں نہیں مانتے، مسیح کی طرح ان کو بھی اسی دلیل سے خدا مان لو۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مسیح کے اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیائے دنی کے طالب ہیں میں آخرت کا طالب ہوں اسی طرح میرے تلامذہ بھی دنیا کے طالب نہیں آخرت میں کامیابی کے طالب ہیں اور اللہ کی رضا چاہنے والے ہیں یہ استعمال اتنا عام ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی اس سے واقف ہے زاہدوں اور اللہ والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا کے آدمی نہیں۔

مسیح کی الوہیت پر انجیل کی ایک اور آیت سے عیسائی استدلال کرتے ہیں یوحنا کی انجیل کے دسویں باب کی بیسویں آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''میں اور رب ایک ہیں'' وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ مسیح کے اللہ سے اتحاد پر دلالت کرتا ہے، کہ جو خدا ہے وہی مسیح ہے۔

مولانا کیرانوی نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے پہلی بات تو یہ کہ مسیحی بھی حضرت عیسیٰ کو انسان مانتے ہیں، اور اللہ انسان نہیں، اس لئے دونوں متحد نہیں ہو سکتے، اس کے جواب میں عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح جس طرح انسان کامل نہیں اسی طرح الہ کامل بھی نہیں، یعنی ان کی دو جہتیں ہیں، انسان کامل ہونے کے اعتبار سے وہ مغائر ہیں اور الہ کامل ہونے کی جہت سے متحد ہیں، مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ یہ جواب قطعاً غلط ہے جو چیز کسی دوسری چیز سے مغائر ہو وہ عین وہی چیز کیسے بن سکتی ہے یہ تو اجتماع ضدین ہے جب تم نے انسان مان لیا تو ان کے خدا ہونے کی نفی کر دی اب ان کو خدا ثابت کرنا قطعاً لغو ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ مسیح نے یہ بات جو اپنے بارے میں کہی ہے ٹھیک وہی بات حواریوں کے بارے میں بھی کہی ہے اسی یوحنا کی انجیل کے باب ۱۷ آیت ۲۱ میں یہ عبارت ہے ''حتی کہ سب لوگ ایک ہو جائیں اے میرے باپ جیسا کہ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں یہ تمام لوگ بھی ویسے ہی ایک ہو جائیں تا کہ پوری دنیا یہ یقین کر لے کہ تو نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے ان کو وہ عظمت و بزرگی دیدی ہے جو تو نے مجھ کو دی تھی تا کہ وہ لوگ نیک ہو جائیں جیسا کہ ہم ایک ہیں''۔

آگے کی عبارت ہے ''میں ان لوگوں میں ہوں اور تو مجھ میں ہے تا کہ وہ لوگ ایک جانب تکمیل کرنے والے ایک ہو جائیں'' عیسائی کہتے ہیں کہ یہ عبارت ان کے اتحاد پر دلالت کرتی ہے دوسرے قول میں ان کے آپسی اتحاد کو بیان کر دیا اس کا جواب

دیتے ہوئے مولانا کیرانوی نے کہا کہ ان کا اتحاد باہمی حقیقی نہیں ہے کہ وہ سب ایک ہو گئے بلکہ مجازی معنی مراد ہے کہ سب کے جذبات و خیالات ایک ہو گئے ذہن وفکر کے لحاظ سے ایک ہو گئے، ایسے ہی اللہ سے اتحاد کا بھی مطلب یہی ہے کہ جو اللہ کی مرضی ہے اسی کے مطابق وہ کام کرتے ہیں یعنی اعمال صالحہ پر عمل اس اتحاد کی روح ہے، اور اس اتحاد باللہ میں مسیح، حواریین اور تمام مومنین برابر ہیں اگر فرق ہوگا تو بہ اعتبار قوت وضعف کے ہوگا مسیح کا اللہ سے متحد ہونا زیادہ قوی اور زیادہ طاقتور ہوگا دوسروں کے مقابلہ میں۔ اتحاد کا یہی معنی یوحنا نے اپنے پہلے رسالہ کے پہلے باب میں بھی بیان کیا ہے اس نے لکھا کہ "اللہ نور ہے، ظلمت قطعاً نہیں، ہم حق پر عمل نہیں کریں گے تو ہم ظلمت میں رہیں گے اور جب اعمال حسنہ کریں گے تو ہم نور میں آجائیں گے نور کا نور میں اتحاد ہو جائیگا" معلوم ہوا کہ مرضی الٰہی پر چلنا ہی اتحاد باللہ کا مطلب ہے، اس عبارت سے مسیح کی الوہیت کا کوئی تعلق نہیں۔

الوہیت مسیح کی ایک اور دلیل

کچھ مسیحی علماء مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کو مسیح کی الوہیت کی دلیل بتاتے ہیں، لیکن یہ استدلال انتہائی لچر اور کمزور ہے جو روح بے باپ کی پیدا ہو جائے تو اس میں الوہیت آجائے گی ایک احمقانہ خیال ہے، برسات کے دنوں میں کروڑوں اور اربوں بھنگے، پتنگے، کیڑے مکوڑے بن ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا یہ سب مسیح کی الوہیت میں شریک ہو جائیں گے، حضرت مسیح بن باپ کے پیدا ہو گئے اس لئے ان میں الوہیت آگئی حضرت آدم تو بے ماں اور بے باپ کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے تو وہ سب سے پہلے خدا ہو جاتے ہیں، غرضیکہ یہ استدلال بالکل بچگانہ ہے علمی معیار پر اس کی کوئی حقیقت نہیں نہ اس میں کوئی وزن ہے۔

حیرتناک دعویٰ

مولانا کیرانوی لکھتے ہیں کہ مجھے انتہائی حیرت ہے کہ یہودیوں نے عیسائیوں کے خدا کو سولی پر لٹکایا اور نیم مردہ پھانسی کے پھندے میں جھولتا رہا، یہ کتنی حیرتناک بات ہے، پہلے یہودیوں کی گرفت سے بچنے کیلئے حیلے بہانے ڈھونڈتا رہا یہودیوں کے خوف سے چھپ کر بچنے کی تدبیریں کرتا رہا اور جب یہودیوں نے پکڑ کر پھانسی پر لٹکایا تو جزع فزع کرنے لگا، اگر وہ خدا تھا یا اس کے جسم میں خدا حلول کر گیا تھا یا خدا کا کوئی جز ہی اس میں حلول کر گیا تھا تو یہودیوں کو کیوں دفع نہیں کیا اور کیوں نہیں تمام یہودیوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا وہ خدا تھا اس کو کون روکنے والا تھا، جزع فزع کے اظہار کی کیا ضرورت تھی اور فرار کی راہیں کیوں تلاش کرتا رہا؟ مولانا کیرانوی کہتے ہیں کہ عیسائی صلیب کے پورے واقعہ کو خود بیان کرتے ہیں اور مسیح کی بیچارگی مظلومیت اور انتہائی اذیت کو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اس کے باوجود کہتے ہیں کہ وہ خدا ہیں، معمولی انسان بھی اپنے مخالف کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، مسیح تو خدائی منصب پر فائز تھے پلک جھپکتے پوری قوم یہود کو تباہ و برباد کر سکتے تھے، مگر اس میں سے کچھ بھی نہیں کیا اور ایلی ایلی چیختے ہوئے جان دیدی، مولانا کہتے ہیں کہ یہ لوگ عقل سے کتنے کورے ہیں کہ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ صحیح ہے۔

مولانا کیرانوی نے الوہیت مسیح کے ابطال پر اور بھی بہت سی دلیلیں دی ہیں جو اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں ہم نے بطور نمونہ یہاں کچھ دلیلوں کا ذکر کیا ہے تاکہ آپ اندازہ کرسکیں اور دیکھ لیں کہ مولانا کیرانوی نے عیسائیوں کے ہر اعتراض کا جواب انھیں کی کتابوں سے دیا ہے مسلمانوں کے پاس اپنے جو دلائل ہیں ان سے کام لینے کے بجائے سارے دلائل سارے شواہد سارے ثبوت کتب مقدسہ سے پیش کئے

ہیں اور ایسے مسکت جواب دیئے ہیں کہ گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

قرآن کا کلام اللہ ہونا

پادری فنڈر سے ہونے والے مناظرہ میں چوتھا موضوع مباحثہ قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت کرنا تھا لیکن اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی نوبت نہیں آئی مولانا کیرانوی نے اظہار الحق لکھتے ہوئے اس مسئلہ کو پیش نظر رکھا اور اسی ترتیب سے اس کو بیان بھی کیا تا کہ عیسائی دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اہل اسلام کے پاس اس کے کتنے مستحکم دلائل ہیں، آپ نے پہلے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے لئے شواہد پیش کئے ہیں اس کے بعد عیسائیوں کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے اور انکے نا قابل تردید دلائل بیان کئے ہیں، آپ نے قرآن کے خدا کا کلام ہونے کے بارہ دلائل دیئے ہیں یہاں چند دلائل کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے تفصیل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے دلائل میں سب سے پہلی دلیل یہ تحریر فرمائی کہ قرآن کی بلاغت اتنی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ آج تک اس قدر بلیغ کلام نہ دنیا کے سامنے آیا اور نہ آئندہ آسکتا ہے، مفہوم کی ادائیگی کے لئے حیرتناک طور پر موزوں الفاظ کا انتخاب، موقعہ ومحل کا پورا پورا لحاظ، نہ بیان میں طوالت نہ اختصار، مفہوم کے حسن ادا کا شاہکار انداز کچھ ایسا اعجاز ہے کہ اس کی نقالی امکان بشری سے باہر ہے، پھر آپ نے اس کی آٹھ خصوصیات کو تفصیل سے ذکر کر کے بلاغت قرآن کی وضاحت فرمائی ہے۔

پھر آپ نے قرآن کے حسن تالیف، دلکش اسلوب، آغاز کلام اور انتہاء کلام کی مناسبت اور برجستگی، پھر اس کے حقائق ودقائق کا ایسا بیان جو بہت تفصیل چاہتا ہے لیکن قرآن نے چند جملوں میں دقیق ترین بحثوں کی وضاحت کردی، جو آدمی کے بس سے

باہر ہے، وعظ و نصیحت، ترغیب و ترہیب، قوموں کے اصول، تاریخی بیانات، ادیان سابقہ کے انکشافات، باطل افکار کی مذمت و تردید جیسے خشک مضامین کو بیان کرتے ہوئے قرآن کا لب و لہجہ اتنا شگفتہ اور دلکش ہے کہ عرب کے نامی گرامی فصحاء و بلغاء سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔

اس کے بعد آپ نے احادیث و روایات سے مشرکین مکہ اور عرب کے خطباء و شعراء اور لسانی مہارت رکھنے والوں کی حیرت زدگی اور مرعوب ہو کر اسلام قبول کرنے کے واقعات بھی لکھے ہیں، آپ نے بتایا کہ اگر سخت دل اور شقی القلب مشرک ہے پھر بھی جب تک قرآن سن رہا ہے اس کی گردن خم ہے سر اوپر نہیں اٹھ رہا ہے اور جب تلاوت ختم ہوئی تو بدحواس ہو کر اٹھا اور گردن جھکائے سحر زدہ انسان کی طرح چہرے پر ہوائیاں اڑتی ہوئیں خاموشی سے چلا گیا، کبھی کبھی تو قرآنی آیات سنتے سنتے زبان دانی پر مغرور افراد بے چین ہو کر حضور کے دہان مبارک پر ہاتھ رکھ دیتے اور عاجزی سے درخواست کرتے کہ اب زیادہ سننے کی تاب نہیں۔

آخر کلام اللہ میں یہ تاثیر کہاں سے آئی؟ کسی انسانی کلام میں یہ جوہر تاریخ کے کسی دور سے نہیں پیش کیا جا سکتا، قرآن کے کلام اللہ ہونے کی یہ ایک بہت مضبوط دلیل ہے یہ سارے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔

قرآن کی پیشنگوئیوں، اقوام سابقہ کے صحیح صحیح حالات پر قرآن کا بہت بڑا حصہ مشتمل ہے، جس کو سننے والوں نے کبھی تردید کی ہمت و جرأت نہیں دکھائی جب کہ حضور اُمی تھے، نہ کہیں پڑھا نہ کسی سے سنا، وحی الٰہی نے یہ حقائق پر مشتمل خبریں بیان کی ہیں سوائے کلام الٰہی کے ماضی کے پردے اٹھا کر دنیا کے سامنے صحیح صورت حال پیش کر دینا یہ قرآن کا معجزہ ہی ہے اس لئے اس کے کلام الٰہی ہونے میں کیا شک ہے جن لوگوں کو اپنی زبان پر ناز تھا، فخر و غرور تھا، اپنی فصاحت و بلاغت کے سامنے کسی کو

خاطر میں نہیں لاتے تھے، عرب کے مشہور شعراء و خطباء، اور زبان دانوں کو قرآن ۲۳ برسوں تک برابر چیلنج کرتا رہا کہ اس کلام کے مثل کلام پیش کرو کم از کم ایک ہی سورہ ہی بنا کر پیش کردو لیکن پوری تاریخ گواہ ہے کہ پورے عرب میں اس چیلنج کے جواب میں خاموشی رہی، کیوں کہ خدا کے کلام کے سامنے انسانی کلام کا چراغ کب جل سکتا تھا، اگر قرآن انسان کا کلام ہوتا تو اس کے مثل ایک فرد نہیں چند افراد مل کر اس چیلنج کا جواب تو دے سکتے تھے؟ لیکن پورے عرب نے اپنی بے بسی کا خاموشی سے اعتراف کرلیا، کیا قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یہ ثبوت نہیں ہے؟

اعتراضات کے جوابات

قرآن کے کلام اللہ ہونے پر بارہ دلیلیں دینے کے بعد اس سلسلہ میں عیسائیوں کی طرف سے کیئے جانے والے اعتراضات کا آپ نے جائزہ لیا ہے اور ہر اعتراض کو ذکر کر کے اس کے جوابات دیئے ہیں بطور نمونہ دو ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں عیسائی کہتے ہیں کہ خدا کے کلام میں معنوی اختلافات نہیں ہو سکتے مگر قرآن میں کسی جگہ کوئی حکم ہے اور دوسری جگہ اس کے برخلاف حکم ہے مثلاً قرآن کہتا ہے کہ دین میں زور زبردستی نہیں جس کا جی چاہے اسلام قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ اسلام نہ قبول کرے اسی قرآن میں ایک دوسرے مقام پر کہا گیا کافروں اور مشرکوں سے جہاد کرو۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ہدایت و ضلالت دونوں کو خدا کے اختیار میں بتایا گیا ہے، جنت کی لمبی چوڑی تعریف کی گئی ہے، کافروں کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیا ہے یہ سب ناپسندیدہ مضامین ہیں اللہ کے کلام میں ایسی باتیں نہیں ہوسکتی ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کا انتہائی فصیح و بلیغ ہونا کلام الٰہی ہونے کی دلیل نہیں ہے کسی بھی زبان میں کوئی فصیح و بلیغ کتاب لکھ سکتا ہے۔ جب کہ اس کے

مضامین قبیح ہوں تو کیا اس کو خدا کا کلام کہنا درست ہوسکتا ہے؟

آپ نے ان تمام اعتراضات کے مدلل اور کئی جوابات دیئے ہیں اور قرآنی آیات کا حقیقی مفہوم و مراد بتا کر ان تمام شبہات و اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے قرآن پر عیسائیوں کے بعض اعتراضات کم فہمی کی بنیاد پر تھے وہ اعتراض کی چیز ہی نہیں تھی، آپ نے عہد قدیم و جدید کی کتابوں سے ان کی مثالیں پیش کر کے ان کا منہ بند کر دیا ہے کہ اگر قرآن کی یہ بات تمہیں غلط معلوم ہوتی ہے تو تمہاری مقدس کتابوں میں تو اس کی بہت سی مثالیں ہیں تم یہی اعتراض اپنی مقدس کتابوں پر کیوں نہیں کرتے، اس کی تیس کے قریب آپ نے مثالیں دی ہیں۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کی بحث اظہار الحق کے صفحہ ۳۹۹ سے ۵۱۴ تک پھیلی ہوئی ہے اور ۱۱۵ صفحات میں آئی ہے، یہ اس طویل بحث کا ایک اجمالی خاکہ ہے تمام دلائل و شواہد اصل کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

احادیث رسول کی صحت نا قابل انکار ہے

پادری فنڈر اور دوسرے پادریوں نے مناظرہ میں صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ آپ احادیث سے ہمارے خلاف کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے کیوں کہ وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار نہیں، کیوں کہ ان کے کلام رسول ہونے کا ہم کو یقین نہیں صدیوں بعد مسلمانوں نے کچھ باتیں جمع کر کے اپنے پیغمبر کی جانب منسوب کر دیا، اس لئے آپ نے اظہار الحق کی تصنیف کے موقعہ پر اس کی ضرورت محسوس کی اور احادیث کے صحیح اور مستند و معتبر ہونے پر دلائل کا انبار لگا دیا ہے یہ بحث ۴۵۷ سے ۵۱۴ تک ۵۷ صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔

مولانا کیرانوی کا پوری کتاب میں یہ اصول رہا کہ وہ ہر اعتراض کا جواب عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی کتابوں سے دیتے رہے ہیں وہی اصول انھوں نے اس

مسئلہ کے سلسلہ میں رکھا ہے پہلے آپ نے آٹھ دس صفحات میں یہود کی پوری مذہبی تاریخ حضرت موسیٰ کے عہد سے لے کر صدیوں بعد تک کی بیان کی ہے آپ نے بتایا کہ توریت کو لکھ لیا گیا تھا اب اس کو قانون کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ نے جو زبانی باتیں بتائیں وہی زبانی باتیں سلسلہ در سلسلہ حضرت موسیٰ سے چل کر بعد کی نسلوں تک پہونچیں، یہ زبانی باتیں بھی قانون ہی کا درجہ رکھتی ہیں بلکہ توریت جو اصل قانون ہے اس کے بجائے یہی زبانی روایتیں قانون کے اصل مقام پر فائز ہوگئیں اور ان کی قدر و قیمت یہودیت کے ہر دور میں زیادہ رہی جو ان کے مشائخ کے ذریعہ پہونچیں، بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ قانون مکتوبی سے زیادہ اہم یہ زبانی قانون ہے اس لئے ان کے مذہب کی بنیاد ہی انھیں زبانی روایات پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو چالیس دن سینا پر رہنا پڑا، وہیں آپ کو تورات دی گئی اور ان چالیس دنوں میں اللہ نے موسیٰ سے جو کلام کیا وہ موسیٰ نے یاد کرلیا اور آکر ایک خیمہ میں پہلے ہارون کو وہ زبانی باتیں یاد کرائیں انھیں کے ساتھ سامری کو بھی یاد کرائیں پھر ان کے دونوں لڑکوں کو بلایا ان کو یاد کرایا اور ان لڑکوں کے ساتھ ۷۰ مشائخ کو بھی زبانی روایات کو یاد کرایا، پھر اس کے بعد نسل در نسل یہ زبانی روایتیں چلتی رہیں یہی زبانی روایتیں یہودیوں کے مذہبی اصول ہیں غرضیکہ لکھے ہوئے سے کہیں زیادہ ان کے یہاں موسیٰ کی زبانی روایت کی قدر و قیمت ہے وہی بعد کی نسلوں میں آئی۔ عیسائیوں کی تو پوری مذہبی روایات زبانی ہی رہیں کیوں کہ اصل انجیل کی تو ان کو خبر تک نہیں، عیسیٰ کے حواریوں نے زبانی روایتوں کو قلمبند کرلیا وہی پوری عیسائی دنیا کا معمول بہ ہیں، جب دونوں بڑے مذہبوں میں زبانی روایات کی قدر و قیمت لکھی ہوئی کتاب سے کہیں زیادہ ہے تو احادیث رسول پر وہ کس منہ سے اعتراض کرسکتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں قرآن حضور ﷺ کی وفات کے بعد متصلاً مرتب کرلیا گیا اور مرتب کرنے سے پہلے بھی اور بعد

میں بھی پورے قرآن کو سینوں میں محفوظ کرلیا گیا اور بعد میں کئی سو صحابہ کرام کے سینوں میں مکمل قرآن حرفاً حرفاً محفوظ ہوگیا اور پھر تو مسلمانوں نے قرآن کو حرز جاں بنالیا ہر آبادی میں حافظوں کی کثرت ہوگئی اس طرح ہر دور میں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں مردوں اور عورتوں کی لاکھوں لاکھ کی تعداد حافظ قرآن ہوتی رہی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں کوئی ثابت کردے کہ تورات کا یا انجیل کا کوئی حافظ پیدا ہوا ہے قرآن کی مکمل حفاظت کا جب اطمینان ہوگیا تو مسلمانوں نے احادیث رسول کی طرف توجہ کی، زبانی روایات تو حضور ﷺ ہی کے عہد مبارک میں موجود تھی بلکہ کئی درجن افراد نے اپنے اپنے مجموعے پہلی ہی صدی میں تیار کر لئے تھے، البتہ مرتب طور پر ان کو بعد میں تبع تابعین نے جمع کیا اور ابواب فقہیہ کے طرز پر تصنیف وتالیف شروع کی۔

آپ نے تدوین حدیث کی ایک قابل اعتماد تاریخ پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں نے سند متصل کا اتنا اہتمام کیا کہ تمہاری مذہبی کتابوں کے لئے بھی وہ سند متصل نہیں جو مسلمانوں نے احادیث رسول کے سلسلہ میں پیش کی ہے اس زنجیر کی ایک ایک کڑی پرکھ کر اس سلسلہ میں شامل کیا ہے اتنا قابل اعتماد طریقہ کار دنیا کے کسی بھی مذہب کے پاس نہیں ہے۔

رسول کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ خود رسول نے اس کی سزا جہنم بتائی ہے، اس وعید والی روایت کو ۶۲ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جس میں عشرہ مبشرہ کی عظیم ترین شخصیتیں بھی شامل ہیں اس حدیث کی موجودگی میں کسی کی جرأت ہے کہ حدیث بیان کرنے میں غلط بیانی سے کام لے۔

اس وضاحت کے بعد مولانا کیرانوی نے حدیث کے درجات بتائے ہیں اور بیان کیا کہ کس طرح کی حدیثوں سے کس طرح کے مسئلے مستنبط کئے جاسکتے ہیں، خبر

متواتر جو حدیث کی ایک قسم ہے اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اس کا انکار کفر ہے اس کے بعد آپ نے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کرنے پر گفتگو کی ہے قرآن چونکہ متواتر ہے اس لئے اس کے ایک جملہ سے بھی انکار کفر ہے، حدیث کے انکار میں صرف حدیث متواتر کے انکار کو کفر کہا گیا ہے، دینی احکام الفاظ قرآن سے متعلق ہوتے ہیں، ہمارے یہاں قانون اسلامی کے دو سرچشمے ہیں قرآن اور احادیث اور دونوں انتہائی معتمد ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں۔

احادیث پر اعتراضات

عیسائیوں کی طرف سے احادیث پر بھی کچھ اعتراضات ہوئے ہیں، ان اعتراضات کو مفصل بیان کرکے ان کے اطمینان بخش جوابات مولانا کیرانوی نے دیئے ہیں بطور مثال ان کے بعض اعتراضات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے، ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ان کے اعزہ و اقربا اور ان کے دوست احباب سب روایت کرتے ہیں روایت کی حیثیت گواہی اور شہادت کی ہے کسی کے بارے میں اعزہ و اقربا کی شہادت معتبر نہیں ہوتی تو ان لوگوں کی شہادت کیسے معتبر ہوگی اس کا الزامی جواب تو آپ نے ایک سطر میں دیدیا ہے اور فرمایا کہ مسیح کے حالات میں انجیل کے اندر جو آیات ہیں ان میں ان کی ماں کا بیان ہے اور ان کے جعلی باپ یوسف نجار کا بیان ہے ان کے خاص شاگردوں کا بیان ہے تو ان کی شہادتوں کو مسیح کے حالات پر آپ لوگ کیوں معتبر مانتے ہیں ان کو رد کردیجئے، مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ان شہادتوں کو رد کردیا تو آپ کے مذہب کی پوری عمارت ہی منہدم ہوجائے گی۔

اس کے بعد آپ نے بہت تفصیل سے علمی جواب دیا ہے جو کتاب اظہار الحق کے آٹھ صفحوں میں آیا ہے۔

اثبات نبوت محمدیؐ

مناظرہ کا آخری مسئلہ مولانا کیرانوی کے ذمہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا تھا اگرچہ مناظرہ میں اس مسئلہ پر گفتگو نہیں آسکی لیکن آپ نے کتاب میں اس مسئلہ کو بہت مفصل لکھدیا تاکہ عیسائی دنیا جان لے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر کس بصیرت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں یہ بحث کتاب کی آخری بحث ہے جو صفحہ ۵۱۷ سے شروع ہوکر ۷۲۰ تک چلی گئی ہے اور ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ہے گویا مستقل ایک کتاب ہے جو علم و تحقیق کا شاہکار ہے، مولانا کیرانوی کو چونکہ اثبات رسالت محمدی ان لوگوں کے سامنے کرنا تھا جو عیسوی مذہب رکھتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ مخاطب نہیں تھے اس لئے آپ نے عیسائی مذہب کی کتب مقدسہ سے حضور کی رسالت کو ثابت کیا ہے اور زیادہ زور اسی پر صرف کیا ہے باقی اور دلائل جو اسلامی کتابوں میں ہیں ان کو سرسری طور پر بیان کیا ہے البتہ اشارے تمام دلائل کی طرف کردیئے ہیں اور کہیں کہیں بہت مفصل اور پوری وضاحت سے مدلل بیان کیا ہے۔

دلائل پر اجمالی نظر

اثبات رسالت میں آپ نے پہلی دلیل حضور اکرم ﷺ کی اخبار بالغیب کی صفت کو پیش کیا ہے اس میں ماضی مستقبل دونوں کی خبریں ہیں مثلاً انبیاء سابقین کے مفصل حالات، امم ماضیہ پر جو گذری، جو عذاب الٰہی آیا، وہ جس طرح کے حالات سے گذریں ان کا تذکرہ ہے جب کہ یہ کئی کئی ہزار برس پہلے کے واقعات ہیں جب کہ آپ امی تھے، نہ کوئی کتاب پڑھی جن میں ان کا ذکر ہو نہ آپ نے کسی ایسے شخص سے ملاقات کی جو ان واقعات کو بیان کردے اس کے باوجود صحیح ترین واقعات دنیا کے سامنے پیش کئے، یہ سوائے وحی خداوندی کے نہیں معلوم ہوسکتا، یہ آپ کے رسول ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اسی طرح آپ نے مستقبل کے بارے میں جو سیکڑوں پیشین گوئیاں کی ہیں کہ ایسا ہوگا، ایسا ہوگا، یہ سارے واقعات اپنے وقت پر ہوئے، کوئی چند سالوں بعد کوئی دس بیس سالوں بعد کوئی چالیس پچاس برس بعد وہ واقعات وقوع پذیر ہوئے جن کی آپ نے اپنی دنیاوی زندگی میں پہلے ہی پیشگوئی کردی تھی اس سلسلہ میں آپ نے کئی درجن پیشین گوئیوں کو شمار کرایا ہے، اسی فہرست میں چند واقعات کو بطور مثال یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

پیشین گوئیاں

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی وہ فتح ہوا۔

۲۔ بیت المقدس، یمن، شام، عراق کے فتح کی خبر دی تھی یہ سب فتوحات ہوئیں۔

۳۔ خیبر کا محاصرہ طویل ہوا تو آپ نے خبر دی کہ کل علی ابن ابی طالب کے ہاتھوں فتح ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۴۔ آپ نے فرمایا کہ شہنشاہ فارس کی شاہزادیاں مسلمانوں کی کنیزیں ہوں گی یہ بھی صحابہ کرام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، تاریخ اس واقعہ کو یاد رکھتی ہے۔

۵۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے مشرق ومغرب کو سمیٹ دیا گیا ہے یعنی اسلام انتہائے مشرق ومغرب میں پہونچ جائیگا چنانچہ پہلی ہی صدی میں مشرق میں ہندوستان تک اور مغرب میں طنجہ تک مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوگئیں۔

۶۔ آپ نے خبر دی کہ عمارؓ بن یاسر کو باغی گروہ قتل کریگا، چنانچہ ان کا قتل اصحاب معاویہ کے ہاتھوں ہوا جس نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور باغی گروہ کہا جاتا تھا۔

۷۔ آپ نے خبر دی کہ خلافت راشدہ تیس سال تک رہیگی اس کے بعد بادشاہت ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت علی کی خلافت میں تیس سال پورے ہو گئے بعد

میں خاندانی حکومت ہوگئی۔

۸۔ آپ نے خبر دی کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں میں ایک زبردست وبا پھیل جائے گی اور بیشمار آدمی اس وبا کے شکار ہوجائیں گے، یہ پیشین گوئی خلافت فاروقی میں پوری ہوئی، بیت المقدس کی فتح کے بعد مسلمان فوجیں اس علاقہ میں تھیں ان میں طاعون پھیل گیا جس کو طاعون عمواس کہتے ہیں۔

۹۔ آپ نے خبر دی کہ میری امت کے لوگ بحری جہاد کریں گے ام حرام نے کہا کہ حضور علیہ السلام میرے لیے دعا فرمادیں کہ میں اس جہاد میں شریک ہوجاؤں آپ نے خبر دی کہ تم اس جہاد میں شریک ہوگی اور سب سے پہلے شہید ہوگی، ہو بہو ٹھیک اسی طرح یہ واقعہ ہوا۔

۱۰۔ آپ نے خبر دی کہ اگر ایمان ثریا پر معلق کردیا جائے تو فارس کا ایک شخص اس کو پا جائے گا یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف اشارہ ہے آپ فارسی النسل تھے انھوں نے اسلامی قوانین کو اس طرح مرتب کیا کہ حق واضح ہوگیا۔

۱۱۔ آپ نے اپنے نواسے حسنؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ لڑکا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائیگا چنانچہ حضرت علی اور حضرت معاویہ میں جو شدید اختلاف ہوا دونوں فریق میں زبردست جنگ بھی ہوئی حضرت علی کے بعد حسن نے دونوں گروہوں میں صلح کرادی اور دعویٰ خلافت سے دست بردار ہوکر اس تفریق کو کلی طور پر ختم کردیا۔

۱۲۔ آپ نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیٹی فاطمہؓ کو خبر دی کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات کے چھ ماہ بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا خاندان نبوت میں انتقال ہوا۔

۱۳۔ آپ نے اپنے مرض وفات میں خبر دی کہ ان کی ازواج میں سب سے پہلے

مجھ سے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھ والی ہے یعنی سب سے فیاض اور سخی ہے چنانچہ زینب بنت جحش جو سب میں فیاض تھیں سب سے پہلے انھیں کا انتقال ہوا۔

۱۴۔ آپ نے سراقہ بن جعشم کو خبر دی کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے یعنی فارس فتح ہوگا اس کا خزانہ مال غنیمت ہوگا اس میں سونے کے کنگن بھی ہوں گے سراقہ اس جنگ میں شریک ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سراقہ کو وہ کنگن پہنائے گئے۔

۱۵۔ آپ نے غزوۂ تبوک سے واپسی میں ایک قبیلہ کے سردار اکیدر کے پاس اس کو پکڑ کر لانے کے لئے صحابہ کرام کو بھیجا اور فرمایا کہ وہ تم کو نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے ملے گا چنانچہ اسی طرح ہوا۔

ایک اعتراض کا جواب

اثبات رسالت کے دلائل میں آپ کے مشہور معجزات کو بھی پیش کیا جن کو اہل اسلام دلائل النبوۃ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے انشقاق القمر کا واقعہ، معراج جسمانی اور دوسرے اہم ترین معجزات۔

انشقاق قمر کے محال ہونے کے سلسلہ میں کئی اعتراضات کرتے ہیں آپ نے انھیں کی کتب مقدسہ کے حوالوں سے مسکت جوابات دیئے ہیں جوابات کا یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے، پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں وہ اعتراض کرتے ہیں کہ سارے واقعات اخبا آحاد کے ذریعہ بیان کئے گئے ہیں اس لئے ان واقعات پر یقین کرنا ضروری نہیں، ہوسکتا ہے یہ واقعات غلط ہوں خبر واحد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں۔

مولانا کیرانوی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خبر آحاد اگر تمہارے نزدیک اتنی ہی غیر معتبر ہے تو تمہاری چاروں انجیلوں کا کیا حشر ہوگا، ساری انجیلیں غیر معتبر ہوجائیں گی ذرا سوچ کر اعتراض کیا کرو کیوں کہ ہمارے یہاں خبر واحد میں بھی

راویوں کا ثقہ، صادق، اور معروف ہونا ضروری ہے، انجیلوں کے لئے تو عیسائیوں کے پاس ایسی بھی سند نہیں ہے جس کو ہم خبر واحد کا بھی درجہ دے سکیں، جن روایتوں کو ہم نے پیش کیا ہے وہ ہمارے معتبر احادیث کے مجموعوں سے لی گئی ہیں، جس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اثبات رسالت کے دلائل میں آپ نے شریعت اسلامیہ کے پیش کردہ اعتقادات عبادات معاملات، سیاسیات، آداب، تعلیمات اور علمی اسرار و حکم جس انداز سے مرتب کئے گئے ہیں وہ بذات خود اس مذہبی نظام کو منصۂ شہود پر لانے والے کی نبوت کا ثبوت ہیں کہ ایک ایسا مستحسن، مستحکم، مرتب اور ہر شعبہ زندگی پر مشتمل نظام حیات سوائے وحی الٰہی کے اور کسی طرح وجود میں آ ہی نہیں سکتا اور ظاہر ہے وحی الٰہی رسول ہی کے پاس آتی ہے اس لئے خود شریعت اس کے لانے والے کو نبی و رسول ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔

کتب سابقہ میں بشارتیں

مولانا کیرانوی نے دلائل نبوت میں ان بشارتوں کو بھی پیش کیا ہے جو انبیاء سابقین یا کتب سابقہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق پائی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں آپ نے عیسائیوں کے ترقی پسند فرقہ پروٹسٹنٹ کے علماء کے اقوال سے اٹھارہ بشارتوں کا ذکر کیا ہے، میں انتہائی اختصار کے ساتھ کچھ بشارتوں کا یہاں ذکر کر رہا ہوں، آپ نے تحریر فرمایا کہ سفر استثناء کے آٹھویں باب کی آیت ۱۷ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بشارت موجود ہے، یہودی کہتے ہیں کہ یہ یوشع علیہ السلام کیلئے بشارت ہے، عیسائی کہتے ہیں کہ یہ عیسیٰ کی نبوت کی خبر دی گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ سب دعوے غلط ہیں یہ صرف ہمارے نبی ﷺ کیلئے بشارت ہے پھر آپ نے اس پر دلیلیں بھی دی ہیں اور مفصل بحث کی ہے۔ دوسری بشارت بھی اسی کتاب سفر استثناء باب ۳۲ آیت ۲۱ سے

پیش کی ہے۔ تیسری بشارت بھی اسی کتاب سفر استثناء باب ۳۳ سے پیش کی ہے۔ چوتھی بشارت سفر تکوین کے باب ۱۷، آیت ۲۰ سے پیش کی ہے۔ پانچویں بشارت سفر تکوین ہی کے باب ۴۹، آیت ۱۰ سے دی ہے اور اس کی تفصیلی وضاحت بھی کی ہے، زبور ۴۵ سے ایک بشارت پھر زبور ۱۴۹ سے، پھر کتاب اشعیاء کے باب ۴۲ سے، پھر اسی کتاب کے باب ۴۵ سے، پھر اسی کتاب کے باب ۶۵، پھر کتاب دانیال کے باب ۲ سے، انجیل متیٰ کے تیسرے باب سے پھر اسی انجیل کے باب ۱۳ سے، پھر اسی انجیل کے باب ۲۰ سے، پھر اسی انجیل کے باب ۲۱ سے، پھر کتاب المشاہدات کے دوسرے باب سے آخر میں یوحنا کی انجیل کے آخری باب سے بشارتوں کے الفاظ نقل کئے ہیں اور دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ان بشارتوں کے مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، یہ بشارتیں کسی دوسرے نبی متعلق ہو ہی نہیں سکتیں، پھر اپنے ہر ہر دعوے کی پے در پے دلیلیں دی ہیں۔

بعض اعتراضات کے جوابات

مولانا کیرانوی نے کتب مقدسہ سے ایک بشارت نقل کی، اس میں فارقلیط کا لفظ آیا ہے، مولانا نے اس کا مصداق رسول اللہ ﷺ کو بتایا ہے جبکہ عیسائی اس سے روح القدس مراد لیتے ہیں جوان کے تین خداؤں میں سے ایک خدا ہے، مولانا نے فرمایا کہ عہد قدیم و جدید میں روح اللہ، روح الحق، روح القدس کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اگر انجیل یوحنا کے مفسر نے فارقلیط کا کی تفسیر روح القدس سے کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اچھی نصیحت کرنے والے کو بھی روح القدس کہا جاتا ہے جیسا کہ کتب مقدسہ میں اس کا استعمال ہوا ہے اس لئے اگر مفسر نے فارقلیط کا معنیٰ و مفہوم روح الحق سے کیا ہے تو اس کے معنیٰ ہمارے نزدیک واعظِ برحق کے ہیں، اسلئے فارقلیط کی آمد کی جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ رسول اللہ ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔

دوسرا شبہہ عیسائی یہ پیش کرتے ہیں کہ فارقلیط کے آنے کی پیشنگوئی حواریوں کو مخاطب کرکے کی گئی ہے کہ تمہارے پاس فارقلیط آنے والا ہے، اسلئے فارقلیط حواریوں کے زمانہ میں ہی ہونا چاہئے اور آپ کے پیغمبر کا زمانہ مدت دراز کے بعد ہے۔

مولانا کیرانوی نے فرمایا کہ یہ بہت ہی لچر خیال ہے، آسمانی کتابوں میں اس طرح کے خطابات سے کبھی حاضرین ہی تک کو مراد نہیں لیا جاتا بلکہ بعد میں آنے والوں کو بھی مراد لیا جاتا ہے اور آنے والی نسلیں بھی مراد ہوتی ہیں، اس کی سیکڑوں مثالیں احادیث میں موجود ہیں، حضور ﷺ کا حواریوں کے زمانہ میں آنا قطعی ضروری نہیں اگر آپ اس مفہوم پر اعتراض کریں گے تو آپ خود جال میں آجائیں گے، متّیٰ انجیل میں ایک جگہ حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے یسوع مسیح نے کہا کہ تم لوگ ایک ایسے انسان کو دیکھو گے جو بادلوں پر بیٹھ کر آئے گا، جن کو مخاطب کرکے یہ بات کہی گئی تھی وہ سب مر گئے مگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوااور آج اٹھارہ سو سال ہو گئے مگر یہ پیشنگوئی پوری نہیں ہوئی تو کیا تم انجیل کو جھوٹی کتاب سمجھنے کیلئے تیار ہو، اس طرح یہ اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور بعض دوسرے اعتراضات کو بیان کرکے آپ نے ان کے مفصل اور مدلل جوابات دیئے ہیں۔

حاصل کلام

مولانا کیرانوی کی یہ کتاب اظہار الحق ۷۲۰ رصفحات پر مشتمل ردعیسائیت میں ایک شاہکار کتاب ہے، یہ کتاب یہودیت اور عیسائیت کی انسائیکلو پیڈیا ہے، ان کے لٹریچر میں جتنی گمراہیاں، بدکلامیاں، بدعقیدگیاں، انبیاء کی توہین و تنقیص، گندے اور ناپاک عقائد وخیالات غرضیکہ جتنے امراض ہیں ہر ایک کا پوسٹ مارٹم کرکے بطور رپورٹ کے یہ کتاب آپ نے لکھی ہے، شاید عیسائیت و یہودیت کے مقابلہ میں اتنی

مکمل ومدلل اور جامع مانع کوئی کتاب ابتک نہیں لکھی گئی، اظہار الحق یہ پہلی اور آخری کتاب ہے، مولانا کیرانوی کا یہ ایک نا قابل فراموش کارنامہ ہے۔

مآخذ ومراجع

مولانا کیرانوی نے عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام رسالوں اور کتابوں کا پتہ چلایا ہے اوران کی پوری فہرست اپنی کتاب میں دے دی ہے، یہاں ہم اس فہرست کو نقل کرتے ہیں کیوں کہ یہی کتابیں اظہار الحق کا مآخذ مراجع ہیں۔

عہد نامہ قدیم	سفر تکوین	سفر خروج
سفر الاحبار	سفر العدد	سفر استثناء
کتاب یوشع بن نون	کتاب القضات	کتاب راعوت
سفر صموئیل اول	سفر صموئیل ثانی	سفر الملوک اول
سفر الملوک ثانی	کتاب ایوب	زبور
سفر الاول اخبار الایام	سفر ثانی اخبار الایام	سفر اول عزرا
سفر ثانی عزرا (سفر نحمیا)	امثال سلیمان	کتاب الجامعہ
کتاب نشید الانشاد	کتاب اشعیاء	کتاب ارمیاہ
مراثی ارمیاہ	کتاب حزقیل	کتاب دانیال
کتاب ہوشع	کتاب یوئیل	کتاب عاموص
کتاب عویدیا	کتاب یونان	کتاب میخا
کتاب ناحوم	کتاب حیقوق	کتاب صیفونیا
کتاب حجی	کتاب زکریا	کتاب ملاخیا
کتاب استیر	کتاب باروخ	کتاب دانیال کا کچھ حصہ

کتاب طوبیا	کتاب یہودیت	کتاب وزدم
کتاب ایکلیز یاستیکس	کتاب المقابیین اول	کتاب المقابیین ثانی

☆☆☆☆☆☆☆

عہد نامہ جدید

	انجیل متی	انجیل مرقس
انجیل لوقا	انجیل یوحنا	کتاب اعمال الحواریین
رسالہ بولس الیٰ اہل الرومیہ	رسالہ بولس الیٰ نورنیھو اول	رسالہ بولس الیٰ نورنیھو ثانی
رسالہ بولس الیٰ اہل نسس	رسالہ بولس الیٰ نیلسین	رسالہ بولس الیٰ نولائس
رسالہ بولس الیٰ اہل تالوفیضی اول	رسالہ بولس الیٰ اہل تالوفیضی ثانی	رسالہ بولس الیٰ تیموفائرس اول
رسالہ بولس الیٰ تیموفائرس دوم	رسالہ بولس الیٰ تیطوس	رسالہ بولس الیٰ نیلیمون
رسالہ بولس الیٰ عرانیین	رسالہ پطرس اول	رسالہ پطرس دوم
رسالہ یوحنا اول	رسالہ یوحنا دوم	رسالہ یوحنا سوم
رسالہ یعقوب	رسالہ یہودا	مشاہدات یوحنا

یہی یہود ونصاریٰ کی تمام مذہبی بنیادی کتابیں ہیں، ان میں سے اکثر کتاب مولانا کیرانوی کے مآخذ ومراجع ہیں، ان کے علاوہ انجیل کی تفسیروں اور عیسائیوں اور یہودیوں کے مورخین کی بھی کتابوں کے بھی حوالے اظہار الحق میں ملیں گے۔(۱)

☆☆☆☆☆☆☆

(۱) اظہار الحق، مصنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی

باب (۱۶)

غدر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد

کمپنی کی حکومت کا پنجہ ہندوستانی عوام کی گردن پر کستا جارہا تھا، مغلیہ سلطنت کے زمانے جو ذہنی وفکری آزادی، خوشحالی اور بےفکری پائی جاتی تھی اب وہ عنقا ہوتی جارہی تھی، انگریزی حکومت کا طرز عمل انتہائی مغرورانہ اور جابرانہ تھا، اس لئے دلوں کا سکون اور چین رخصت ہوتا جارہا تھا، اقتصادی ومعاشی تباہ حالی کے ساتھ اس درد میں عوام کی بےچینی کا سب سے بڑا سبب حکومت کا عیسائیت کے پھیلانے میں حاکمانہ وجابرانہ طرز عمل تھا، پادریوں کے بےلگام وعظوں تقریروں اور سے لوگوں کے دل چھلنی ہوجاتے تھے، دل سینے میں تڑپ تڑپ کر رہ جاتے تھے، اپنے جذبات کے اظہار کا کوئی طریقہ کمپنی نے نہیں چھوڑا تھا، اندر اندر ایک خاموش بےچینی اور اضطراب ہر طرف پھیلا ہوا تھا، ۱۸۵۰ء کے بعد اس اضطراب میں بےانتہا اضافہ ہوگیا تھا، شب وروز لوگوں کی زبانوں پر یہی تذکرہ تھا کہ حکومت واقتدار تو جاچکا اب دین وایمان کی بھی اس حکومت میں خیر نہیں، یہ صورت حال ہندو اور مسلمان دونوں بڑی قوموں میں تھی البتہ ہندوؤں میں یہ جذبہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا مسلمانوں میں تھا، مگر ہندو قوم بھی اپنے دھرم کی بعض باتوں پر بڑی سختی سے عامل تھی، مثلاً گائے کا احترام، چھوت چھات اس عقیدے کے خلاف وہ کوئی کام کسی بھی قیمت پر نہیں کرسکتی تھی، مسلمان تو مذہبی امور میں ایک حد تک انتہا پسند تھا، جبر واکراہ کے موقعہ پر اس کا رد عمل شدید ہوجاتا تھا، انگریزی حکومت کے بارے میں یہ عام تصور ہوچکا تھا کہ

حکومت ہندوستانیوں کے مذہب کومٹا دینے کے درپے ہے، یہ صرف عوام وخواص اور پڑھے لکھے طبقے کے جذبات وخیالات نہیں تھے بلکہ ان پڑھ ناخواندہ جاہل عوام تک اس فضا سے متاثر تھے اور فکر مند تھے حتیٰ کہ اجڈ اور گنوار فوجیوں اور سپاہیوں میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ کمپنی کی حکومت ہمارے دھرم کونشٹ اور ہمارے مذہب کوتباہ کرنے پر آمادہ ہے اوراس کا ردعمل شدید ہے

چربی لگے کارتوس: اضطراب اور بے چینی کے اس ماحول میں فوج کو جو کارتوس دیئے گئے ان کارتوسوں کودانت سے کاٹ کر بندوق میں لگانا تھا، ان کارتوسوں کے بارے میں یہ افواہ بڑی تیزی سے پھیل گئی کہ ان میں سوراور گائے کی چربی لگائی گئی ہے،فوجی اس افواہ سے بہت متاثر ہوئے تو اس کا ردعمل بڑا سخت ہوا، فوجیوں نے یہ یقین کرلیا کہ حکومت ہندواور مسلمان دونوں کے مذہب کوتباہ کرنے کیلئے یہ کام کررہی ہے،دونوں قوموں کےفوجیوں نے سمجھ لیا کہ جان بوجھ کرگائے اور سور کی چربی استعمال کر کے ہم کو ہمارے مذہب کے خالف کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے بارک پور کےفوجیوں نے اس کارتوس کواستعمال کرنے سے انکار کیا، انگریز افسران نے عدول حکمی پر ان فوجیوں کا کورٹ مارشل کیا اور سخت ترین سزائیں دیں، یہ خبرفوج کی مختلف چھاؤنیوں میں پہونچ گئی، اسی دوران میرٹھ چھاؤنی کےفوجیوں کوبھی یہی کارتوس دیئے گئے، انھوں نے سختی سے ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کردیا انگریزفوجی افسران نے ان فوجیوں کا کورٹ مارشل کرنا چاہااور ایک صف میں کھڑا کر کے حکم عدولی کرنے والےفوجیوں کوگولی مارنے کا حکم دیدیا،فوجیوں نے اس حکم کوسنا تو ان کے جذبات کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا، پوری فوج نے ان مجرم فوجیوں کی حمایت میں بندوقیں تان لیں اور میرٹھ چھاؤنی میں جتنے انگریز افسر تھے ان کواپنی بندوقوں کا نشانہ بنالیا، اوران کوگولی مارکران کی لاشیں زمین

پر بچھادیں، کوئی انگریز زندہ نہیں بچا، اب اس فوج نے دہلی کا رخ کیا، میرٹھ چھاؤنی کے فوجی شاہدرہ کے راستے دہلی شہر میں آگئے، یہاں سلطنت مغلیہ کا ایک شہزادہ جنرل بخت خاں ان فوجیوں کا کمانڈر بن گیا اور انگریزوں کے خلاف ہلّہ بول دیا گیا۔(۱)

ان فوجیوں کے سامنے جو بھی انگریز آیا اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، دہلی میں انگریزوں کی سب سے وفادر فوج پنجابی فوج تھی، اس نے باغی فوجوں کا مقابلہ کیا اورا نگریزوں کا پوراپورا ساتھ دیا، اس کے پاس گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور فوج منظم بھی تھی اس کے برعکس باغی فوج میں تنظیم نہیں تھی اور نہ وافر مقدار میں گولہ بارود تھا ،اس لئے انگریز اپنی پنجابی فوج کی مدد سے باغیوں پر قابو پاگئے۔

بادشاہ ہمایوں کے مقبرہ میں: بہادر شاہ ظفر جو اس وقت تک نام کے بادشاہ تھے وہ لال قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں چلے گئے تھے، انگریزوں کو معلوم ہوا تو جنرل ہڈسن اپنے گھوڑ سوار دستے کو لے کر مقبرہ ہمایوں پہونچا اور بادشاہ کے سمدھی کو مقبرہ ہمایوں میں بھیج کر بہادر شاہ ظفر کو باہر آنے کیلئے کہا گیا اور جان کی امان کا وعدہ کیا گیا، سمدھی کے بیان پر بادشاہ نے یقین کرلیا اور اپنے شاہزادوں کے ہمراہ مقبرہ سے باہر آئے، ہڈسن ان کو پا بہ زنجیر لے کر واپس چلا اور دہلی گیٹ پر پہونچ کر شاہزادوں کو بیل گاڑی سے اتار کر سب کی گردنیں ماردیں اور سروں کو کاٹ کر دہلی گیٹ پر لٹکا دیا اور تنہا بہادر شاہ ظفر کو لے کر لال قلعہ پہونچا، اسی وقت سے اس گیٹ کو خونی گیٹ کہا جانے لگا، بہادر شاہ ظفر پر باغیوں کی حمایت کا فرضی مقدمہ چلایا گیا اور جلا وطنی کی سزا تجویز کرکے ان کو رنگون بھیج دیا، جہاں کئی سال کی نظر بندی کے بعد راہی ملک بقا ہوئے، آج بھی رنگون میں بہادر شاہ ظفر کی قبر تماشا گاہ عبرت بن کر موجود ہے۔

---

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی، مصنفہ مولانا سید محمد میاں کی چوتھی جلد میں یہ ساری تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں، اسیر ادروی

عوامی بغاوت: فوجی بغاوت کے ساتھ عوامی بغاوت کا بھی سیلاب آ گیا تھا ،میرٹھ، سہارن پور، مظفرنگر، بجنور کے اضلاع باغیانہ جذبات کے جوالا مکھی بن گئے، اکثر جاگیردار، بڑے زمیندار، بااثر علماء اور دین کے علم برداروں نے جہاں موقعہ ملا انگریزی فوج کا مقابلہ کیا، اپنے اپنے علاقوں میں انگریزی حکومت کے افسران کو تہ تیغ کیا، شاملی تحصیل پر حاجی امداداللہ کی سرکردگی میں حملہ کر کے برطانوی فوجیوں کو شکست دی گئی اور تحصیل پر قبضہ کرلیا گیا اور کیرانہ ضلع مظفرنگر کے محاذ پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مورچہ سنبھالا۔

کیرانہ کا محاذ: کیرانہ، شاملی، تھانہ بھون وغیرہ مسلمان جاگیرداروں کا علاقہ تھا اور مسلمان گوجروں کی کثرت تھی، ان میں دینداری بھی تھی اور قوم وملت کا درد بھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں جوش جہاد بھی تھا، اس عام بغاوت کے دور میں تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک مشترکہ محاذ بنایا گیا اور مجاہدین کی تنظیم کی گئی، اسی تنظیم کے مجاہدین نے شاملی تحصیل پر حملہ کیا تھا، تھانہ بھون میں حاجی امداداللہ تھانوی (مہاجر مکی) مولوی عبدالحکیم تھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حافظ ضامن شہید اپنے رفقاء اور مجاہدین کے ساتھ مورچہ بند تھے، قاضی عنایت اللہ خاں جو تھانہ بھون کے جاگیردار تھے وہ ان مقدس مجاہدین کے ساتھ حملہ میں شریک تھے ان کے ذریعہ گولہ بارود اور اسلحہ کی فراہمی میں سہولت ہوئی، انگریزی فوجیوں کا ایک دستہ بہنگیوں پر گولہ بارود اور کارتوس لے جارہا تھا، قاضی عنایت خاں اپنے مجاہدین کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے اور سارا اسلحہ اور کارتوس وغیرہ لوٹ لیا۔

کیرانہ میں محاذ پر مجاہدین آزادی کے سپہ سالار مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے، اس علاقہ میں مسلمان گوجر زیادہ تھے اس لئے مجاہدین کی کمان چودھری عظیم الدین کو دی گئی جو گوجر تھے، اس جہاد آزادی کے دور میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم

اور تربیت کیلئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجا کر لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا اور اعلان ہوتا تھا ''ملک خدا کا، حکم مولوی رحمت اللہ کا'' اس جملہ کے کہنے کے بعد پھر جو کہنا ہوتا تھا اس کا اعلان کیا جاتا تھا، کیرانہ کا محاذ طاقتور تھا انگریزی فوج کیلئے اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا لیکن ضمیر فروشوں کی کبھی کمی نہیں رہی، کیرانہ کے کچھ افراد در پردہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور لحہ لحہ کی خبریں انگریزی حکام کو پہونچاتے رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی فوج جس میں زیادہ تامی انگریز تھے ایک بھاری توپ خانہ کے ساتھ کیرانہ میں گھس آئی اور گولہ باری شروع کردی، ریاست کے صدر مقام محلہ دربار کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا گیا، مجاہدین منتشر ہوگئے، اب انگریزی فوج کو مجاہدین کے کمانڈر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تلاش تھی کہ ان کو گولیوں کا نشانہ بنادیا جائے۔

محلہ دربار کے تمام محلات پر انگریزی فوج کا قبضہ ہو چکا تھا مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا قیام بھی اسی محلسرائے کے ایک محل میں تھا، فوج کو یقین تھا کہ مولانا اسی مکان میں روپوش ہوں گے، انگریزی افسران نے حکم دیا کہ تمام عورتیں بچے اور مرد باری باری کرکے محل سے باہر آجائیں ورنہ توپ سے محل اُڑادیا جائے گا، جب تمام افراد محل سے نکل آئے تو انگریزی فوج کو جس کی تلاش تھی اس کا کہیں پتہ نہیں تھا، وہ جھنجھلائے۔ (رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ)

مولانا کیرانوی پنجیٹھہ میں: مولانا موصوف اس وقت مکان میں نہیں تھے بلکہ جامع مسجد میں تھے جب گورہ فوج نے محلہ دربار کے بڑے پھاٹک کے سامنے توپخانہ قائم کرکے محلہ دربار کو اپنے حصار میں لے لیا تب آپ نے کیرانہ سے نکل جانے کی تدبیر کی، جامع مسجد کا ایک دروازہ ایسا تھا جو ایک گھر کے سامنے کھلتا تھا، آپ اس دروازے سے نکل کر مسلمان گوجروں کے ایک بڑے گاؤں پنجیٹھہ کا رخ کیا، یہ

گاؤں مولانا کی زمینداری میں تھا آپ وہاں پہونچ کر گاؤں کے مکھیا کے گھر میں
رُوپوش ہو گئے۔(حوالہ سابق)

کیرانہ میں مخبروں نے گورہ فوج کو خبر دی کہ ملزم پنجیٹھ گاؤں میں ہے، جو
یہاں سے تین میل کے فاصلے پر ہے، انگریزوں کا گھوڑ سوار دستہ مولانا کی گرفتاری
کیلئے پنجیٹھ چل پڑا، مولانا خود بھی انگریزی فوج کی ہر نقل وحرکت سے اپنے مخبروں
کے ذریعہ واقف ہوتے رہتے تھے، گاؤں کے مکھیا کو جو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج
پنجیٹھ آرہی ہے تو اس نے بعجلت تمام جو مجاہدین مولانا کے ہمراہ تھے ان کو گاؤں کے
الگ الگ گھروں میں تقسیم کردیا اور خود مولانا کو دیہاتی لباس پہنا کر کھرپا دیا کہ آپ
کھیت میں چلے جائیں اور وہاں گھاس کاٹنے کے انداز میں بیٹھ جائیں، بقیہ حالات کو
میں دیکھ لوں گا، تھوڑی ہی دیر کے بعد گورہ گھوڑ سوار فوج اسی راستہ سے گزری جس کے
قریب کے کھیت میں مولانا کھرپا لئے ہوئے گھاس کاٹنے کے انداز میں جھکے ہوئے
تھے، مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں کھیت میں گھاس کاٹ رہا تھا تو گورہ فوج میرے
اتنے قریب سے گزری کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم
پر لگتی تھیں اور میں ان کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

فوج کی ناکامی: گورہ فوج نے گاؤں میں گھستے ہی مکھیا کو گرفتار کرلیا اور
گاؤں کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا، ہر ہر گھر کی تلاشی لی گئی مگر مولانا ہاتھ نہیں
آئے، گاؤں کے ہر گھر کی تلاشی لینے کے بعد گورہ فوج ناکام کیرانہ واپس چلی گئی،
مولانا قدرت خداوندی سے محفوظ رہے، دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست، مولانا
کا مقدس ہاتھ انگریزوں کے ناپاک ہاتھ سے مس نہیں ہوا، گورہ فوج کی واپسی کے بعد
آپ نے اس کے پنجہ استبداد سے بچنے کے سلسلہ میں غور کرنا شروع کیا۔(حوالہ بالا)

وحشیانہ انتقام: فوجی اور عوامی بغاوت پر انگریزی حکومت نے بڑی مشکل

سے قابو پایا اور انگریزوں کا دوبارہ دہلی پر قبضہ ہوگیا، اس وقت ہر انگریز کا دماغ انتقام کے جذبات سے کھول رہا تھا اور فوجی افسران دانت پیس رہے تھے کہ کس طرح سخت سے سخت ترین سزا، ان باغی مسلمانوں کو دی جائے جنھوں نے اس بغاوت میں حصہ لیا تھا، انتہائی غصہ کے عالم میں انھوں نے عبرتناک سزائیں دینے کی تیاری کی اور دارالحکومت دہلی کے باشندوں کے دلوں کو دہلا دینے کی تدابیر اختیار کی گئیں، چاندنی چوک کے چوراہے پر سولیاں کھڑی کی گئیں اور تمام انگریزوں کو جو دہلی میں تھے ان کو ان کی عورتوں، مردوں، بوڑھوں اور جوانوں کو اس وحشیانہ انتقامی کارروائی کے جشن میں شرکت کا اعلان کیا گیا، ہزاروں انگریزوں اور انگریزی فوج کے جوانوں کی موجودگی میں شہر و بیرون شہر کے معزز مسلمانوں اور دہلی کے باہر کے مسلمان جاگیرداروں اور عام مسلمان امراء و رؤساء اور علماء کو گرفتار کر کے جمع کیا گیا اور خون کے پیاسے عفریت کا ننگا ناچ شروع ہوگیا۔

پھانسی کے پھندے: دہلی شہر اور اطراف و جوانب میں درختوں کی موٹی موٹی شاخوں میں رسی کے پھندے لٹکا دیئے گئے اور جو بھی معزز مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ گیا اس کو ہاتھی پر بیٹھایا اور درخت کے نیچے لے گئے، پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا، لاش پھندے میں جھول گئی، آنکھیں اُبل پڑیں، زبان منہ سے باہر نکل پڑی، ذبح کیے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ تڑپ کر پھڑک پھڑک کر جان دینے اور جانکنی کا وہ ہیبت ناک منظر کہ کمزور دل کا انسان صرف اس منظر کو دیکھ کر ہوش وحواس کھو بیٹھے، ایک انگریز عورت نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ میں نے یہ عبرتناک منظر دیکھا ہے، بسا اوقات ان پھانسیوں پر لٹکائے جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی کے ہندسہ 8 بن جاتی تھیں، ریاست جھجر کے نواب عبدالرحمٰن کو اسی طرح پھانسی پر لٹکایا گیا۔ (غدر ۱۸۵۷ء، تصویر کا دوسرا رخ، سر ایڈورطامسن، ترجمہ شیخ حسام الدین امرتسری)

روزانہ سیکڑوں مسلمانوں کوصبح وشام تک پھانسیاں دی جاتی تھیں، اس طرح کی ہیبت ناک سزا دینے کے باوجود غصہ میں بھرے ہوئے انگریزوں کے جذبہ انتقام کی پیاس نہیں بجھتی تھی اور وہ کوئی اس سے زیادہ اذیت رساں اور عبرتناک سزا دینا پسند کرتے تھےاوراس کی ترکیبیں سوچتے رہتے تھے۔

توپ سے اُڑا دینا: مسلمانوں میں خوف ودہشت پھیلانے کیلئے وہ سزا کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے تھے، ان طریقوں میں سے ایک یہ تھا کہ کسی سربرآوردہ مسلمان کو پکڑ کر توپ کے دہانے پر رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا اور پھر توپ چلا دی پھر کیا ہوتا تھا؟ قلم کانپ رہا ہے، دل تھرتھرا رہا ہےاوراس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑا رہی ہے اور اس کربناک صورت حال کے اظہار سے قاصر ہے، توپ داغ دینے کے بعد پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہوکر فضا میں اڑ جاتا تھا جس طرح تیز ہوا میں کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اڑ رہے ہوں اور دور تک خون کے چھینٹے اس طرح پڑتے تھے جیسے فضا میں کسی نے زمین پر انسانی خون کا چھڑکاؤ کیا ہو، زمین لالہ زار بن جاتی تھی، لاش کا سر فضا میں میلوں بلندی پر جاکر زمین پر گرتا تھا تو بسا اوقات کسی راہ گیر کی جان چلی جاتی تھی۔ (حوالہ بالا)

جلاد کی ڈائری: اگر کوئی شاہی جلاد اپنی ڈائری مرتب کرے تو اس میں سوائے پھانسیوں، عبرتناک سزاؤں کے اور کیا ملے گا؟ اسی طرح کے ایک جلاد کی ڈائری ہے جس سے میں نے یہ واقعات نقل کئے ہیں، یہ تفصیلات اوراس طرح کے سیکڑوں واقعات ایک مشہور انگریز مصنف سر ایڈورطامسن نے اپنی مشہور کتاب ''دی آدر سائڈ آف دی ماڈل'' یعنی غدر ۱۸۵۷ء، تصویر کا دوسرا رخ'' میں لکھے ہیں، جس کے اردو ترجمے سے میں نے یہ اقتباسات لئے ہیں اور ایک دو نہیں سیکڑوں واقعات ہیں تقریباً چالیس، پچاس ہزار مسلمان انگریزوں کی وحشیانہ کارروائی کے شکار ہوئے۔

کالے پانی کی سزا: ایک بہت بڑی تعداد ان مسلمانوں کی تھی جن کو بغاوت فرو کرنے کے بعد انگریزی حکومت نے گرفتار کیا تھا اور ان پر بغاوت میں حصہ لینے کے جرم میں مقدمات چلائے گئے، یہ عدالت میں انصاف دینے کا ایک ڈرامہ تھا ورنہ ہر گرفتار مسلمان بلا ثبوت بھی عدالت کی نگاہ میں مجرم تھا، عدالت کی کرسی پر انگریز تھا، جو اس وقت انصاف کو لغو اور بے معنیٰ لفظ سمجھتا تھا جو بھی مسلمان عدالت میں پیش ہوا ان میں سے ہر ایک کو گولی مارنے کا حکم دیا گیا یا پھانسی پر چڑھانے کا فیصلہ لکھ کر پہلے سے رکھا ہوا تھا اور جب گولی مارنے اور پھانسی پر چڑھانے میں ناکام ہوتے تو ایسے تمام مجرم مسلمانوں کیلئے کالے پانی کی سزا مقرر تھی جس کو اس زمانہ میں عدالت کی زبان میں "عبور بہ دریائے شور" کہا جاتا تھا، یہ سمندر میں بہت دور غیر آباد جزیرے تھے جو انگریزوں کے قبضے میں تھے، جن کو پھانسی نہ دی جاتی ایسے (تقریباً پانچ ہزار) معزز ترین مسلمانوں کو کالے پانی بھیج دیا جاتا تھا جہاں سے واپسی ناممکن سمجھی جاتی تھی مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا محمد یحییٰ صادق پوری، مولانا عبدالرحیم صادق پوری، مولانا احمد اللہ صادق پوری، مولانا جعفر تھانیسری جیسے حضرات اس فہرست میں شامل ہیں جو اپنے دیار کے انتہائی معزز لوگ تھے، وہاں ان کو چوروں ڈاکوؤں اور قاتلوں کے درجے میں رکھ کر ذلیل سے ذلیل کام لیا جاتا تھا، ایسے تمام حضرات یہ عبرتناک زندگی گزار کر اسی جزیرے میں پیوند خاک ہو گئے، دو تین حضرات جو قسمت کے دھنی تھے بعض اسباب کی بنا پر پندرہ بیس سال سزا کاٹ کر اپنے وطن واپس آسکے، مولانا محمد یحییٰ صادق پوری کا جب جزیرے میں انتقال ہوا تو ان کے جنازے میں تقریباً پانچ ہزار مسلمان شریک ہوئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پانچ ہزار سے زائد مسلمان ضرور کالے پانی بھیجے گئے۔(۱)

---

(۱) تواریخ عجیب عرف کالا پانی، مؤلفہ مولانا جعفر احمد تھانیسری (آپ بیتی)

باب (۱۷)

مولانا کیرانوی کی ہجرت

انگریزوں کے انتقام کی وحشیانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری تھا پورا ملک ان درد ناک اور کربناک مناظر کو دیکھ کر اور سن کر لرزہ براندام تھا، خوف ودہشت کا ایسا مایوس کن ماحول تھا کہ مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ کر بھی تھرتھرا رہا اور کانپ رہا تھا، ہزاروں معزز مسلمانوں اور ممتاز علماء کے نام وارنٹ گرفتاری جاری تھا، ہر علاقہ کی پولیس باغیوں کو تلاش کرتی پھرتی تھی، انگریزوں کے مخبر شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھیلے ہوئے تھے اور بوسونگھتے پھر رہے تھے، جہاں بھی ان کو پتہ چلا کہ انگریزی حکومت کا مجرم فلاں مقام پر ہے فوراً علاقہ کے تھانے میں اطلاع پہونچاتے اور پولیس دوڑ پڑتی، یہ مخبر ہندوستانی تھے، ہمارے ہی طرح کے لوگ تھے، ہماری ہی آبادیوں میں رہتے تھے، ہمارے ہی طرح لباس پہنتے تھے ان کی شکل وصورت اور لباس کو دیکھ کر کسی کو شبہہ بھی نہ ہوتا کہ یہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری جان کے پیچھے پڑا ہے لیکن در پردہ وہ لوگ حکومت کے کارندے ہوتے تھے، تنخواہیں پاتے تھے اور مسلمانوں کی جان اور مال کو تباہ کرنے میں کلیدی رول ادا کرتے تھے ایسے ہی بدباطن اور ضمیر فروش لوگوں کے حصار میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی گھرے ہوئے تھے، گورہ فوج کی گرفتاری سے تو اللہ تعالیٰ نے بچا دیا لیکن اپنی آبادیوں میں رینگنے والے سانپوں سے بچنا ایک مشکل امر تھا، پتہ نہیں کب اس کی نظر پڑ جائے اور کب ڈس لے، ان کی کوئی علامت اور پہچان نہیں

تھی کہ ان سے بچاؤ کی تدبیر کی جاسکے۔

مولانا کیرانوی کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا بلکہ ان کے گرفتار کرنے والے کو اس زمانہ میں ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا بھی اعلان کیا جاچکا تھا، انگریزی حکومت کے بچھائے ہوئے جال سے نکلنا انتہائی دشوار تھا، آمد ورفت کے وسائل بھی ناپید تھے، سوائے پیادہ پا سفر کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا، ہر طرف مخبر سانپ کی طرح رینگ رہے تھے، پیادہ پا سفر میں کہیں بھی شبہہ کی بنا پر گرفتار کئے جاسکتے تھے لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری اور دل میں یہ عزم بالجزم کرلیا کہ ہر ممکن طریقے سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ خدا کی پناہ میں پہونچ جاؤں، آپ نے اپنا نام بدل کر مصلح الدین رکھ لیا، روزمرہ کا لباس بھی تبدیل کرلیا اور کیرانہ سے دہلی کیلئے پا پیادہ روانہ ہوگئے، جہاں انگریز عذاب کی بھٹی دہکائے ہوئے شکار کی تلاش میں مصروف تھے، آپ دہلی پہونچے اور وہاں سے وہ راہ اختیار کی جو آپ کو سورت کی بندرگاہ تک پہونچادے، یہ طول طویل مسافت آپ نے پیدل طے کی، بڑے بڑے ریگستان، خطرناک جنگل اور ویران راستوں کو کس طرح طے کیا یہ خدا ہی جانتا ہے یا مولانا کیرانوی، ایک رئیس کبیر ناز ونعم اور عیش وآرام کے پلے ہوئے اس طرح کے مصائب کا کبھی سامنا نہیں ہوا تھا لیکن مومن صادق جب کسی چیز کیلئے عزم بالجزم کرلے تو ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے، یہ ہزاروں میل کی مسافت کتنے دنوں میں طے ہوئی ہوگی، بھوک پیاس، جان کا خوف قدم قدم پر حصار میں لئے ہوئے تھا مگر آپ بھیس بدلے ہوئے خدا کے سہارے ہر خوف وخطر سے بے نیاز ہوکر سورت کی بندرگاہ پہونچنے میں کامیاب ہوگئے، یہ دو ڈھائی ماہ کی مدت انگریزی عملداری ہی میں چلتے اور سفر کرتے ہوئے گزری مگر خدا نے آپ کی حفاظت فرمائی۔(۱)

---

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مقالہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اس زمانہ میں بادبانی کشتیاں چلا کرتی تھیں، مولانا کیرانوی بھی ایک بادبانی کشتی میں سوار ہونے میں کامیاب ہوگئے، ساحل پر انگریزی حکومت کا جاسوس موجود تھا، اس کی نگاہ مولانا کیرانوی پر پڑی، اس نے جیب سے تصویر نکالی اور ملایا جب اس کو یقین ہوگیا کی یہ مولانا کیرانوی ہیں تو اس نے آپ کا وارنٹ گرفتاری دکھایا اور کہا کہ مجھے آپ کی گرفتاری کا حکم ملا ہے مگر میں مسلمان ہوں، مولانا کشتی میں بیٹھ چکے تھے اور سی آئی ڈی انسپکٹر ساحل پر تھا وہ ابھی اپنی بات پوری نہ کرسکا تھا کہ کشتی نے لنگر اٹھادیا اور چل پڑی، انسپکٹر ساحل سے ناکام واپس چلا گیا، مولانا جدہ کی طرف چل پڑے۔

تحفظ اسلام کیلئے سب قربان: ہندوستان سے ہجرت کا مطلب یہ تھا کہ زندگی ہی میں تمام اعزہ واقارب سے وطنی تعلق ختم ہوجائے نہ وطن واپسی ہوسکتی ہے اور نہ وطن میں دوبارہ ملاقات ہوسکتی ہے اور نہ ایک دوسرے کے وقت پر کام آسکتے ہیں، انگریزی حکومت کا مجرم بن کر اس کے پنجۂ استبداد سے بچ کر نکل جانا بھی ناقابل معافی جرم تھا، اس کے خاندان، اس کی جائداد، اس کے مکانات، اس کی حویلیاں، اس کے علاقے اور اس کی ساری جاگیر کو تباہ و برباد کرکے حکومت اپنے انتقام کی پیاس بجھاتی تھی، مولانا کیرانوی کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ رویہ اختیار کیا گیا، مولانا پوری ایک ریاست کے مالک تھے، بہت بڑا علاقہ آپ کے زیر اقتدار تھا جس کی آمدنی آپ کے خاندان کو ملتی تھی، بڑی بڑی حویلیاں اور محلسرائیں بنوائی گئی تھیں جس میں آپ کا خاندان رئیسانہ زندگی بسر کرتا تھا، آپ کی ریاست کے مختلف علاقوں میں آپ کے کارندے رہتے تھے ان کی وصول تحصیل کرتے تھے، یہ تمام علاقے حکومت نے ضبط کرلئے اور ساری جائداد اور علاقے اونے پونے نیلام کردیا، لاکھوں کی جائداد کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر اپنے انتقام کی پیاس بجھائی، مولانا کیرانوی کی گرفتاری کی

ناکامی کا غصہ آپ کی تمام جائداد اور خاندان کو تباہ و برباد کر کے اتارا، اس سلسلہ میں مجھے ایک مختصر سی رپورٹ جو مجھے ملی ہے اس کی تفصیل سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

باغی رحمت اللہ:۔ مولانا کیرانوی کی عدم موجودگی میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا، پولیس کی رپورٹ پر عدم پیروی کی وجہ سے یکطرفہ فیصلہ عدالت نے صادر کر دیا اور آستین کے ایک سانپ مخبر کمال الدین کیرانوی کی شناخت پر عدالت نے ان تمام جائدادوں کو بحق سرکار ضبط کرنے کا حکم سنایا جس کا نفاذ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ر جنوری ۱۸۶۲ء کو کیا، اس نے مولانا کیرانوی کی مملوکہ جائداد کو نیلام کر کے جو فہرست مرتب کی وہ حسب ذیل ہے۔

انڈکس مشمولہ مسل فوجداری مقدمہ

عرضی گزار کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی

تفصیل جائداد:۔ سرائے کھجور، سرائے چوڑھے، سرائے شیخ فضل الٰہی، سرائے قصاباں، سرائے لوہ آباد، سرائے مالیاں نیلام کی گئیں۔

سرائے کھجور ۴۲ر روپے، سرائے چوڑھے ۵۶ر روپے،، سرائے قصاباں ۱۴ر روپے، سرائے لوہ آباد ۱۵ر روپے ، یہ سب سرائیں اور ربیع قطعات زمین و مکانات ایک ہزار چار سو بیس روپیہ میں نیلام ہوئے جن کی اس زمانہ میں لاکھوں روپے قیمت تھی، مزروعہ علاقے اور زراعتی زمینیں اس سکنائی جائداد کے علاوہ ہیں جو بحق سرکار ضبط ہوئیں۔ (رسالہ ندائے حرم، کراچی ۱۹۵۲ء)

مولانا کیرانوی مکہ مکرمہ میں: مولانا کیرانوی سی آئی ڈی کے پنجہ میں نہ آسکے، سمندر کی موجوں میں ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی میں کبھی کبھی موت و زیست کے مرحلے آجاتے ہیں اور جب تک کشتی ساحل پر نہیں لگ جاتی تب تک کشتی پر سوار افراد اضطراب اور بیم و رجا کے نہ ختم ہونے والے ہیجان میں گرفتار رہتے ہیں، لیکن مولانا

کیرانوی کو کئی مہینوں کی ذہنی وقلبی اذیتوں سے نجات اس ہچکولے کھاتی ہوئی، موجوں سے لڑتی ہوئی کشتی میں حاصل ہوئی کیوں کہ دل میں اب یہ یقین پیدا ہوا کہ میں ظالم انگریزی حکومت کے پنجہ استبداد سے رہائی پا چکا، آپ علی الصباح مکہ مکرمہ پہونچ گئے ،(۱) خدا کے جاہ وجلال والا گھر کعبہ کے سامنے تھا، جس سرزمین سے اسلام کا سورج طلوع ہوا، جہاں ۱۳رسال شہنشاہ کونین سرکار دو عالم ﷺ نے ایمان کی دولت لٹائی، اس سرزمین پر پہونچ کر مولانا کیرانوی کا دل ایمان کی توانائیوں سے بھر گیا، اور انگریزی حکومت کے نام پر نفرت سے تھوک دیا، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کے روئیں روئیں سے آواز آرہی تھی۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلنداست آشیانہ

---

(۱) یہ تمام تفصیلات مولانا محمد سلیم صاحب کے مقالہ سے لی گئیں رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء

باب (۱۸)

آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن

مولانا کیرانوی جس طرح انگریزی حکومت میں باغی شمار کئے گئے اسی طرح ان کے ہم نواؤں، دوستوں، ہمدردوں کو بھی انگریزی حکومت نے باغیوں کی فہرست میں شمار کرر کھا تھا، ان کے نام بھی وارنٹ گرفتاری کا جاری کرر کھا تھا اور پولیس ان کی گرفتاری کیلئے تگ ودَو کررہی تھی اور سرگرمی سے تلاش کررہی تھی، ڈاکٹر وزیر خاں ،مولانا کیرانوی کے مخلص دوستوں میں سے تھے، سرکاری ملازم ہوتے ہوئے بھی دین کی حفاظت کیلئے انجام سے بے نیاز ہوکر مناظرہ اکبرآباد میں مولانا کیرانوی کے دست وبازو بنے رہے اور آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا، انگریزی زبان کے علاوہ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے اس لئے پادری فنڈر اور پادری فرنچ کی ساری ہٹ دھرمیوں کا جواب اصل انجیل کے صحیح اور بروقت حوالے دے کر ان کا ناطقہ بند کردیا تھا ،مناظرہ میں جو ذلت آمیز شکست سرکاری مشنریوں کو ہوئی اس میں بہت بڑا ہاتھ ڈاکٹر وزیر خاں کا بھی تھا، اسی مناظرہ کی وجہ سے انگریزی حکومت کا سارا منصوبہ ناکام ہوگیا اور پورے ملک کو عیسائی بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اسلئے وہ ڈاکٹر وزیر خاں کو کس طرح فراموش کرسکتے تھے اور پھر جس جذبے سے مولانا کیرانوی کا دل معمور تھا کہ انگریزوں کی لعنت کو ہندوستان سے دور کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور حکومت کے خلاف ہونے والی بغاوت میں بھی عملی طور پر حصہ لے کر ثابت کردیا کہ وقت پڑنے پر ہم تلوار اُٹھا سکتے ہیں، داکٹر وزیر خاں بھی غدر ۱۸۵۷ء میں زخمیوں کے علاج میں شب

وروز مصروف رہتے تھے اور باغیوں کو جو کچھ مدد پہونچا سکتے تھے پہونچایا، اور جب انگریزوں نے بغاوت پر قابو پالیا تو باغیوں کی داروگیر شروع کی، ان کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا، آپ نے بھی وہی راہ اختیار کی جس راہ سے مولانا کیرانوی ہندوستان سے نکل کر مکہ مکرمہ پہونچے تھے وہ بھی مکہ مکرمہ پہونچ گئے، لیکن وہ شہر میں قیام کرنے کے بجائے ایک قبیلہ میں سکونت پذیر ہوئے، ان کے سامنے کچھ مصلحتیں تھیں، انگریزوں نے ہندوستان پر دوبارہ اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد چاہا کہ ڈاکٹر وزیر خاں کو تلاش کر کے سزا دی جائے، حکومت کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر وزیر خاں مکہ مکرمہ میں ہیں، اس وقت حجاز پر ترکوں کی حکومت تھی، ترکوں اور انگریزوں میں دوستانہ تعلقات تھے اسلئے ہندوستان کی انگریزی حکومت نے سلطان ترکی کو لکھا کہ ہمارا ایک مجرم آپ کے حدودِ سلطنت میں ہے، ازراہ کرم اس کو آپ ہمارے حوالے کر دیں،

سلطان ترکی نے مکہ مکرمہ کے گورنر کو لکھا کہ ڈاکٹر وزیر خاں کو گرفتار کر کے مطلع کیا جائے، شاہی فرمان کے بعد گورنر مکہ نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور دربار خلافت سے آئے حکم سے ان کو باخبر کیا، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں اللہ اور رسول کی پناہ میں ہوں مجھے یہاں سے گرفتار کر کے دشمنان دین کے حوالے کرنا کسی طرح آپ کیلئے جائز نہیں، اور اگر مجھے گرفتار ہی کرنا ہے تو میری گرفتاری سے پہلے میں جس قبیلہ میں قیام پذیر ہوں اس کے سردار سے آپ گفتگو کر لیں۔

ڈاکٹر صاحب کا تعارف سردار قبیلہ سے اس کی قریب مرگ بیوی کے کامیاب علاج کی ذریعہ ہوا تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب کو جو اس قبیلہ میں بڑا اعزاز واکرام حاصل تھا، گورنر نے سردار قبیلہ کو بلایا اور اپنا عندیہ ظاہر کیا تو سردار نے گورنر سے کہا آپ بیشک ڈاکٹر صاحب کو گرفتار کر سکتے ہیں مگر یہ گرفتاری اسی وقت ہو سکے گی جب

میرے قبیلے کے بیس ہزار جوانوں میں سے ایک ایک کٹ کر نہ مر جائے اس وقت تک آپ ڈاکٹر صاحب کو گرفتار نہیں کر سکتے۔

گورنر نے ڈاکٹر صاحب کا جواب اور سردار قبیلہ کی گفتگو کی تفصیل لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دی، سلطان ترکی نے انگریزی حکومت کو لکھ کر بھیج دیا کہ کسی مسلمان کو حرم محترم سے گرفتار کر کے کافروں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا، اس طرح ڈاکٹر وزیر خاں انگریزی حکومت کے خون آشام عفریت سے نجات پاسکے، آپ پوری زندگی حرم محترم کے جوار میں گزار کر اسی مقدس سرزمین میں آسودۂ خواب ہوئے۔

چودھری عظیم الدین: مولانا کیرانوی کے ایک بہت قابل اعتماد رفیق چودھری عظیم الدین تھے جب کیرانہ میں مولانا نے **علم جہاد** بلند کیا تو آپ کے جھنڈے کے نیچے مسلمان گوجروں کی بہت بڑی تعداد آگئی آپ نے ان مجاہدین کی کمان چودھری عظیم الدین کو سپرد کی کیونکہ یہ بھی گوجر مسلماان تھے، کیرانہ کے محاذ پر آخر تک ڈٹے رہے، جب انگریزوں نے کیرانہ پر قبضہ کرلیا اور مولانا انگریزی جال سے نکل گئے، چودھری عظیم الدین بھی انگریزی حکومت کی گرفت میں نہیں آئے، لیکن ہندوستان کی سرزمین میں دونوں کی ملاقات نہیں ہوسکی مولانا کیرانوی کے مکہ مکرمہ پہونچنے کے بہت بعد چودھری صاحب بھی انھیں مصائب سے گزر کر مکہ پہونچے جن سے مولانا کیرانوی گزرے تھے، مکہ مکرمہ میں ہی وہ تازیست رہے اور مولانا کیرانوی کی معیت میں رہے، وہیں وقت موعود آیا اور اس مقدس سرزمین میں دفن ہونا نصیب ہوا۔

حاجی امداد اللہ تھانوی: بیدار مغز علماء نے دو محاذ بنائے، ایک محاذ کیرانہ پر کمانڈر مولانا کیرانوی رہے اور دوسرا محاذ تھانہ بھون میں بنایا گیا جس کے امیر حاجی امداد اللہ تھانویؒ رہے، انھیں کے جھنڈے کے نیچے مظفر نگر کی تحصیل شاملی پر حملہ ہوا

جس میں حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حافظ ضامن شہید شریک ہوئے، تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت خاں ہمرکابی میں تھے، شاملی کی تحصیل فتح ہوگئی، حافظ ضامن شہید نے اسی مورچہ پر جام شہادت نوش کیا، قاضی عنایت خاں انگریزوں کی داروگیر سے اس طرح محفوظ رہے کہ انھوں نے راتوں رات تھانہ بھون سے نکل کر روپوشی اختیار کی اور پوری زندگی گمنامی میں بسر کی وہ حکومت کے ہاتھ نہیں آئے، انگریزی فوج نے تھانہ بھون میں ان کے محل کو توپ سے اُڑادیا، اور اس کو کھنڈر بنادیا۔

حضرت گنگوہیؒ کے نام بھی وارنٹ گرفتاری تھا، آپ رام پور منہیاراں میں گرفتار ہوئے، چھ ماہ مظفر نگر جیل میں رہے، آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا، روزانہ افواہیں اُڑتی تھیں کہ عدالت نے پھانسی کی سزادی ہے، چھ ماہ مقدمہ کی کارروائی چلتی رہی لیکن ثبوت کے ناکافی ہونے کی وجہ سے آپ رہا کردیئے گئے۔

حضرت نانوتویؒ کے نام بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوا اور ان تمام مقامات پر پولیس چھاپے مارتی رہی جہاں جہاں ان کے قیام کی رپورٹ تھانے کے مخبروں نے دی، ہر بار پولیس ناکام ہوئی اور آپ کو گرفتار نہ کرسکی، چھ سات ماہ انڈر گراؤنڈ رہ کر آپ نے سفر حج کا ارادہ کرلیا اور خفیہ راستہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے، اس زمانہ میں سفر حج میں پورا ایک سال لگ جاتا تھا، جب حضرت نانوتوی سفر حج سے وارد ہند ہوئے تو اس وقت تک ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو ڈیڑھ برس سے زائد عرصہ ہو چکا تھا اور حکومت کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر تاج برطانیہ کے تحت آگئی تھی جس دن ملکہ وکٹوریہ کو اختیارات حاصل ہوئے اس کی طرف سے عام معافی کا اعلان کردیا گیا، سارے وارنٹ منسوخ کردیئے گئے اور بذریعہ اشتہار اعلان کردیا گیا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے کسی بھی مجرم کو نہ اب گرفتار کیا جائے گا اور اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور نہ کوئی سزادی جائے گی، اس اعلان عام کے بعد حضرت نانوتویؒ ساحل بمبئی پر اترے پھر بمبئی سے

مختلف سواریوں سے اپنے وطن نانوتہ پہونچے، رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت۔

حاجی امداد اللہ صاحب تھانویؒ کے نام وارنٹ جاری ہوا، آپ نے سب سے پہلے انگریزی جال سے نکلنے کیلئے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور سب سے پہلے پا پیادہ ساحل سمندر تک پہونچے جس میں کئی ہفتے صرف ہوئے، بہت سے مصائب جھیل کر کسی طرح بندرگاہ پہونچ کر جہاز پر سوار ہونے میں کامیاب ہوئے، ہندوستان کے مجاہدین میں غالباً سب سے پہلے حاجی امداد اللہ تھانوی ہی مکہ مکرمہ پہونچے، آپ نے وہاں پہونچ کر وہاں کے ایک مسافر خانہ ''رباط داؤدیہ'' کے ایک حجرہ کو اپنا مسکن بنالیا،

مولانا رحمت اللہ کیرانوی حاجی صاحب سے کچھ دنوں بعد مکہ مکرمہ علی الصباح پہونچے، مطاف میں مولانا کیرانوی اور حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی دونوں حضرات بے تابانہ ایک دوسرے سے ملے، طواف وسعی سے فراغت کے بعد حاجی صاحب مولانا کیرانوی کو لے کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، وہاں دونوں نے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کی، اب مکہ مکرمہ میں زندگی کی کیا مصروفیت ہوگی اس مسئلہ پر غور کرنے کا مرحلہ سامنے آیا، ہفتہ دو ہفتہ بعد قدرت نے شاہراہ عمل دکھادی اور آپ پر اس گامزن ہوگئے۔(۱)

---

(۱) رسالہ ندائے حرم، کراچی۔ اپریل، مئی ۱۹۵۱ء

باب (۱۹)

مولانا کیرانوی مکہ مکرمہ میں

حجاز میں اس وقت ترکوں کی حکومت تھی ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ترکی حکومت کی طرف سے گورنر مقرر تھے ،ترکوں کا مزاج ہمیشہ دین پسند اور شعار اسلام سے بے پناہ عقیدت کا حامل تھا ،حرم مکہ میں درس وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ جاری تھا ، مشاہیر علماء وہاں اپنا اپنا حلقہ درس قائم کئے ہوئے تھے ، ان تمام علماء کو جو تدریسی خدمات انجام دیتے تھے حکومت ترکی کی طرف سے وظیفے مقرر تھے ، وہ مطمئن ہوکر دینی تعلیم دینے میں لگے رہتے تھے ،حرم مکی کی مجلس علماء کے صدر اس وقت سید احمد دحلان تھے وہ اس وقت کے مشہور عالم تھے ،حرم میں تدریسی خدمات انجام دینے کیلئے ان کی اجازت ضروری تھی ، مولانا کیرانوی جن دنوں مکہ مکرمہ پہونچے ہیں اور رباط داؤدیہ میں حاجی امداد اللہ تھانوی کے ساتھ مقیم تھے اس زمانہ میں یہی سید احمد دحلان علماء مسجد حرام کے صدر تھے اور ان کے درس کی بڑی شہرت تھی ۔

مولانا کیرانوی نے ہجرت کی نیت کرلی تھی اسلئے کوئی دینی مشغلہ بھی ضروری تھا ، ابتداءً آپ اوقات درس میں جاکر سید احمد دحلان کے درس میں سماعت کرتے اور ایک طالب علم کی حیثیت سے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہوتے رہے ، سید احمد دحلان چونکہ شافعی المسلک عالم تھے ، اسلئے درس میں ان کے مسلک کی ترجیح کے دلائل بیان فرماتے تھے ، ایک دن وہ حسب معمول درس دے رہے تھے اور کسی مسئلہ میں شافعی مسلک کی ترجیحات بیان فرمارہے تھے ، مولانا کیرانوی درس میں حاضر تھے ، درس ختم

ہونے کے بعد آپ نے طالب علمانہ ان سے کچھ وضاحتیں چاہیں جیسے عام طور پر ذہین طلبہ اپنے اساتذہ سے پوچھتے رہتے ہیں اور اپنے اشکالات استاذ کے سامنے پیش کر کے تسلی حاصل کر لیتے ہیں، مولانا کیرانوی کا یہی انداز تھا، تھوڑی دیر سوال و جواب کے بعد سید احمد دحلان نے اندازہ کرلیا کہ سائل طالب علم نہیں کوئی جید الاستعداد عالم ہے، دل میں جب یہ خیال آیا تو انھوں نے مولانا کیرانوی سے تعارف حاصل کرنا چاہا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی تو مولانا کیرانوی نے مختصر طور پر ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مظالم، عیسائی حکومت کی سرگرمیاں، اس کے اسقف اعظم سے اکبرآباد میں مناظرہ کی روداد اور ۱۸۵۷ء کی عام بغاوت کو بہت اختصار کے ساتھ بیان کر دیا، سید احمد دحلان بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ کل آپ میرے یہاں ماحضر تناول فرمائیں، دوسرے دن مولانا کیرانوی حاجی امداد اللہ تھانوی کو ساتھ لے کر سید احمد دحلان کے گھر گئے، وہاں کی مجلس میں مولانا کیرانوی نے پوری تفصیل سے مناظرہ کی روداد بیان کی اور ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اس کو مفصل بیان کیا اور پھر کس طرح ہندوستان سے نکلنے میں کامیابی ملی یہ ساری داستان ان کو سنائی، سید احمد دحلان مردم شناس اور علماء کے قدرداں تھے، انھوں نے مولانا کیرانوی سے اسی مجلس میں فرمایا کہ آپ حرم میں باقاعدہ اپنا حلقہ درس قائم کریں اور اسی وقت حرم مکی کے علماء کی فہرست میں آپ کا نام درج کرلیا۔ اس طرح معاشی مشکلات پر آپ نے قابو پالیا اور تعلیم و تدریس کا مبارک سلسلہ بھی حسب ذوق و مزاج حاصل ہو گیا۔

مولانا کیرانوی کی ساری جدوجہد صرف دین کیلئے تھی، جان خطرے میں ڈال کر گھربار جائداد واملاک تباہ کی، تمام اعزہ واقربا کو چھوڑ کر صرف اسلئے کہ دین کی حفاظت کا وہ فرض انجام دے سکیں نام و نمود، دولت و ثروت کی تلاش کیا معنیٰ انھوں نے تو خود اپنے ہاتھوں اپنا سرمایہ لٹا دیا، آپ کیلئے تدریس کا مختصر سا وظیفہ کافی تھا۔

مکہ مکرمہ میں زندگی کے شب وروز: مولانا کیرانوی کو جب حرم میں درس کی با قاعدہ اجازت دے دی گئی تو آپ یکسوئی کے ساتھ تعلیم وتدریس میں مصروف ہوگئے، ان کے حلقہ درس کو شہرت بھی ملی، اور ایک بہت بڑے حلقہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آپ کے تلامذہ بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور علمی شہرت بھی حاصل کی، ہندوستان کے حالات موسم حج میں ہندوستان سے آنے والے حجاج کے ذریعہ معلوم ہوتے رہتے تھے، باقی سارے روابط منقطع تھے کیوں کہ ہندوستان واپسی کا خیال دل سے بھی آپ نے نکال دیا تھا۔ چھ سات ماہ تک نہایت خاموشی کے ساتھ صرف درس وتدریس میں مشغول رہے اور کسی طرح کی ودسری سرگرمی نہیں رکھی، زندگی صرف ایک نہج پر گزر رہی تھی، آپ کے روابط حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی سے بہت مستحکم تھے وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کے شیخ ومرشد تھے اس لئے ان کے خلفاء کے خطوط آتے رہتے تھے، حضرت حاجی صاحب مولانا کیرانوی سے علمی مسائل معلوم کرتے رہتے تھے اوران سے مشورے لیتے رہتے تھے، اور مولانا کیرانوی پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔

پادری فنڈر ترکی میں: پادری فنڈر مناظرہ اکبرآباد میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد ہندوستان سے رخصت ہوگیا کیوں کہ انگریزوں کی نگاہ میں پہلی جیسی وقعت نہیں رہی جبکہ کچھ انگریز حکام اس کے طریقہ کار سے برہم بھی تھے اس لئے اپنوں کا ذلت آمیز سلوک کب تک برداشت کرتا، وہ یہاں سے رخصت ہوکر انگلینڈ چلا گیا، وہ پانچ چھ برسوں تک کبھی انگلستان میں رہا کبھی جرمنی میں کبھی سوئزر لینڈ میں لیکن وہ کہیں بھی مطمئن نہ ہوسکا، آخر میں مشن سوسائٹی لندن نے اس کو قسطنطنیہ (ترکی) کے دارالخلافہ بھیجا کہ وہاں عیسائیت کی تبلیغ کا کام کرے، اس نے ترکی کے مختلف شہروں کے دورے کئے، عیسائیوں کو منظم کیا اور اپنے ہر وعظ میں بڑے

فخریہ انداز میں ہندوستان میں ہونے والے مناظرہ کا ذکر کرتا اور مناظرہ میں اپنی شاندار کامیابی کا ذکر کرتا، اس نے اپنے ہر جلسہ میں اعلان کیا کہ میں نے ہندوستان میں اسلام کو شکست دے دی ہے، عیسائیت نے اپنی فتح کا پرچم لہرا دیا ہے، ہندوستان کے تمام علماء لاجواب ہو چکے ہیں اور بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان کے مسلمان عیسائیت قبول کرتے جارہے ہیں جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب عیسائیت ہندوستان کا واحد مذہب بن جائے گی، عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کو شکست فاش ہو چکی ہے۔

دربار خلافت کو تشویش: پادری فنڈر کی لفاظیوں اور لن ترانیوں کا ذکر خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی تک پہونچا، سلطان کو سخت تشویش ہوئی، صحیح صورت حال جاننے کیلئے وہ بے چین ہو گئے، یہ سلطان عبدالعزیز کا عہد خلافت تھا، انھوں نے مکہ کے گورنر امیر عبداللہ پاشا کے نام حکمنامہ بھیجا کہ امسال ہندوستان سے حج کیلئے آنے والے باخبر حجاج یا ہندوستانی علماء ملیں تو ان سے ہندوستان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے مناظرہ کی مفصل روداد معلوم کر کے باب خلافت کو رپورٹ دی جائے تاکہ صحیح صورت حال معلوم ہو جائے، شریف مکہ امیر عبداللہ پاشا نے حرم مکی کے شیخ العلماء سید احمد دحلان سے اس شاہی فرمان کا ذکر کیا تو انھوں نے گورنر سے کہا کہ ہندوستان میں جس عالم سے پادری فنڈر کا مناظرہ ہوا تھا وہ بذات خود یہاں موجود ہیں، دوسروں سے معلومات حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

سید احمد دحلان نے مولانا کیرانوی سے اس شاہی فرمان کا ذکر کیا اور کہا کہ کل آپ میرے ساتھ گورنر کے یہاں چلیں تاکہ بالمشافہہ گفتگو ہو جائے۔ دوسرے دن شیخ العلماء کے ساتھ مولانا کیرانوی گورنر امیر عبداللہ پاشا کے یہاں گئے اور مختصر طور پر مناظرہ اکبر آباد کے حالات بیان کئے اور پادری فنڈر کے فرار کا تذکرہ کیا مولانا

کیرانوی سے یہ مستند معلومات حاصل کر کے گورنر نے خلیفۃ المسلمین سلطان عبد العزیز کو رپورٹ دی جس میں مولانا کیرانوی سے جو حالات مناظرہ معلوم ہوئے تھے اس کو تحریر کرنے کے بعد یہ بھی لکھا کہ جس عالم سے یہ مناظرہ ہوا وہ اس وقت مکہ میں موجود ہیں۔

مولانا کیرانوی کی دربار خلافت میں طلبی: امیر مکہ عبداللہ پاشا کی رپورٹ کے بعد سلطان عبدالعزیز کا فرمان آیا کہ مولانا کیرانوی کو بحیثیت شاہی مہمان بہت جلد قسطنطنیہ دارالخلافت پہونچانے کا بندوبست کیا جائے، گورنر نے مولانا کیرانوی کو خلیفۃ المسلمین کی طلبی کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ سفر کیلئے تیار ہوجائیں، سرکاری طور پر آپ کے سفر کا بندوبست کردیا جائے گا، مولانا کیرانوی نے یہ پہلا سفر ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں کیا، مولانا ترکی روانی ہوگئے اور خاص اعزاز کے ساتھ سرکاری مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائے گئے، دوران قیام بعد نماز عشاء سلطان ترکی شرف باریابی عطا فرماتے تھے، مولانا کیرانوی بارگاہ خلافت میں حاضر ہوجاتے تھے اس وقت خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام حکومت ترکی وغیرہ دیگر وزراء حکومت حاضر مجلس ہوتے تھے، مولانا کیرانوی اس مجلس میں مناظرہ اکبرآباد کے تفصیلی حالات بیان کرتے، ۱۸۵۷ء کے مصائب انگریزوں کی نئی حکومت میں مسلمانوں کو جو مشکلات ومصائب پیش آئیں ان کا تذکرہ فرماتے، سلطان بہ کمال توجہ تمام تفصیلات کو سنتے اور اظہار مسرت کرتے، علماء اسلام کی اس کامیابی پر خدا کا شکر ادا کرتے۔

پادری فنڈر کا ترکی سے فرار: جب مولانا کیرانوی ترکی پہونچے اس وقت پادری فنڈر ترکی میں موجود تھا اور ڈینگیں مار رہا تھا جوں ہی اس کو یہ اطلاع ملی کہ مولانا کیرانوی سلطان ترکی کی دعوت پر دارالخلافت آچکے ہیں اسی شب وہ ترکی سے

فرار ہوگیا، سلطان ترکی نے ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں، زیادتیوں اور سازشوں کا حال مولانا کیرانوی سے سنا اور سلطان کو پادریوں کی بدباطنی کا حال معلوم ہوا، دوسرے دن حکم جاری کردیا کہ دولت عثمانیہ میں جو مسیحی مبلغین موجود ہیں سب کو گرفتار کرلیا جائے اور ان کے جلسوں پر پابندی عائد کردی جائے، جتنی کتابیں اور لٹریچر شائع کرتے ہیں ان ضبط کرلیا جائے اور ناشرین کو گرفتار کرکے سزا دی جائے یہ حکمنامہ پوری دولت عثمانیہ میں جاری ہوگیا اور عیسائیوں کے فتنہ وفساد سے مملکت ترکی کو محفوظ کردیا گیا۔

روداد مناظرہ مرتب کرنے کا ایما: سلطان نے مناظرہ اکبرآباد کی تفصیلی روداد سن کر دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی یہ خواہش ظاہر کی اگر یہ حالات اور تفصیلات ایک کتاب میں مرتب کردی جائیں تو دوسروں کو اس سے بڑا فائدہ پہونچے گا، براہ راست مولانا کیرانوی کو یہ حکم نہیں دیا بلکہ صرف اپنی خواہش کا اظہار کیا، ترکی کے وزیر اعظم خیرالدین پاشا نے مولانا کیرانوی سے سلطان کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی تحریک کی اور کہا کہ اگر آپ کتاب مرتب کردیں تو اس کو مختلف زبانوں میں شائع کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

ان حضرات کی رایوں کا احترام کرتے ہوئے آپ نے ''اظہار الحق'' کے نام سے اپنی کتاب کی ترتیب ترکی میں رہ کر رجب ۱۲۸۰ھ میں شروع کردی، چونکہ ترکی قیام کی مدت طے نہیں تھی اسلئے کتاب کی تکمیل تک قیام ضروری ہوگیا، آپ یکسوئی کے ساتھ شب وروز کتاب کی ترتیب میں مصروف رہے، صرف روداد مناظرہ ہی نہیں بلکہ ان تمام مباحث کو بھی آپ نے مفصل لکھا جن مسئلوں پر مباحثہ ہوا تھا یا جن پر مناظرہ ہونا طرفین کی طرف سے تسلیم شدہ تھا، پانچ موضوعات میں سے صرف دو ہی مسئلوں پر مناظرہ ہوا بقیہ مسائل کی نوبت ہی نہیں آئی لیکن آپ نے سارے مسائل پر کتاب

میں مدلل بحث کی، عیسائیت کے منسوخ ہونے اور انجیل کے محرف پر نا قابل تردید دلائل قلمبند فرمائے، چونکہ زیر بحث مسائل پر آپ کی مبصرانہ نگاہ تھی اس لئے صرف چھ ماہ کی مدت میں یعنی ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں کتاب مکمل کر دی اور وزیر اعظم خیر الدین پاشا کو پیش کر دی۔

مولانا کیرانوی کا کمال خلوص: وزیر اعظم خیر الدین پاشا نے کتاب پڑھنے کے بعد مولانا کیرانوی سے کہا کہ آپ نے یہ کتاب تو امیر المومنین کی خواہش پر مرتب کی ہے مگر کتاب کے مقدمہ میں مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء کا آپ نے ذکر کیا ہے حالانکہ یہاں نام امیر المومنین کا آنا چاہئے، مولانا نے فرمایا:

> "اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہیں آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں خود شیخ العلماء نے مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے وہ اگر مجھے امیر مکہ تک نہ پہونچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقعہ مجھے نہ ملتا"

(مولانا محمد سلیم صاحب، رسالہ "ندائے حرم" اپریل، مئی ۱۹۵۱ء)

مولانا کیرانوی کے اس کمال اخلاص کو بہ نظر استحسان دیکھا گیا اور آپ کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوگیا، نیت کا خلوص بڑی قیمت رکھتا ہے، دین کی حفاظت و صیانت کیلئے آپ نے اپنی جان خطرے میں ڈالی، ہزاروں آلام و مصائب کا سامنا کیا، نا قابل برداشت اذیتیں اٹھائیں، اپنا خاندان تباہ کیا، اعزہ و اقارب سے رشتہ منقطع کیا، مال و جائداد برباد کی صرف اسلئے کہ دل میں تحفظ اسلام کا جذبہ کارفرما تھا اور کمال خلوص سے دین کی خدمت کا سودا سر میں سمایا ہوا تھا، کتاب میں امیر المومنین کا

ذکر شک وشبہہ سے خالی نہیں تھا اسلئے آپ نے شک وشبہہ کی جڑ بھی کاٹ دی کہ یہ کتاب سلطان کی خوشامد کے لئے لکھی گئی ہوگی دین کی حفاظت کے جذبے سے نہیں،

انما الاعمال بالنیات

کتاب کی اہمیت وقبولیت: اس کمال خلوص کا ثمرہ تھا کہ کتاب انتہائی مقبول ہوئی اور دوسری طرف عیسائیت کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا، ۱۸۹۴ء میں لندن ٹائمز کی ایک اشاعت میں لکھا گیا کہ "مولانا رحمت اللہ کی کتاب "اظہار الحق" جب تک لوگ پڑھتے رہیں گے، دنیا میں عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوگا

کتاب عربی زبان میں تھی، ۱۲۸۱ء میں قسطنطنیہ میں طبع ہوئی، ترکی زبان میں "ابراز الحق" کے نام سے اس کا ترجمہ ہوا، گجراتی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا، مصر میں اظہار الحق متعدد بار طبع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا، پھر انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا پھر عالم اسلام سے گزر کر یہ کتاب پورے یورپ میں پھیل گئی۔

اعزازات اور خطاب: خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز کی جانب سے مولانا کیرانوی کو "پایہ حرمین" کا خطاب اور تمغہ مجیدی درجہ دوئم دیا گیا اور گرانقدر وظیفہ ماہانہ اور زریں خلعت سے سرفراز کیا گیا اور پورے اعزاز واحترام کا آپ کے ساتھ معاملہ کیا گیا، مولانا کیرانوی کے قیام قسطنطنیہ کے زمانہ میں اکثر ترکی کے علماء اور مختلف مذاق وخیال کے اہل علم ملاقات اور استفادہ کی نیت سے شاہی مہمان خانہ میں آیا کرتے تھے، مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا، جدید تعلیم نے نئی نسل کو اسلام کے بنیادی عقائد کی طرف سے شک وشبہہ میں مبتلا کر دیا تھا اس لئے علماء ترکی کی درخواست پر مولانا کیرانوی نے بعثت ونبوت، حشر ونشر، نزول وحی وغیرہ جیسے مسائل کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کرنے کیلئے مستقل ایک کتاب "تنبیہات" کے نام سے مرتب فرمائی، جس کی تالیف سے جمادی الثانی ۱۲۸۱ھ میں فارغ ہوئے، یہ

رسالہ وزیر اعظم خیر الدین پاشا کے حکم سے طبع ہوا اور اظہار الحق کے مطبوعہ نسخے کے حاشیہ پر بھی اس رسالہ کو شائع کیا گیا ہے۔

اس سفر میں مولانا کیرانوی تقریباً ایک سال تک قسطنطنیہ میں قیام پذیر رہ کر دار الہجرت مکہ مکرمہ واپس ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب (۲۰)

نظام تعلیم میں اصلاح کی جدوجہد

مولانا کیرانوی قسطنطنیہ میں کم وبیش ایک سال قیام پذیر رہے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے، ۱۲۸۱ھ کے نصف آخر میں آپ مکہ مکرمہ واپس آئے، آپ کا نام پہلے سے باضابطہ مسجد حرام کے اساتذہ کی فہرست میں درج تھا اور اب جبکہ خلافت کی طرف سے آپ کا باقاعدہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا تھا، اسلئے ہر طرح کا سکون قلبی حاصل تھا، اسلئے آپ اپنے سابقہ مشغلہ درس وتدریس میں ہمہ تن مشغول ہوگئے اور حرم مکہ کے نظام تعلیم کے مطابق مسلسل دس سالوں تک یہ سلسلہ جاری رکھا اور بے شمار علماء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا لیکن مولانا کیرانوی موجودہ نظام تعلیم، طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم سے مطمئن نہیں تھے کیوں کہ اس کی افادیت بہت محدود تھی، ہر استاذ اپنی صوابدید کے مطابق جو چاہتا پڑھاتا اس پر کوئی پابندی نہیں تھی اس لئے بالعموم درس وتدریس میں لاپرواہی پائی جاتی تھی چونکہ کوئی باقاعدہ نصاب نہیں تھا اسلئے طلبہ میں صلاحیت واستعداد پیدا نہیں ہوتی تھی، ایک بڑی خامی یہ تھی کہ طلبہ کے ذہن اور دماغ سے کام لینے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، استاذ خود ہی عبارت پڑھتا، مطلب بیان کرتا، طلبہ وعظ کی طرح بس سن لیتے تھے، اعتراض، سوال، تنقید اور اپنے غیر مطمئن ہونے کا اظہار تک نہیں کرسکتے تھے، خود اساتذہ کی طرف سے اس کو بے ادبی شمار کیا جاتا تھا، اگر کوئی طالب علم استفسار کرتا، کسی بات کی وضاحت طلب کرتا تو اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، تفسیر کے فن میں جلالین پڑھائی جاتی تھی لیکن یہ

کتاب مسلسل سات سال پڑھانے پر ختم ہوتی تھی جبکہ ہندوستان کے مدارس میں وہ ایک سال میں ختم کرائی جاتی تھی، یہی وہ خامیاں تھیں جس کی وجہ سے مولانا کیرانوی حرم کے اساتذہ کے طریقہ تعلیم سے مطمئن نہیں تھے اور شب و روز غور کرتے تھے کہ کس طرح کی اصلاح کی جائے، ایک بڑی تکلیف دہ اور ذہنی اذیت مولانا کیرانوی کے دل و دماغ کو یہ دیکھ کر ہوتی تھی کہ مسلمان ملکوں سے ہجرت کر کے آنے والوں کی اولاد یہاں آ کر نکمی اور ناکارہ اور بداخلاقی کا شکار ہو جاتی تھی، ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی نظم نہیں تھا وہ جاہل محض، صرف محنت مزدوری کے کام کی رہ جاتی تھی، جس دینی جذبے سے اس کے آباء واجداد نے حرم محترم میں سکونت اختیار کی تھی اس مقدس جذبے کی بالکل برعکس ان کی اولاد ہر طرح کی دینی صلاحیتوں سے محروم ہے، ایک بڑی کمی اس بات کی تھی دنیائے اسلام سے علم کے شائق حجاز کے مرکز اسلام ہونے کی وجہ سے یہاں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے کیوں کہ ان کے قلوب ان مقامات کی عظمت اور ادب احترام سے معمور رہتے ہیں اور وہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کو اپنے لئے سراپا فخر تصور کرتے ہیں لیکن یہاں آنے کے بعد ان کو سخت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نہ ان کے قیام کا کوئی نظم ہے اور نہ طعام کا اور نہ ہی دوسری ضروریات تعلیم کی ان کو سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، انھیں باتوں پر مولانا کیرانوی ترکی سے واپسی کے بعد مسلسل سوچتے رہے اور غور کرتے رہے اور خدا سے دعا کرتے رہے کہ کوئی ایسی سبیل پیدا ہو جائے کہ دینی تعلیم کا جو حق ہے اس کو ادا کیا جائے۔

اعتماد علی اللہ: مولانا کیرانوی نے عزم بالجزم کرلیا کہ اس سلسلہ میں جدو جہد کا آغاز کر دیا جائے، بندہ کا کام جدو جہد کرنا ہے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچانا یہ خدا وند قدوس کے ہاتھ میں ہے، **السعی منی والاتمام من اللہ** ۔ اگر خدا کو یہ جدو جہد پسند آئی تو انشاء اللہ کامیابی ہوگی اور اگر ناکامی بھی رہی تو نیت اور جدو جہد کے اجر سے

تو انشاء اللہ محرومی نہیں رہے گی، یہ سوچ کر آپ نے قدم اٹھادیا، آپ نے کام کا خاکہ مرتب کیا، اور یہ طے کرلیا کہ مسجد حرام میں جو سلسلہ درس وتدریس کا جاری ہے اس کو علیٰ حالہ باقی رہنے دیا جائے، اس کی جتنی بھی افادیت ہے وہ جاری رہے اسلئے کسی علیحدہ مقام پر اس جدید دار العلوم کی بنیاد ڈالی جائے، دوسری بات یہ پیش نظر رہی کہ اس نئے دار العلوم کا کا سارا بوجھ مہاجرین پر ڈالا جائے انھیں کے تعاون سے مدرسہ چلایا جائے ، تیسری بنیادی بات یہ تھی کہ طریقہ تعلیم نصاب تعلیم کو مفید سے مفید تر بنایا جائے اور مہاجرین اور اہل عرب کی اولاد کو صنعت ودستکاری سکھانے کیلئے ایک باقاعدہ دار الصنائع بھی اعلیٰ پیانے پر قائم کیا جائے تا کہ اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد ضروری اور ابتدائی تعلیم کے بعد گداگری اور افلاس کا شکار ہو کر ننگ اسلام نہ بنے۔

مہاجرین کے جلسے: آپ نے مہاجرین کے کئی جلسے کئے جس میں اپنے جذبات وخیالات کو مؤثر الفاظ میں بیان کیا، آہستہ آہستہ کچھ مخلص لوگ مولانا کیرانوی کی تجویز کو بروئے کار لانے کی جدوجہد میں شریک کار ہو گئے ان سے صلاح ومشورہ کے بعد طے کیا گیا کہ نواب فیض احمد خاں رئیس ضلع علی گڈھ کے ذاتی مسکونہ مکان کے ایک حصہ میں مدرسہ قائم کردیا جائے، خود نواب صاحب نے اس کی پیشکش کی تھی، جگہ کی تعیین اور حصولیابی سے ایک بڑا مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن اس کے اخراجات، اساتذہ کی تنخواہیں اور مدرسہ کی دوسری ضروریات کیسے پوری ہوگی اس کے لئے مولانا کیرانوی نے ایک اپیل تحریر فرمائی جس میں مہاجرین کو مطلع کیا گیا کہ ایک مدرسہ قائم کیا جارہا ہے آپ حضرات اس مدرسہ کا تعاون فرمائیں، مدرسہ کو ماہوار جو چندہ دے سکتے ہوں اس کے لئے آپ اپنا نام لکھ کر اس کی نیچے رقم لکھ دیں، کم وبیش کی پروانہ کریں قطرہ قطرہ دریا می شود، یہ اپیل رمضان المبارک میں مہاجرین کے پاس فرداً فرداً بھیجی گئی، اس اپیل کے سادہ حصہ میں ۱۱۴ر مہاجرین نے ماہوار رقم لکھ کر اپنا

نام تحریر کردیا ہے، لم وبیش ۷۵/روپئے ماہوار کا بندوبست ہوگیا، مولانا کیرانوی کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوااور جدوجہد کا کارواں ابتدائی منزل پر پہونچ گیا۔

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما: قدرت کا مخفی ہاتھ مولانا کیرانوی کے خاکے میں رنگ بھرنے کا بندوبست کررہا تھا جس کا ان کے ذہن میں تصور بھی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ مدرسہ نواب فیض احمد صاحب کے ذاتی مکان میں تھا جو بہر حال عارضی نظم تھا۔ مولانا کیرانوی کی منزل اس سے بہت آگے تھی، مدرسہ کا اپنی زمین پر ہونا ضروری ہے تبھی اس کو استقلال نصیب ہوگا لیکن اس وقت یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کیونکہ زمین حاصل کرنا اوراس کی تعمیر کیلئے رقم فراہم کرنا اس کی کوئی سبیل نہیں تھی اسلئے اس عارضی نظم کو بادل ناخواستہ قبول کرنا پڑا تھا مگر دل مطمئن نہ تھا۔

مردے از غیب بروں آید وکارے بکند: قدرت کو مولانا کیرانوی کی مخلصانہ جدوجہد کو شرف قبولیت بخشنا تھا اس لئے قدرت ہی نے اس کا بندوبست بھی کیا، اسی سال ۱۲۹۰ھ کے موسم حج میں کلکتہ کی ایک بیوہ خاتون صولت النساء بیگم جو ایک رئیس گھرانے کی تھیں، اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ حج کیلئے آئیں، ان کے داماد مولانا کیرانوی کے درس میں شریک ہوتے رہتے تھے اور ذہنی قربت رکھتے تھے مسلسل درس میں حاضری کی وجہ سے مولانا کیرانوی بھی ان سے شناسا ہوگئے تھے انھوں نے ایک فرصت کے وقت مولانا کیرانوی سے اپنی خوشدامن کے ارادہ کا ذکر کر کے اس سلسلہ میں مشورہ چاہا، انھوں نے بتایا کہ وہ اس ارادے کے ساتھ حج میں آئی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کوئی رباط (مسافرخانہ) تعمیر کرائیں، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے۔

مولانا کیرانوی نے ان کی بات سن کر المستشار مؤتمن کے اصول پر جو بہترین مشورہ ان کو دے سکتے تھے انھوں نے دیئے، مولانا نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں

رباط اور مسافر خانے کی کوئی کمی نہیں ایک مسافر خانہ اور بن جائے گا تو ان مسافر خانوں میں ایک اضافہ ہو جائے گا اور بس، اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ یہاں ایک دینی مدرسہ بنایا جائے تاکہ اس میں دین کی تعلیم دی جائے، مہاجرین کی اولاد تعلیم سے کوری، دین سے لاپرواہ، مفلس وقلاش، بداخلاقیوں کی شکار، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے، بھیک مانگتی ہے، اس نسل کو تعلیم دے کر دین کو ان کے دلوں میں مستحکم کرنا اور کوئی صنعت وحرفت سکھا کر خود کفیل بنانا زیادہ اجر وثواب کا کام ہے، مکہ مکرمہ میں یہ کام کرنے کا ہے، میرے نزدیک رباط کی تعمیر سے کہیں زیادہ اہم ایک دینی مدرسہ کی تعمیر ہے، یہ میری رائے ہے اور اپنا خیال ہے، ویسے آپ جو مناسب سمجھیں وہ کریں۔

مدرسہ صَولَتیَہ کا قیام: مولانا کیرانوی کا یہ نیک مشورہ سن وہ اپنی خوشدامن صاحبہ کے پاس گئے اور مولانا کے اس بہترین مشورہ کو ان سے بیان کیا، صولت النساء بیگم کے دل کو یہ بات لگ گئی وہ جان ودل سے اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے مولانا کیرانوی سے براہ راست گفتگو کرنے کیلئے بے چین ہوگئیں، دوسرے روز وہ مولانا کیرانوی کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے درخواست کی کہ آپ فوراً زمین تلاش کر کے خرید لیں اور تعمیر کا کام شروع کرادیں تاکہ میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور میرے دل کو سکون حاصل ہو۔

محلّہ خندرلیسہ میں ایک قطعہ زمین خرید کر اس میں تعمیر کا کام شروع کرادیا گیا، صولت النساء بیگم اپنی قسمت پر نازاں تھیں، ان کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر وہ تعمیر کا کام دیکھنے موقعہ پر آتیں دیر تک رہتیں، اس زمین پر پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمرے بنائے گئے، اس میں ایک وسیع صحن ہے، یہ عمارت ۱۲۹۱ھ میں بن کر تیار ہوئی۔

مولانا کیرانوی نے چار ماہ قبل رمضان میں جس مدرسہ کا آغاز کیا تھا جو ایک شخص کے ذاتی مکان میں تھا اب وہ مدرسہ اپنی نجی عمارت میں آ گیا، ابتک اس مدرسہ کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا تھا، مولانا کیرانوی نے اس مخیّر اور حوصلہ مند خاتون اسلام کی ہمت بلند اور جذبہ اخلاص سے متاثر ہوکر "مدرسہ صولتیہ" نام رکھ کر اس کے نام نیک کو زندۂ جاوید بنا دیا، اس سلسلہ میں مولانا کیرانوی نے جو عبارت تحریر فرمائی وہ آج بھی محفوظ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

حمد و نعت کے بعد عرض یہ ہے کہ اگر چہ مدرسہ ہندیہ حضرات اہل ہند کی ہمت و مدد سے مکہ معظّمہ ادام اللہ شرفھا میں ۱۲۹۰ھ میں رمضان کے مہینہ میں قائم ہوا تھا پر اسباب چند در چند سے جو اس سلسلہ کے چار مہینوں میں کئی طرح کے ہرج پیش آئے، اس لحاظ سے ہم ان چار مہینوں کو نظر سے گرا کر اس مدرسہ کے قیام کو محرم الحرام ۱۲۹۱ھ سے گنتے ہیں اور سب امور متعلقہ اس مدرسہ کو اسی سال سے لیتے ہیں، اللہ خیر سے ان امور کو انجام دیجیؤ بمنہ و کرمہ، ۱۲/ شعبان ۱۲۹۱ھ روز چہار شنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طلبہ کو لایا گیا، یکم/ شعبان ۱۲۹۲ھ سے نواب محمود علی خاں بہادر والی چھتاری نے سو روپیہ ماہوار اس مدرسہ کیلئے مقرر کر دیئے۔(۱)

---

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

باب (۲۱)

عدو شود سببِ خیر، گر خدا خواہد

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کا قیام مولانا کیرانوی کی ہجرت کی زندگی کا یک اہم ترین کارنامہ اوران کی دعائے نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کا ثمرہ تھا، اسلئے اس کے قیام کے بعد اس کی تعمیر وترقی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، نظم ونسق کی ذمہ داری کے ساتھ آپ خود بھی مدرسہ میں درس دیتے تھے، بتدریج وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا اس بلند مقام تک پہونچ گیا کہ موافق ومخالف ہر ایک کی اس پر نگاہیں پڑنے لگیں، اس مدرسہ کی پشت پر ہندوستان کے مہاجرین تھے اور اس کی روح رواں مولانا کیرانوی خود مہاجر تھے، اس کے نظم ونسق اور تعلیم وتربیت کے نظام سے اہل حجاز کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا، مدرسہ صولتیہ کی یہی خصوصیت شک وشبہہ کا باعث بن گئی اور اس کی راہ میں سنگ گراں حائل کرنے کی کوشش کی جانے لگی، بدقسمتی یہ تھی کہ مدرسہ کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھنے والے دشمنوں کے ساتھ دوست بھی تھے، غیروں کے ساتھ اپنے بھی تھے۔ مولانا کیرانوی کی تنہا ذات ان کا نشانہ تھی ان مشکلات وحوادث سے نبرد آزمائی میں کامیابی صرف مولانا کیرانوی کے اخلاص اور جذبہ تحفظ اسلام کی وجہ سے حاصل ہوئی، آپ کی عظیم المرتبت شخصیت اور ترکی حکومت کے مخلصانہ رویہ اور آپ کی ذات کے ساتھ ادب واحترام سے ذہنی وابستگی کی وجہ سے بدگمانیوں کے بادل چھٹ گئے، شک وشبہہ کا کُہرا دور ہوگیا، اخلاص کے ساتھ سورج کی تابندگی نے مشکلات کی تاریکیوں کو بقعۂ نور میں تبدیل کردیا اور مستقبل کی راہیں روشن ہوگئیں۔

انگریزوں کی سازش: مولانا کیرانوی کے قائم کردہ مدرسہ صولتیہ کی تعمیر وترقی، شہرت ومرجعیت کو سن کر سب سے پہلے جس کے کان کھڑے ہوئے وہ دشمن اسلام انگریز تھا، انگریزی قنصل جو جدہ میں رہتا تھا اس کو یہ وہم وخیال پریشان کرتا رہا کہ مولانا کیرانوی اس مدرسہ کے پس پردہ انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ اور باغیانہ سازش نہ کررہے ہوں کیونکہ وہ مولانا کیرانوی کے بارے میں خوب جانتا تھا کہ وہ غدر ۱۸۵۷ء کی باغیانہ تحریک میں قائدانہ رول ادا کرچکے ہیں اور وہ انگریزی حکومت کے نزدیک بغاوت کے مجرم تھے ان کے خلاف وارنٹ گرفتاری تھا اور ان کی گرفتاری پر ایک ہزار کی خطیر رقم کا اعلان بھی حکومت کی طرف سے ہوا تھا، ان حقائق کی وجہ سے وہ عربوں میں مولانا کیرانوی کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہا جس کے نتیجہ میں خلافت عثمانیہ کے ترک حکام بھی بدگمانی کا شکار ہوگئے، ان کو تشویش یہ تھی کہ حرم کی سرزمین پر ہندوستان کے مسلمانوں کی کوششوں سے مدرسہ چلایا جارہا ہے ترکی حکومت سے اجازت حاصل نہیں کی گئی، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مدرسہ آئندہ انگریزی اقتدار کے ساتھ بیرونی مداخلت کا ذریعہ ہوجائے کیوں کہ وہ اپنے ملک میں عیسائی مشن اور پادریوں کے رفاہی اداروں کی آڑ میں جو تخریبی کارروائیاں کررہے تھے اس کا تلخ تجربہ وہ کرچکے تھے جبکہ ان دونوں حلقوں کی بدگمانیاں بے بنیاد تھیں اور دونوں مولانا کیرانوی کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھے، یہ سب کچھ مولانا کے ذہن ومزاج سے ناواقفیت کا ثمرہ تھیں۔

حجاز کا نیا گورنر: بدقسمتی سے اسی زمانہ میں حجاز کا گورنر تبدیل ہوگیا اور اس کی جگہ ایک ترکی افسر نوری پاشا حجاز کا نیا گورنر بنادیا گیا، یہ قیام مدرسہ کے نو دس سال بعد کا واقعہ ہے، نوری پاشا فوجی افسر رہ چکا تھا، فوجیوں کے دماغ میں اکھڑ پن ہوتا ہے نوری پاشا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، دوراندیشی، مصلحت اندیشی اس میں نہیں تھی،

چند خودغرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ مدرسہ سے بدظن ہوگیا، بہت ممکن ہے کہ اپنے عہدہ کی وجہ سے جدہ کے انگریز قنصل سے بھی اس کے تعلقات رہے ہوں اور اسی انگریز قنصل نے نوری پاشا گورنر کے دل میں شک وشبہہ کی تخم ریزی کی ہو، بہر حال نوری پاشا اتنا بدگماں ہوا کہ دربار خلافت تک رپورٹ کردی، مدرسہ کے قیام کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھ لیا گیا اور مولانا کیرانوی سے اس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے ، ظاہر ہے گورنر کی رپورٹ میں جو باب خلافت تک پہونچی مولانا کیرانوی کی معاندانہ شکایت رہی ہوگی، مولانا کو جب گورنر کی رپورٹ کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک مفصل تحریر سلطان عبدالعزیز امیرالمومنین کے پاس بھیجی۔

ترکی کا دوسرا سفر: دونوں تحریروں کے بعد باب خلافت سے گورنر کے نام حکمنامہ آیا کہ مولانا کیرانوی کو قسطنطنیہ روانہ کرنے کا بندوبست کیا جائے ، چنانچہ سرکاری طور آپ کے سفر قسطنطنیہ کا بندوبست کیا گیا اور آپ ترکی کیلئے روانہ ہوگئے، اس سفر کی روداد آپ نے اپنی ڈائری میں تحریر فرمائی ہے، اسلئے میں چاہتا ہوں کہ یہ روداد سفر مولانا ہی کے الفاظ میں آپ سماعت فرمائیں، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

۲۰؍ربیع الاول ۱۳۰۱ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر جدہ پہونچے، آٹھویں کے آگیوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی پھر بابور مصری (جہاز) پر ۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ بروز بدھ سوار ہوئے اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا، پیر کی رات کو ۵؍بجے سویز پہونچے اور صبح کو پیر کا دن تھا اور ۲۰؍ربیع الثانی کی تھی بابور سے اترے اور محمد علی ربدی صاحب کے مکان پر اترے وہاں سے منگل کے دن ۲۱؍تاریخ کو اسکندریہ ریل سے گئے، تین بجے اسکندریہ پہونچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے، ۲۹؍ربیع الثانی جمعرات کے دن تک وہاں رہے پھر آٹھویں دن

جو بدھ کا دن تھا اور ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کی تھی بابور مصری پر سوار ہو کے روانہ استنبول ہوئے، بازمیر سے جو ہفتہ کا دن اور تاریخ ۳ر جمادی الاول کی تھی تار برقی جناب نسیم بے اور جناب شریف عبداللہ اور جناب خیرالدین پاشا کے نام عصر کے وقت روانہ کئے اور جمادی الاول کی پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہونچے، ادھر جہاز نے لنگر ڈالا اسی وقت فی الفور مصطفیٰ بے یاور (اے ڈی سی) اور بین باشی حضرت سلطان کے جہاز پر چڑھے اور مل کر کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت سلام فرمایا ہے اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے، (رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ)

شاہانہ استقبال واعزاز: مولانا کیرانوی ۲۰ ربیع الاول کو روانہ ہو کر ۵ر جمادی الاول کو یعنی پورے ڈیڑھ ماہ میں مکہ مکرمہ سے استانبول (ترکی) کے دارالخلافہ پہونچے ہر منزل پر مولانا کیرانوی کے ملاقاتی یا واقف کار موجود تھے، آپ ان کے یہاں قیام کرتے ہوئے سفر کرتے رہے، یہ سفر گورنر حجاز کی پھیلائی ہوئی بد گمانیوں اور شک وشبہہ کی فضا میں ہو رہا تھا، گورنر کی رپورٹ نے امیر المومنین کے ذہن ومزاج پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا پتہ نہ مولانا کیرانوی کو تھا نہ گورنر حجاز کو، آپ کی خود نوشت روداد سفر سے اس راز سے پردہ اٹھا آپ بہت سادگی کے ساتھ تمام واقعات کو تحریر فرماتے ہیں، آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وہاں سے چل کر قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبدالمجید خاں غازی کی ہے آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگھی میں سوار ہو کر محل سرائے سلطانی میں آئے اور محل سرا کے ایک کمرے میں اترے، اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب علی بے اور

جناب نسیم بے تینوں قرنا (شاہی مشیر) حضرت سلطان کے ہیں اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصائب حضرت سلطان کے ہیں ان کو اور رات کو نصرت پاشا آئے اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی آئے اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی اور جناب کمال پاشا آئے اور رات کو جناب علی بے قرنا درجۂ دوئم نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پُرسی کر کے کلمات عواطف شاہانہ پہونچائے، آٹھ تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر تشریف لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسمٰعیل حقی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعت سلطانی میرے اور بدرالاسلام (مولانا کے برادرزادہ) اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کیلئے آیا، اور ہفتہ کے دن دسویں تاریخ جناب درویش پاشا اور جناب شریف عبداللہ پاشا اور جناب سید احمد اور جناب اسحاق آفندی اور جناب ناظر اوقاف (وزیر اوقاف) تشریف لائے اور عصر کے وقت نشان (تمغہ) مجیدی درجہ چہارم کا حضرت سلطان کی طرف سے آیا اور بارھویں تاریخ اتوار کے دن رضا پاشا باش کاتب (چیف سکریٹری سلطان) مغرب کے بعد آئے اور بارھویں تاریخ پیر کے دن مغرب بعد بحکم سلطان جناب شیخ الاسلام احمد اسعد عربانی زادہ کی ملاقات کو جانا ہوا بہت تعظیم سے پیش آئے اور فرمایا کہ حضرت سلطان نے فرما بھیجا ہے کہ اچھی تعظیم کیجئے کہ ابتک ایسا مہمان عزیز میرے پاس نہیں آیا ہے، سو اس کے موافق مجھے ضروری ہے کہ تعظیم کروں، اور ۱۳ر تاریخ منگل کو ''سند رودس'' محکمہ شیخ الاسلام سے حاصل ہوئی، ۱۵ر تاریخ جمعرات کے دن مکانِ علیحدہ میں

آئے، عصر کے وقت ۱۷ر تاریخ ہفتہ کے دن وہبی بے نے حضرت سلطان
کی طرف سے حکم پہونچایا کہ مرضی حضرت سلطان کی یہ ہے کہ تم اپنے اہل
وعیال کو بلوالو، موسم ربیع قریب آپہونچا اب عرصہ تک آب وہوائے استنبول
بہت اچھی رہے گی، نرمی سے اس امر میں عذر کیا گیا،

اخلاص اور نیک نیتی کا ثمرہ: مدرسہ صولتیہ کا قیام اوراس کی تعمیر وترقی
گورنر حجاز کیلئے بدگمانی کا سبب بنی، اس نے مولانا کی نیت پر شبہہ کیا اوراپنے خیالات کا
اظہار سلطان ترکی کی بارگاہ میں کردیا، شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ شک وشبہہ کا مرکز
مدرسہ صولتیہ فرمان شاہی سے بند کردیا جائے جونوری پاشا گورنر حجاز کی منشا تھی اوراس
کی رپورٹ کا واحد مقصد یہی تھا، ظاہر ہے کہ وہ خلافت عثمانیہ کا ذمہ دار نمائندہ تھا اور حجاز
جیسے محترم مقام کا گورنر تھا جہاں دنیائے اسلام سے لوگ آتے ہیں جس میں ہر ذہن
ومزاج کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ جذبات عقیدت کا ہدیہ لے کر آتے ہیں، کچھ بدباطن
افراد تخریب کی نیت سے بھی آتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں خلافت عثمانیہ کی
طرف سے مقرر کردہ والی اور گورنر ہی کی رپورٹ سب سے زیادہ قابل اعتماد ہوسکتی ہے
ایسے ہی معتمد اور ذمہ دار کی رپورٹ بارگاہ سلطانی میں پہونچی تھی لیکن سلطان کا طرز عمل
کچھ اور تھا جیسا کہ مولانا کی روداد سفر سے کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

پیر کے دن دوسری تاریخ رجب کی ۱۳۰۱ھ حضرت سلطان کے جیب
خاص سے پانچ ہزار قرش صاغ (تقریباً ڈھائی ہزار روپئے ماہانہ) اور دس
ہزار قرش صاغ (تقریباً پانچ ہزار روپئے) عطا فرمائے، منگل کے دن کیسۂ
مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگ مقصود کی بھجوائی اور
فرمایا کہ اس کے شکریہ میں میں نے تم کو ''پایہ حرمین شریفین'' کا عطا کیا، اس
کالباس بھی پہونچے گا اور چھٹی تاریخ رجب جمعرات کے دن عصر کے بعد

سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایت شاہانہ سے پیش آئے مسند سے اُٹھ کر ایک دو قدم بڑھ کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کثرت شغل کی وجہ سے ابتک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا دوسرا امر نہیں، پھر ہم بیٹھ گئے، جب میں اُٹھا اور سامنے آیا (ترکی آداب شاہی کے مطابق) پھر کمال خوشی سے اُٹھ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے کہا کہ تمہارا حال سننے کا میں مشتاق تھا اس لئے میں نے تم کو بلایا ہے اور فرصت میں میں اور ملاقات اچھی طرح کروں گا اور کچھ دیر باتیں کروں گا، دونوں بار میں نے بھی دعا اور کلمات شکریہ مناسبہ کہے۔

۱۱ر رجب ۱۳۰۱ھ کو مولوی حضرت نور تو روانہ مکہ معظمہ ہوئے اور ۱۲ر رجب روز پنجشنبہ کو فرمان سلطانی ''پایہ حرمین شریفین'' کے عطا کی بابت حضرت سلطان نے بھیجوایا اور ۱۴ر رجب روز شنبہ کو شیخ الاسلام کی ملاقات کو گیا مثل اول کے تعظیم و محبت سے پیش آئے (ندائے حرم رجب، شعبان ۱۳۷۷ھ)

مزید عزت افزائی، اظہار اعتماد وخلوص: قسطنطنیہ میں قیام کے دوران متعدد بار بادشاہ نے شرف باریابی بخشا، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو کی، مدرسہ صولتیہ کیلئے مزید معقول ماہوار امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر کیا۔

مولانا کیرانوی کے ذہن میں خیال آیا کہ شاید مدرسہ سرکاری تحویل میں لے کر دوسروں کے تعاون پر پابندی نہ عائد ہو جائے اس لئے عرض کیا:

حرمین شریفین میں امیر المومنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنہ تکمیل ہیں، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور قائم ہے ان کو

اس کار خیر میں شرکت وسر پرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المومنین کے الطاف شاہانہ سے بعید نہیں (ص:۳۶)

اس سفر میں مولانا کیرانوی کے ہمراہ مدرسہ صولتیہ کے صدر مدرس مولوی حضرت نور صاحب اور مولانا کے برادر زادہ مولانا بدرالاسلام کیرانوی بھی تھے، سلطان ترکی نے مولانا سے مولانا بدرالاسلام کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے پاس رہیں گے اور کتب خانہ حمیدیہ کی ذمہ داری ان کو دی گئی، یہ ترکی کا ایک عظیم الشان شاہی کتب خانہ ہے جس کو سلطان عبدالحمید خاں نے قائم کیا تھا، جس میں سلاطین عثمانیہ کی تمام کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اور قصر یلدز میں واقع ہے، مولانا بدرالاسلام کو اس کا ڈائرکٹر بنادیا گیا اور وہ وہیں قیام پذیر ہو گئے اور ہمیشہ امیر المومنین کے معتمد علیہ رہے،

استنبول سے واپسی: کئی ماہ کے طویل قیام کے بعد مولانا کیرانوی استانبول سے مکہ مکرمہ کیلئے رخصت ہوئے، بادشاہ کی طرف سے الوداعی ملاقات کے دوسرے دن آپ روانہ ہوئے، رخصت کرنے کیلئے وزراء حکومت مصطفےٰ وہبی بے یاور، خیرالدین پاشا، نسیم بے، سید احمد مدنی چاروں حضرات آئے اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار حضرت مولانا کو دی اور سلطان کے یہ الفاظ دہرائے:

''ہتھیار مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے''

مکہ میں استقبال: مولانا کیرانوی جب ترکی سے واپس مکہ مکرمہ پہونچے تو مدرسہ صولتیہ کے تمام اساتذہ، طلبہ اور معزز مہاجرین نے آپ کا شاندار استقبال کیا، ان استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا بھی شامل تھے اور سب سے پہلے جس شخص نے مولانا کیرانوی سے سلام ومصافحہ اور پُر جوش معانقہ کیا وہ یہی گورنر عثمان نوری پاشا تھے جن کی رپورٹ کی بنا پر مولانا کیرانوی کو ترکی کا یہ سفر کرنا پڑا تھا(۱)

---

(۱) رسالہ ندائے حرم کراچی، اپریل مئی ۱۹۵۱ء مضمون مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

باب (۲۲)

کاروانِ زندگی منزل بہ منزل

مولانا کیرانوی کوترکی کے اس سفر میں چار مہینے لگ گئے مگر اس سفر نے ان کو منزل تک پہونچنے کیلئے ایک شاہراہ قائم کردی، مدرسہ صولتیہ آپ کی تمناؤں کا مرکز اور ہجرت کی زندگی کا حاصل تھا، ں کا مستقبل اس سفر کی وجہ سے محفوظ ہوگیا، شکوک وشبہات اور بدگمانیوں کی جو ہوا چل پڑی تھی خطرہ تھا کہ تنکے چن چن کر بنا ہوا نشیمن اُڑا نہ لے جائے لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا یہی تیز وتند اور مخالف ہوا نسیم سحر بن گئی جس سے غنچے اور کلیاں پھول بن جاتی ہیں، شکوک وشبہات کی تاریکی چھٹ گئی کامیابی اور فائز المرامی کا سورج نصف النہار پر آگیا، مدرسہ کیلئے شاہی امداد مقرر ہوگئی اور مخالفانہ رپورٹ سلطان ترکی نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی۔

مدرسہ میں توسیع وترقی: مدرسہ کی مکمل تعمیر تو صولت النساء بیگم کے تیس ہزار کے عطیہ سے مکمل ہوچکی تھی جو درسگاہوں کیلئے کافی تھی مگر آپ اس کو اقامتی ادارہ بنانا چاہتے تھے اور طلبہ کے قیام کیلئے اس عمارت میں گنجائش نہیں تھی، قدرت نے دوسرے سال اس کا بھی بندوبست کردیا ۱۲۹۲ھ میں پٹنہ کے ایک رئیس میر واحد حسین موسم حج میں آئے انھوں نے بڑے حوصلے سے اس ضرورت کی تکمیل کردی اور ایک دارالاقامہ کی مکمل تعمیر کرادی جس میں نہایت آسائش کے ساتھ پچاس طلبہ بیک وقت قیام کرسکتے ہیں۔

مسجد کی تعمیر: مدرسہ صولتیہ اور دارالاقامہ حرم سے دور واقع ہیں اسلئے ایک

مسجد کی ضرورت تھی، اتفاق سے غیب سے یہ سامان بھی ہو گیا، صحن حرم میں سلطانی کتب خانہ کی عمارت تھی جس کی وجہ سے نمازیوں کو دقت پیش آتی تھی، حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید خاں خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں درخواست کی کہ صحن حرم میں کتب خانہ سلطانی کی عمارت کی وجہ سے ایام حج میں بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں، اگر اجازت دی جائے تو اس عمارت کو صحن حرم سے ہٹا دیا جائے، خلیفۃ المسلمین نے یہ درخواست منظور کرلی، گورنر حجاز نے اس کتب خانہ کی کتابوں کو حرم سے متصل ایک عمارت میں منتقل کردیا اور عمارت کو منہدم کرادیا اور اس کے ملبہ کو نیلام کرنے کا ارادہ کیا۔

مولانا کیرانوی کو اس کا علم ہوا تو وہ گورنر حجاز عثمان نوری پاشا سے ملے اور فرمایا کہ یہ ملبہ کا سامان صحن حرم میں اور جوار کعبہ میں رہا اگر اس کو نیلام کیا جاتا ہے تو خریدار نہ جانے کہاں اس کو استعمال کرے گا اور اس کی بے حرمتی ہوگی، مدرسہ میں ایک مسجد کی سخت ضرورت ہے اگر اس سامان سے مسجد تعمیر کرادی جائے تو یہ سامان بے حرمتی سے محفوظ ہو جائے گا، گورنر حجاز کو یہ تجویز پسند آئی، اس نے ملبہ کی سرکاری قیمت پندرہ سو روپئے مقرر کر کے اسی سے مدرسہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرادی اور اس کے مینارے عربی طرز تعمیر کے بجائے ہندوستانی طرز تعمیر کے نمونے کے ہیں کیونکہ یہ مینارے مولانا کیرانوی کے آبائی وطن پانی پت کرنال کے کاریگروں نے بنایا ہے جو اسی سال حج کیلئے آئے ہوئے تھے، یہ مسجد ۱۳۰۴ھ میں بن کر تیار ہوئی، مدرسہ کی عمارت، دار الاقامہ کی تعمیر سفر ترکی سے پہلے ہو چکی تھی اور مسجد کی تعمیر سفر ترکی سے واپسی کے بعد ہوئی۔

زندگی کا مقصد پورا ہو گیا: دار العلوم صولتیہ کی جملہ مشکلات اور دشواریاں دور ہو چکی تھیں اور مولانا کیرانوی کا گویا مقصد زندگی پایہ تکمیل کو پہونچ گیا

کیوں کہ آپ کی ساری زندگی تعلیم وتعلم اور درس وتدریس میں گزری، تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ ملازمت ضرور کی مگر بہت جلد اس سے فرصت لے کر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور ہجرت کے بعد حرم مکہ میں مستقل طور سے تیس سالوں سے درس وتدریس ہی مشغلہ رہا، ان حالات میں اگر ان کی دلی آرزو مکہ میں ایک دارالعلوم قائم کرنے کی تھی تو یقیناً یہ آرزو آپ کے ذہن ومزاج اور جذبہ اخلاص وتحفظ اسلام کے عین مطابق تھی اور جب مدرسہ صولتیہ منصۂ شہود پر آگیا تو مقصد زندگی کی تکمیل ہوگئی، یہ زندگی کا آخری دور تھا، ۷۰ رسال کی عمر ہو چکی تھی، اعضا میں ضعف واضمحلال بڑی حد تک آچکا تھا، آنکھوں کی روشنی بھی مدھم پڑتی جارہی تھی۔

ضعف بصر: ترکی سے واپسی کے بعد دوسال مکہ مکرمہ میں دارالعلوم صولتیہ کی تعمیر وتوسیع میں مصروف رہے، ترکی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں اور ذمہ داروں سے خط وکتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا، بعض امور میں براہ راست دربارِ خلافت کو بھی آپ لکھتے رہتے تھے، لیکن ان دوسالوں میں آنکھوں کی روشنی بڑی تیزی سے کم ہوتی جارہی تھی کیونکہ نزول الماء کا عارضہ شروع ہوگیا تھا اور ۱۳۰۳ھ کے آخر میں تو آپ لکھنے پڑھنے سے ایک دم معذور ہوگئے تھے۔

مولانا کیرانوی نے بہت پہلے اپنے بڑے بھائی حکیم علی اکبر کے پوتے محمد سعید کو اپنے پاس بلا کر اس کی تعلیم وتربیت فرمارہے تھے، ان سے پہلے اپنے برادر زادہ مولانا بدرالاسلام کو اپنے ساتھ رکھ کر تعلیم وتربیت دی تھی اور وہ خلیفۃ المسلمین کے حکم سے ترکی کے شاہی کتب خانہ حمیدیہ کے ڈائرکٹر ہو کر وہیں رہنے لگے تھے اس لئے اب مولانا محمد سعید ہی آپ کی خدمت میں رہ گئے تھے۔

علاج کیلئے ترکی طلبی: مولانا کیرانوی کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے مولانا سعید آپ کے دست وبازو بنے، اب وہ باقاعدہ عالم ہو چکے تھے اسلئے مولانا کے نام

خطوط پڑھ کر سنانا اور پھر ان کے جوابات قلمبند کرنا اس کی ذمہ داری تھی، اس کے علاوہ مولانا کے حکم سے روزانہ مغرب سے عشاء تک مولانا مخلص دوست ورفیق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، حضرت حاجی صاحب کے پاس آئے ہوئے خطوط پڑھ کر سنانا اور ان کے جوابات لکھنا بھی ان کی ذمہ داری تھی، مولانا محمد سعید دونوں ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے، کچھ دنوں تک یہی سلسلہ چلتا رہا، سلطان ترکی کو مولانا موصوف کی اس معذوری کی اطلاع ہوئی تو دربار خلافت سے گورنر حجاز کے نام حکمنامہ آیا کہ مولانا کیرانوی کو ترکی بھیج دیا جائے تاکہ شاہی اطباء ان کی آنکھوں کا علاج کریں، مولانا اپنے جسمانی ضعف اور معذوری کی وجہ سے سفر نہیں کرنا چاہتے تھے اور عمر کے اس نازک مرحلہ پر حرم سے باہر نکلنا ہی پسند نہیں کرتے تھے، معلوم نہیں اجل کا کون سا وقت مقرر ہے، کب اور کہاں آجائے، دل کی تمنا تو یہ تھی کہ اسی پاک سرزمین میں وقت آخر آئے اور اس کی مقدس سرزمین میں پیوند خاک ہوں، اسلئے آپ کو اس سفر میں تذبذب تھا مگر جب اصرار بڑھا تو مجبوراً سفر کیلئے تیار ہونا پڑا اپنے ساتھ اپنے ایک شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ کو لے کر شعبان ۱۳۰۴ھ میں یہ سفر کیا۔

خدا کو کیا منھ دکھاؤں گا: ترکی پہونچنے کے بعد سلطان ترکی نے پانچ ماہر ڈاکٹروں کو بلوا کر علاج کا حکم دیا، ان ڈاکٹروں نے بڑے اہتمام سے آنکھوں کا معائنہ کیا اور کہا کہ ابھی نزول الماء کا سلسلہ جاری ہے، اس علاج میں دیر ہے، دو مہینے کے بعد آپریشن کیا جائے گا، سلطان ترکی کی خواہش تھی کہ اب مولانا قسطنطنیہ میں قیام کریں، ایک مجلس میں بادشاہ نے مولانا کیرانوی سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو بڑے درد سے مولانا کیرانوی نے سلطان سے عرض کیا:

اعزہ واقربا کو چھوڑ کر، ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازہ پر

آ کر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

یہ سن کر سلطان کا دل بھر آیا، مولانا کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کر کے خاموش ہو گئے۔

مکہ مکرمہ واپسی: مولانا کیرانوی کو قسطنطنیہ میں قیام کا ایک ایک لحہ گراں گزر رہا تھا، وہ زندگی کے آخری ایام کے ایک ایک لحہ کو حرم محترم میں گزارنے کیلئے بے چین اور سخت مضطرب تھے، ادھر ڈاکٹروں نے علاج کیلئے دو ماہ کی مدت مقرر کی تھی اتنا لمبا انتظار آپ کے دل پر شاق تھا اور پھر مولانا آپریشن کیلئے تیار بھی نہیں تھے، سلطان ترکی نے جب مولانا کے اس اضطراب کو دیکھا تو ازراہِ نوازش واحترام آپریشن پر اصرار نہیں کیا اور بادل ناخواستہ آپ کو واپسی کی اجازت دے دی، اجازت کے بعد آپ نے بعجلت تمام ذی قعدہ میں واپسی کی تیاری کر لی اور چل پڑے اور مکہ مکرمہ واپس ہو گئے، ترکی سے واپسی کے ایک سال بعد لوگوں کے اصرار پر مقامی ڈاکٹروں سے آنکھوں کا آپریشن کرایا لیکن آپریشن کامیاب نہیں ہوا اور روشنی بالکل ختم ہو گئی۔

کف بصر کے بعد: کف بصر کے بعد آپ تین سال حیات رہے، اب ہر طرح کی مجبوریاں تھیں لیکن آپ کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا کیونکہ آپ نے جس جہاد اکبر میں اپنی ساری زندگی گزار دی وہ صرف تحفظ اسلام کیلئے تھی اور اس کی آخری منزل میں مدرسہ صولتیہ کا قیام تھا، آپ نے اپنی آنکھوں سے اس کو مستحکم بنیادوں پر قائم دیکھ لیا جو بعد میں آپ کی ایک مقدس یادگار بنا اور ان کے جذبہ اخلاص کا آئینہ دار بن چکا تھا، یہ تین سال ذکر الٰہی اور عبادت میں غایت انہماک میں گزرتی رہی۔

وفات: اب آپ کی عمر ۷۵ رسال کی ہو چکی تھی، ۱۳۰۸ھ میں ۲۲ ر رمضان

المبارک جمعہ کے دن داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی دلی آرزو کے مطابق حرم پاک کی مقدس سرزمین میں آسودہ خواب ہونا میسر ہوا، جنت المعلاۃ میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں مدفون ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس میں مدفون بزرگوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ
۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ
۳۔ نواب عبد العلی خاں رئیس چھتاری ضلع بلند شہر
۴۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین الہ آبادی کے والد محترم
۵۔ مولانا عبد الحق شیخ الدلائل مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل
۶۔ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی
۷۔ مولانا حضرت نور صاحب صدر مدرس مدرسہ صولتیہ
۸۔ مولوی عبد اللہ غازی سابق مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ وشاگرد مولانا کیرانوی
۹۔ شیخ عبد الحکیم صاحب خازن مدرسہ صولتیہ رحمھم اللہ

مولانا کیرانوی کے ایک شاگرد مولوی احمد دین چکوال ضلع جہلم نے فارسی میں ایک مرثیہ لکھا تھا، ایک شعر میں تاریخ وفات ہے۔

گو، غریب الوطن تاریخ وصال
رحمۃ اللہ لدیٰ خیر الجنان
۱۳۰۸ھ

☆☆☆☆☆☆☆

اسیر ادروی　　　　جامعہ اسلامیہ بنارس
۲ر اگست ۲۰۰۰ء

تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت

(پنجاب)

جلد اوّل

محمد نذیر رانجھا

دارالکتاب
کتاب مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ،
اردو بازار، لاہور۔ 7235094

حبیب السوانح

سوانح حیات حضرت مولانا **مفتی حبیب اللہ** دامت برکاتہم

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان

جمع و ترتیب

اخلاق احمد ایم اے

تصحیح و نظر ثانی

مفتی ابو الخیر عارف محمود

شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مولانا کمیل الدین

فاضل و متخصص جامعہ فاروقیہ کراچی

دار الکتاب ناشران و تاجران کتب

6A فرسٹ فلور یوسف مارکیٹ
اردو بازار لاہور

0321-4650131
0300-8099774

نتائجِ فکر و رشحاتِ قلم

فخرِ اہلِ سنّت حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ

اُستاذِ حدیث و تفسیر جامعہ مدنیہ، لاہور

جمع و ترتیب

مولانا عبد الحفیظ ظفر

دار الکتاب

کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور 042-7235094

تالیف

ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی

پروفیسر مطالعاتِ قرآنی۔ دارالحدیث، شعبۂ دینیات
جامعۃ القیروین مغرب

مترجم

محمد رضی الاسلام ندوی

دارالکتاب

کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور 7235094

معارفِ مفتئ اعظمؒ

ارشادات و ملفوظات

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ

مرتب

پروفیسر قاری بشیر حسین حامد

سیرت
حسنین شریفین

بنات اربعہ
یعنی
چار صاحبزادیاں

حدیثِ ثقلین

سیرت
امیر معاویہ

دار الکتاب
ناشران وتاجران کتب
6-A یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور